محدثانہ اصول تنقید و تحقیق کی روشنی میں پہلی تاریخی کتاب

صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین

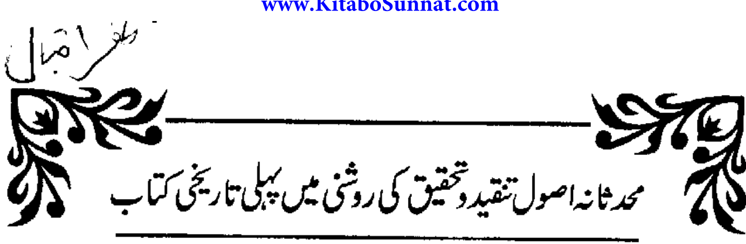
بعثت رسول ﷺ سے سانحہ کربلا تک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لاثانی فضائل اور ان کی عدالت پر اعتراضات
کے جوابات اور ان کی پرخلوص مساعی مشکورہ کا تذکرہ

تصنیف
فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر عثمان بن محمد ناصری آل خمیس
حال مکۃ مکرمۃ

ترجمہ و تہذیب
ابو مسعود عبدالجبار سلفی
(ایم اے ایم او ایل)

مجلس تحفظ ناموس صحابہ و اہل بیت پاکستان



محدثانہ اصول تنقید و تحقیق کی روشنی میں پہلی تاریخی کتاب

صحیح

تاریخ الاسلام والمسلمین

بعثت رسول ﷺ سے سانحہ کربلا تک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کے لاثانی فضائل
اور ان کی عدالت پر
اعتراضات کے جوابات
اور ان کی پرخلوص
مساعی مشکورہ کا تذکرہ

تصنیف
ڈاکٹر عثمان بن محمد ناصری آل خمیس

ترجمہ وتہذیب
مولانا ابومسعود عبدالجبار سلفی

ناشر
مجلسِ تحفظِ ناموسِ صحابہ و اہلبیت

نام کتاب:

صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین

تالیف: ڈاکٹر عثمان بن محمد ناصری آل خمیس

ترجمہ وتہذیب: ابو مسعود عبدالجبار سلفی

طبع دوم: 2011ء

صفحات: 336

قیمت: -/300 روپے

ناشر: مکتبہ الثقافۃ الاسلامیہ



درود ابراہیمی

اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

"اے اللہ! محمد (ﷺ) پر رحمتیں نازل فرما اور آل محمد پر جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں نازل فرمائیں یقیناً تو بہت تعریف کے قابل، نہایت بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! محمد (ﷺ) پر برکتیں نازل فرما اور آل محمد پر جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائیں یقیناً تو بہت تعریف کے قابل، نہایت بزرگی والا ہے۔"



فہرست



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اوّل......عرضِ مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَفْضَلِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ.

یہ ایک عالمگیر سچائی ہے کہ استاد ہمیشہ اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے اور درخت اپنے پھل سے تمیز رکھتا ہے۔ چنانچہ جس استاد کے شاگرد بااخلاق، لائق، ہمدرد اور سلیقہ مند ہوں، اس کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے اور اس کی قدر ومنزلت کے ہر پہلو کو اُجاگر کیا جاتا ہے اور اس طرح جس درخت کا پھل شیریں اور لذیذ ہو اسے قدر وقیمت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمارا اس حقیقت پر ایمان ویقین ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ساری کائنات کے سردار اور افضل و اکمل معلّم ہیں، لہٰذا ہمیں ماننا پڑے گا کہ ان کے شاگرد اور تلامذہ بھی تمام امتیوں سے افضل و اکمل انسان تھے۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے شاگردوں، جو صحابہ کرامؓ کی جماعت کی صورت میں موجود ہیں، ان کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وتصفیہ کا فریضہ اس خوبی اور کمال سے سرانجام دیا کہ حق تعالیٰ نے انہیں راشدون، صادقون، مفلحون اور فائزون کے القاب سے نوازا۔ اس ضمن میں ذیل کی آیات عظمت صحابہ کی قدر ومنزلت اور جلالت پر روشنی ڈالتی ہیں:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ [آل عمران:١١٠]

''کہ تم بہترین امت ہو، جسے لوگوں (کی راہنمائی) کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ﴾ [مجادلة:٢٢]

''کہ (وہ لوگ جنہوں نے جنگ بدر میں اپنے بیٹوں، بھائیوں، باپوں پر تلواریں سونت لی تھیں) تو انہیں ایسا نہ پائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور وہ ان لوگوں سے دوستی بھی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت رکھتے ہیں (اور مخالفت کرنے والے یہ لوگ خواہ) ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے ہوں، یا ان کے بھائی ہوں، یا ان کے قرابت دار ہوں کیونکہ اس نے ان کے دلوں میں (پتھر پر لکیر کی طرح) ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے، اللہ انہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں ان کی تعریف کر رہا ہو کہ

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾ [فتح:۲۹]

”کہ محمد، اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں بڑے نرم خو ہیں، تو انہیں اللہ سے خوشنودی اور فضل تلاش کرنے کی غرض سے رکوع اور سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا۔“

چنانچہ جس استاد کے شاگرد امتحان کے موقع پر، ماسوائے دو تین کے، سب فیل ہو گئے ہوں اسے دنیا کا کون سا ادارہ کوئی تمغۂ فضیلت دے گا؟ اور جس رسول کے صحابہ، اپنے ہادی و مرشد کے فوت ہوتے ہی مرتد ہو گئے ہوں، اسے دنیا کی کامیاب ترین ہستی کون قرار دے گا؟

الحمد اللہ! ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ذوی العقول مخلوق سے افضل اور اولادِ آدم کے سردار ہیں۔ تبلیغ رسالت میں، جتنی کامیابیاں آپ کے حصے میں آئیں کسی اور پیغمبر کے شمار میں نہیں آئیں اور جس قدر آپ کی اُمت اور خصوصاً صحابہ کرام اور تابعین عظام کو پختہ ایمان اور خلوص و توکل نصیب ہوا، اس قدر کسی اور امت کو نصیب نہ ہوا، لیکن اعدائے دین کو شاید ان کی یہ سرخروئی اور عظمت ایک آنکھ بھی نہ بھائی، چنانچہ انہوں نے مختلف بہانوں سے ان کی عظمت کو داغدار ثابت کرنے کے لیے کذاب راویوں کی مکذوبہ روایات کا سہارا لیا اور انہیں شائع کر کے اپنے دلوں کی بھڑاس نکال لی۔ بقول شاعر (بتغییر یسیر)

حَسَدُوْهُمْ اِذَا لَمْ يَنَالُوْا سَعْيَهُمْ
فَالْقَوْمُ اَعْدَاءٌ لَهُمْ وَخُصُوْمُ

وَ تَرَى اللَّبِيْبَ مُحَسَّدًا لَمْ يَجْتَرِمْ
شَتْمَ الرِّجَالِ وَعِرْضُهُ مَشْتُوْمُ

وَكَذَاكَ مَنْ عَظُمَتْ عَلَيْهِ نِعْمَةٌ
حُسَّادُهُ سَيْفٌ عَلَيْهِ صَرُوْمٌ [1]

[1] ''کہ جب وہ ان کی طرح اچھے کارنامے سرانجام نہ دے سکے تو ان سے حسد کرنے لگے چنانچہ قوم ان کی دشمن بن گئی اور آپس میں جھگڑنے لگی۔''

[2] ''تم دیکھتے ہو کہ دانشمند نے جرم بھی نہیں کیا ہوتا، لیکن وہ اپنی خوبیوں کی وجہ سے محسود بن جاتا ہے اور اس کی عزت لوگوں کی دشنام طرازیوں کا خواہ مخواہ نشانہ بن جاتی ہے۔''

[3] ''اصل بات یہ ہے کہ جس شخص پر نعمت کی فراوانی ہو جائے اس کے حاسد، اس کے حق میں تیز تلوار بن جاتے ہیں۔''

کس قدر المناک قضیہ ہے کہ جن ہستیوں نے اپنے خون سے شجرۂ اسلام کی آبیاری کی اور اس کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں اور اس کے پیغام کو چہار دانگِ عالم تک پہنچایا اور ان کی قربانیوں کی بدولت ہم اور ہمارے آباء واجداد مسلمان ہوئے، آج ہم انہیں یہ صلہ دے رہے ہیں کہ ان کے متعلق سبائیوں (خفیہ یہودی تنظیم) کی مکذوبہ روایات سن کر ان پر سب وشتم کرتے ہیں!!۔ چنانچہ کہیں تو مقتدر اہل بیت کرام کی تعظیم و تفخیم کی آڑ میں شریعت کے حاملین صحابہ کرامؓ پر کیچڑ اچھالا جا رہا ہے، اور کہیں اسلام کا علم تھامنے اور اسے سرنگوں ہونے سے بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینے والی مقتدر ہستیوں پر بے سروپا بہتانات لگائے جا رہے ہیں۔

کیا اس سے کہیں یہ مقصود تو نہیں کہ اس طریق سے رسالت مآب ﷺ کی رسالت ہی مشکوک بنا دی جائے؟.......... کیونکہ انہی ہستیوں نے ہی تو اس بات کی گواہی دی کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے اللہ کے پیغامات کو اس کے بندوں تک پہنچایا اور اپنے

[1] شرح ترغیب و ترهیب: ٤/١٢٧.

سپرد کی گئی امانت کو کما حقہ ادا کیا اور امت کی خیر خواہی کی سرتوڑ کوشش کی اور کفر و شرک کی تاریکی دور کر کے اسلام کے نور کا جگمگا دیا۔ جب ان شاہدوں اور گواہوں (صحابہ کرامؓ) کی دیانتداری ہی چیلنج کر دی جائے تو ان کی گواہی اور شہادت بھی مسترد ہو جائے گی اور اس طرح اس شریعت اور منہاج کا خاتمہ ہو جائے گا، جس کے ذریعے گذشتہ نبوّتیں اور شریعتیں منسوخ ہو گئی تھیں، کیونکہ قرآن کے ناقل اور راوی اور جامع بھی تو وہی صحابہ ہیں اور سنت رسول کے مدوّن بھی وہی ہیں۔ جب (نعوذ باللہ) وہ عادل نہ ہوئے تو اس دین کے دامن میں کیا رہ باقی جائے گا؟

لیکن الحمد للہ شیخین کریمین، خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور سب کے سب صحابہ کرامؓ کے متعلق وہی کچھ سچ ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور حضرت رسول کریم ﷺ نے اس سے آگاہ فرمایا، نہ کہ وہ جو کذاب راویوں نے اپنے خبث باطن اور مذموم مقاصد کے لیے بیان کیا!!۔

اور پھر متعصب رافضیوں نے تو گویا قسم اُٹھا رکھی ہے کہ جب تک وہ صحابہ کرامؓ اور خصوصاً شیخین کریمین کی عظمت اور ان کے کردار کو داغدار نہ کرلیں اس وقت تک عظمت اہل بیت کا بیان ہی شروع نہ کریں گے اور جب عظمت اہل بیت بیان کرنے کی غرض سے سٹیج پر آئیں گے تو انہیں اس مرتبہ سے کہیں اوپر لے جائیں گے، جو اللہ نے حقیقتاً ان کو بخشا ہے۔

یہ امر فہم سے بالاتر ہے کہ بعثت رسول سے لے کر تقریباً دو صدیوں بعد تک سادات کرامؓ کے ساتھ مروّجہ مصنوعی محبت اور فدا کاری کا موضوع کس بنا پر منظر عام پر نہ آسکا؟ اس کا سبب یا تو مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت اور قوت کے نقوش کا ثبت ہونا ہے، یا محافظ اسلام حکومتوں کی بیدار مغزی تھی کہ وہ حب اہل بیت کے جام شیریں میں نفرت صحابہ کرام کا زہر گھولنے والے زہریلے

دشمنوں کا سر کچل ڈالتی تھیں۔ مگر جب سے مصنوعی محبان اہل بیت کو عجمی اسلوب تعزیت کی بدولت ہمدردی اور اقتدار میسر آیا تو وہ دن رات اسلام کی بیخ کنی اور عظمت صحابہ کرام کو زائل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ہمارے بعض مصنفین نے کتاب و سنت کی محقق روایات کے برعکس خلافت و ملوکیت کے حوالے سے ایسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں جس سے اہانتِ صحابہ کا پہلو نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فضیلۃ الشیخ عثمان بن محمد الناصری آل خمیس حفظہ اللہ کو اجر جزیل اور فیض عمیم عطا فرمائے کہ انہوں نے عدالت صحابہؓ پر ایسی لا جواب تحقیق اور علمی کتاب لکھی ہے جو جامعیت، اختصار اور دلکش اسلوب استدلال کے اعتبار سے ایک منفرد کتاب ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے صحابہ کرامؓ پر وارد کیے جانے والے تمام اعتراضات کے ایسے شافی جوابات دیئے ہیں کہ سبحان اللہ!!! وعند الله في ذاك الجزاءُ

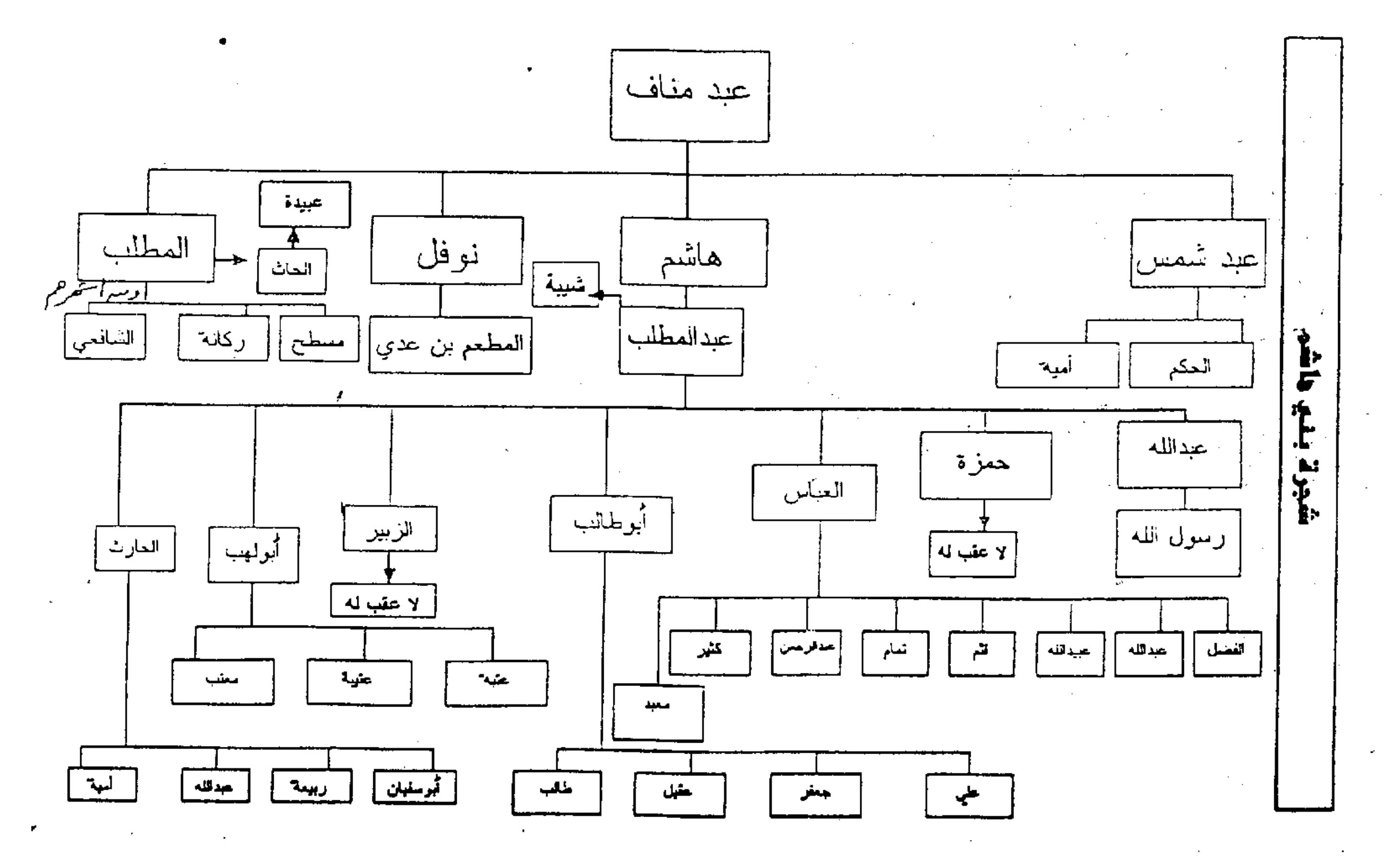
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قابل احترام مؤلف، ناچیز مترجم اور اس کتاب کی اشاعت وطباعت میں تعاون کرنے والے حضرات کو ان قدسی نفوس کی صحبت نصیب فرمائے، جنہوں نے اپنا تن من دھن حضرت رسول کریم ﷺ پر نثار کر دیا تھا، یوں اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے اللہ سے راضی ہو گئے۔

يَارَبِّ لَا تَسْلُبْ عَنَّا حُبَّهُمْ أَبَدًا

وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ آمِيْنًا

۱۰/جون ۲۰۰۴ء

فقير الى الله الغنى
ابومسعود عبدالجبار سلفی



شجرة بني هاشم
عبد مناف
عبد شمس
هاشم
نوفل
المطلب
الحكم
أمية
عبدالمطلب
شيبة
المطعم بن عدي
عبيدة
الحاث
مسطح
ركانة
الشافعي
عبدالله
رسول الله
حمزة
لا عقب له
العباس
أبوطالب
الزبير
لا عقب له
أبولهب
الحارث
الفضل
عبدالله
عبيدالله
قثم
تمام
عبدالرحمن
كثير
معبد
علي
جعفر
عقيل
طالب
عتبة
عتيبة
معتب
أبوسفيان
ربيعة
عبدالله
أمية



خطبہ مسنونہ

« إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّأٰتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ »[صلی اللہ علیہ وسلم]

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝﴾ [آل عمران:۱۰۲]

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝﴾[النساء:۱]

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝﴾[الاحزاب:۷۰-۷۱]

« اَمَّا بَعْدُ ! فَاِنَّ اَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ »[1]

[1] یہ وہ خطبہ مسنونہ ہے جو حضرت رسول مقبول ﷺ اپنے ہر خطاب سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔[مترجم]



سخنے چند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ.

جب کبھی میرے دل میں اس موضوع پر گفتگو کرنے کا خیال گزرتا تو میں کبھی ایک قدم آگے بڑھاتا اور دوسرا قدم پیچھے ہٹا لیتا، کیونکہ اس موضوع پر بہت سے مصنفین نے طبع آزمائی کی ہے، بسا اوقات حق و صداقت کو اجاگر کرنے اور زیادہ تر باطل تصورات کوفروغ دینے کے لیے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر چہ اس موضوع پر تحقیق و تسوید میں صدیاں بیت رہی ہیں لیکن (صحابہ کرامؓ جیسی مقدس) ہستیوں کی رفعت شان کی بنا پر یہ موضوع پھر بھی ہمارے دلوں میں زندہ اور تابندہ ہے اور پھر یہ موضوع اس بنا پر بھی تازہ رہتا ہے کہ گمراہ فرقے (اپنی کج فہمی کی وجہ سے ان ستاروں جیسی صاف وشفاف ہستیوں پر) کیچڑ اچھالنے کی مذموم حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔

اور جب یہ بات طے شدہ ہے کہ کلمۂ حق ایسا نور ہے، جس سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے نیز اس مقدس گروہ کا ہم پر احسان بھی ہے، لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے اوپر ان کے احسانات کا کچھ تو حق ادا کریں۔ کیونکہ ان کا معاملہ دوسروں جیسا نہیں، ان کا علم اور عمل اس قدر وسیع اور خالص تھا کہ اولین و آخرین میں سے کوئی امتی ان سے

آگے نہ بڑھ سکا اور نہ ہی ان کے برابر ہو سکے گا، کیونکہ یہی تو وہ ہستیاں تھیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ دین کو عزت بخشی اور اسے تمام ادیان و مذاہب پر غلبہ عطا فرمایا۔

اور ہم لوگ اصحابِ رسول کریم ﷺ کے فضائل و مناقب پر والا و شیدا ہیں لیکن ان کے متعلق معصومیت کا دعویٰ بھی نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں اور انبیاء کرام کے سوا کسی کو معصوم نہیں بنایا۔

ہاں ان میں سے چند صحابہ کرام سے حضرت رسول کریم ﷺ کی زندگی اور وفات کے بعد چند تسامحات بھی ہوئے لیکن ان تسامحات کی حیثیت ان کی نیکیوں کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے پہاڑوں کے مقابلے میں ریت کے چند ذرات اور سیلاب کے مقابلے میں بارش کے چند قطرے۔

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ نگاری نہایت نازک اور اہم کام ہے کیونکہ یہ فن قوموں کی عظمت و رفعت کے اہرام تعمیر کرتا ہے اور ان کے منہج اور حال و مستقبل کی منصوبہ بندی کرتا ہے اور جب تک کوئی قوم اپنے ماضی کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط نہ کرے اور اپنے حال کی تعمیر اور مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے اس سے قوت حاصل نہ کرے، وہ جہانبانی کے منصب پر فائز ہو سکتی ہے نہ اپنے پاؤں پر کھڑی رہ سکتی ہے۔اور مسلمان قوم جیسی (عظیم قوم) دوسری اقوام سے اس کام کی زیادہ حقدار ہے کیونکہ اس کی تاریخ کشور کشائی، شجاعت و بسالت اور بزرگی و برتری کے ایسے اعزازات رکھتی ہے کہ دیگر اقوام کی تاریخ اس کے مقابلے میں پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔لیکن دور حاضر میں ہماری ملت کی کمزوری (اور باہمی تفرق و تحزب) کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر بندروں اور خنزیروں کی اولاد کو مسلط کر دیا ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

مَنْ يَهُنْ يَسْهَلِ الْهَوانُ عَلَيْهِ
مَا لِجَرْحٍ بِمَيِّتٍ اِيْلَامُ [1]

''جس طرح مردے کو زخم سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اس طرح ذلت وخواری پر ریجھی ہوئی قوم کو ذلت وخواری میں زندگی بسر کرنا چنداں مشکل نہیں۔''

اس ضعف واضمحلال کے سائے میں ہماری قوم کی روشن اور برتر تاریخ کی طرف لوٹنا انتہائی ضروری ہے تاکہ ہمیں اپنی اصلیت کے متعلق غور کرنا اور اپنے اردگرد دیکھنا اور اپنے مستقبل کی طرف قدم بڑھانا آسان ہو جائے، لیکن یہ عمل اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک ہم اپنی صحیح تاریخ کی طرف رجوع نہ کریں اور اس پر گہری نظر نہ ڈال لیں۔ اور صحیح چیز کے علاوہ کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔

اور اگر ہم اپنی تاریخ کو بنظر عمیق دیکھیں تو ہمیں اس کا وہ دور، یا عرصہ روشن ترین اور دودھ سے زیادہ سفید نظر آئے گا، جس میں حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے زندگی بسر کی اور یہی وہ پاکیزہ گروہ تھا جس نے اپنے کندھوں پر اسلام کے پیغام کو عام کرنے کی ذمہ داری اٹھائی اور یہی مقدس ہستیاں انبیائے کرام کے بعد اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ مخلوق ہیں۔

اور فرقوں کی بہتات کی بنا پر مسلمان قوم کی تاریخ بے پناہ تحریف کا شکار رہی کیونکہ ان میں ہر فرقہ اس کوشش میں مصروف رہا کہ وہ اپنوں کی شان بڑھائے اور دوسروں کو گرائے، ان کے اس طرز عمل سے عظیم ترین ہستیوں کی تاریخ میں شگاف پیدا ہو گئے۔

مسلمان قوم میں سے چند لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے اس قدر غلو آمیز محبت کی کہ آپؓ کا معاملہ مکمل طور پر الجھا کر رکھ دیا اور آپ کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیں جو اصل واقعات اور تاریخ سے میل نہیں رکھتیں اور اسی (کھیل

[1] دیوان متنبی۔١٦٤۔

کے) دوران دوسرے صحابہ کرامؓ کی شان گھٹانے کی ناکام کوششیں کیں اور انہیں حضرت علیؓ کا حق غصب کرنے ،ان پر ظلم کرنے نیز خود اپنے حق میں برا بیج بونے والوں کے روپ میں پیش کیا، بلکہ اس محبت نما دشمنی میں اولاد علیؓ کو منصوص علیہم آئمہ قرار دیا اور انہیں انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی طرح معصوم قرار دینے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان سے بھی بڑھا دیا۔

اور صحیح تحقیق کے مطابق تاریخ صحابہ کو مسخ کرنے کے اس عمل کی ابتدا تیسری صدی کا نصف گزرنے کے بعد ہوئی اور یہ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں کبار صحابہ کرامؓ کے احوال اور ان کی صحیح روایات میں تو ایسی کوئی چیز نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت علیؓ ان سے ناخوش تھے یا وہ ان سے ناراض تھے جیسا کہ شیعہ حضرات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

بلکہ اس کے برعکس تمام مؤرخین (اس خوشگوار حقیقت پر) متفق ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنی لخت جگر حضرت عمرؓ کے نکاح میں دی اور اپنے بیٹوں کے نام ابو بکر و عمر رکھ کر اپنے پیشرو صحابہ کرام سے یگانگت اور محبت کا ثبوت دیا اور حضرت عمرؓ کے دور امارت میں منصب قضا قبول فرمایا اور شیخین کریمین اور دیگر صحابہ کرام کی مدح فرمائی۔

اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں اس موضوع پر لکھنے کے معاملے میں گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھا، لیکن ثقہ قسم کے اہل علم سے مشورہ کے بعد میں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس موضوع پر لازمی طور پر کچھ نہ کچھ لکھنے کی ضرورت ہے، چنانچہ اس میں جو بات حق ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو راہ صواب سے ہٹ کر ہو وہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔

میں نے اپنی اس کتاب میں چودہ صدیوں پر محیط طویل اسلامی تاریخ کی ابتدائی

نصف صدی (۱۱ھ تا ۶۱ ھ) کے محدود عرصے پر گفتگو کی ہے، جو کہ میرے خیال میں وفات رسول ﷺ کے بعد اسلامی تاریخ کا سب سے اہم دَور ہے۔

چنانچہ میں نے اس کتاب کو چار فصلوں پر تقسیم کیا ہے:

پہلی فصل:

مطالعہ تاریخ کی کیفیت ،امام طبری کے منہج اور اسلامی تاریخ میں سند کی اہمیت پر مشتمل ہے۔

دوسری فصل:

اس فصل میں' میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کے سانحہ ارتحال ۱۱ھ سے لے کر ۶۱ ھ تک رونما ہونے والے واقعات پر بے لاگ تحقیق کی ہے اور حتی المقدور صحیح سند کے ساتھ مروی روایات بیان کی ہیں اور ساتھ ساتھ من گھڑت اور باطل روایات پر تنقید بھی کی ہے۔

تیسری فصل:

اس میں' مَیں نے کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے استدلال کر کے عدالت صحابہ کرامؓ پر بحث کی ہے اور ان کے متعلق پھیلائے گئے شبہات بھی ذکر کیے ہیں اور ان پر بے لاگ اور جامع تبصرہ کر کے حق اور سچ کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

چوتھی فصل:

اس فصل میں قضیۂ خلافت پر بحث کی ہے اور امامت علی بن ابی طالبؓ پر شیعی دلائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور دقیق علمی بحث کے ذریعے ایسا جائزہ لیا

ہے کہ شاید ہی کسی اور کتاب میں اس طرح سے ان کا تجزیہ کیا گیا ہو اور میں کسی طرح کی خود فریبی اور ترنگ میں مبتلا ہو کر ایسا دعویٰ نہیں کر رہا بلکہ ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ کے تحت تحدیث نعمت کا اظہار کر رہا ہوں۔

اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرے عمل کو اپنی خوشنودی کے لیے خالص کر دے کیونکہ وہ ہر طرح سے بااختیار اور ایسا کرنے پر قادر ہے۔

واٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بِاللّٰهِ يَا قَارِئًا كُتُبِي وَسَامِعَهَا
اَسْبِلُ عَلَيْهَا رِدَاءَ الْحُكْمِ وَ الْكَرَمِ
وَ اسْتُرُ بِلُطفِكَ مَا تَلْقَاهُ مِنْ خَطَاءٍ
اَوْ اَصْلِحُهُ تُثِبُ اِنْ كُنْتَ ذَافَهِمِ
فَكَمْ مِنْ جَوَادٍ كَبَا وَالسَّبْقُ عَادَتُهٗ
وَ كَمْ حَسَامٍ نَبَا اَوْ عَادَ ذُوْ ثَلَمِ
وَ كُلُّنَا يَا أَخِيْ خَطَّاءٌ ذُو زُلَلٍ
وَالْعُذْرُ يَقْبَلُهٗ ذُوالْفَضْلِ وَالشِّيَمِ [1]

''اے میری تحریروں کے پڑھنے اور سننے والے! ان پر عالی ظرفی اور دانشمندی کی چادر پھیلا دے۔''

''اور ان میں جو غلطی نظر آئے اس پر لطف و کرم کا پردہ ڈال دے، اگر اللہ نے آپ کو صاحب فہم و ادراک بنایا ہے تو اس سے ثواب حاصل کرنے کی غرض سے اس کی اصلاح کر دے۔''

[1] موارد الظمأن.

”چنانچہ کتنے ہی شہسوار ہیں جو بسا اوقات ٹھوکر کھا کر گر پڑتے ہیں حالانکہ وہ عام طور پر دوڑ جیت لیتے ہیں اور کتنی ہی تیز تلواریں ہیں جو بسا اوقات کند ہو جاتی ہیں یا ان میں دندانے پڑ جاتے ہیں۔“

”اے میرے برادر ہم سب خطا کار ہیں اور پھسل جانے والے ہیں، اور عالی ظرف اصحاب علم و فضل، عذر قبول کر لیتے ہیں۔“

عثمان بن محمد الناصری آل خمیس



تمہید وتعارف

ہم مطالعہ تاریخ کیسے کریں؟

ہمیں چاہیے کہ ہم تاریخ کو ایسے ہی پڑھیں جیسے حضرت رسول مقبول ﷺ کی احادیث مبارکہ کو پڑھتے ہیں اور جب ہم آپ کی احادیث پڑھتے ہیں تو ہم اس بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ یہ چیز آپ ﷺ سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟۔ہم حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کردہ احادیث کی صحت وضعف اور اس کے مستند اور غیر مستند ہونے کا اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے جب تک سند اور متن کو(جرح و تعدیل کی کسوٹی پر) پرکھ نہ لیں، کیونکہ اہل علم نے حدیث اور اس کے راویوں کے معاملے میں خصوصی دلچسپی لی ہے اور ان کی روایت کردہ احادیث کو تلاش کر کے انہیں کھنگالا ہے،ان پر صحت وضعف کا حکم صادر کیا ہے اور یوں ان میں جھوٹ، تدلیس اور ان جیسے دیگر عیوب کی نشاندہی کر کے ان احادیث کو ان باتوں سے نکھار دیا گیا ہے جو ان میں داخل کی گئی ہیں۔

لیکن تاریخ کا معاملہ اس سے مختلف ہے چنانچہ اس میں بہت سی روایات ایسی ہیں جن کی سند ہی نہیں اور بسا اوقات اسناد تو ملتی ہیں لیکن ان سندوں کے راویوں کے حالات زندگی نہیں ملتے اور نہ ہی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اہل علم نے ان کی مدح کی ہے یا مذمت' ان کی تعدیل کی ہے یا ان پر جرح کی ہے۔اندریں

صورت ہمارے لیے مشکل ہے کہ ہم ان پر کوئی حکم لگائیں کہ وہ صحیح ہیں یا ضعیف کیونکہ ہم سند کے چند راویوں کے حالات نہیں جانتے، لہٰذا تاریخ کا معاملہ حدیث سے بھی مشکل ہو گیا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس میں تساہل سے کام لیں اور بلا تحقیق تاریخی روایات کو قبول کرتے چلے جائیں۔ نہیں! بلکہ ہمیں تحقیق کرنی چاہیے اور ہمیں اپنی حقیقی تاریخ کو حاصل کرنے کا فن سیکھنا چاہیے۔

اس موقعہ پر کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اس طریقے سے تو ہماری تاریخ کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔

ہم اس مفروضے کو یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ (یہ تمہارا خام خیال ہے)، اس طریقے سے ہماری تاریخ کا اکثر حصہ ضائع نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے ہماری اصل اور حقیقی تاریخ نکھر کر سامنے آجائے گی۔ جبکہ بے شمار تاریخی روایات اور خصوصاً وہ روایات جو ہماری اس بحث سے تعلق رکھتی ہیں، وہ باسند مروی ہیں، خواہ وہ کتب تاریخ میں ہوں جیسا کہ تاریخ طبری ہے، یا کتب حدیث میں ہوں جیسا کہ صحیح بخاری، مسند احمد، سنن ترمذی میں یا مصنفات میں ہوں جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ، یا ان کتب تفسیر میں ہوں جو تاریخی روایات کا تذکرہ سندوں کے ساتھ کرتی ہیں جیسا کہ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر ہے۔ بسا اوقات یہ روایات ان خاص کتب سے ملتی ہیں جو بعض مخصوص زمانوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں مثلاً کتاب حروب الرّدہ للکلاعی، کتاب مختصر تاریخ خلیفہ بن خیاط ہے، مقصد یہ ہے کہ آپ ان روایات میں سے کسی بھی روایت کی سند تلاش کرنے میں ناکام نہیں ہو سکتے۔

مقصد یہ ہے کہ (جستجو کرنے سے) آپ کو ان روایات کی اسناد مل سکتی ہیں اور اگر آپ کو کسی بھی صورت میں سند نہ ملے تو آپ کے پاس ایک عام

اصل (معیار) ہے جس پر آپ گامزن رہ سکتے ہیں اور اس اصل کا تعلق دورِ صحابہ سے خاص ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول ﷺ نے صحابہؓ کی تعریف بیان فرمائی ہے (اس کے دلائل صحابہ کرام کی بحث میں آئیں گے) اس بنا پر آپ ایمان رکھیں کہ صحابہ کرام عادل ہیں یعنی (اور ان میں اصل، عدل ہے اور جب آپ کو کوئی ایسی روایت ملے جس میں اصحاب رسول ﷺ پر حرف آتا ہے تو اصول یہ ہے کہ اس کی سند دیکھی جائے اور اگر سند صحیح ہو تو اس کا صحیح مطلب تلاش کیا جائے گا اور پتہ لگایا جائے گا کہ یہ روایت کس بات پر دلالت کرتی ہے اور اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ اس کی سند ہی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے تو الحمد للہ۔ اگر اس کی سند نہیں ملتی تو ہمارے پاس اصل ہے اور وہ ہے اصحاب رسول ﷺ کی عدالت جو قرآن حدث سے ثابت ہے (کہ وہ پاکیزہ جماعت، نیک نیت اور بے قصور تھے۔)

بنا بریں جب ہم تاریخ پڑھیں تو یوں پڑھیں جیسے ہم حدیث رسول کو صحت کے معیار پر پرکھ کر پڑھتے ہیں، خصوصاً تاریخ کا وہ حصہ جو اصحاب رسول کے ساتھ خاص ہے۔

ہم کن کی تاریخی مؤلفات پڑھیں:

افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے اس دور میں بہت سے لوگ تاریخ کے موضوع پر لکھی ہوئی جدید کتابیں پڑھتے ہیں، جن میں یا تو واقعات کو رنگ آمیزی سے بیان کیا گیا ہے، یا انہیں بگاڑ دیا گیا ہے، یا ان میں یہ دونوں چیزیں بیک وقت موجود ہیں، قطع نظر اس بات سے کہ وہ صحیح ہیں یا من گھڑت مثلاً عباس العقاد، خالد محمد خالد، طٰہٰ حسین اور جورجی زیدان یا ان جیسے دیگر جدید اور ماڈرن مؤرخین کی مؤلفات[1] چنانچہ یہ لوگ جب

[1] یا جیسے برصغیر میں نسیم حجازی، اسلم راہی اور عنایت اللہ وغیرہ کے تاریخی ناولوں میں وضعی روایات شامل ہیں۔

تاریخ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو قصے کو خوبصورت بنانے اور اسلوب بیان کو سنوارنے کا اہتمام کرتے ہیں، قطع نظر اس بات کے کہ یہ قصہ صحیح ہے یا غیر صحیح، ان کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے قصے کو خوبصورت اور داستانوی انداز میں پیش کریں۔

اس صورت میں ہم کیا پڑھیں:

اگر آپ تاریخی واقعات کی اسانید کی تحقیق کر سکتے ہیں تو امام طبری کو پڑھیں کیونکہ وہ تقریباً ان لوگوں کے سرخیل ہیں جنہوں نے تاریخ کے موضوع پر قلم اٹھایا۔ اگر آپ واقعات کی اسانید پر تنقید و تحقیق نہیں کر سکتے تو امام ابن کثیر کی ''البدایہ والنہایہ'' اور امام ذہبی کی ''تاریخ الاسلام'' اور امام ابو بکر ابن العربی کی ''العواصم من القواصم'' پڑھیں کیونکہ دور صحابہ کے اس عرصہ (۱۱ھ تا ۶۱ھ) کے حالات اور واقعات پر یہ یہ کتابیں، سب سے عمدہ اور شاندار ہیں۔

مطالعہ تاریخ کے دوران احتیاط:

تاریخی کتب کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں مؤلف کی ذاتی رائے کی طرف مائل نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے نظر انداز کر کے اصل روایت کی طرف دیکھنا چاہیے (کہ وہ ثابت بھی ہے یا نہیں) اور پڑھتے وقت انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور ہمیں خصوصاً اصحاب الرسول ﷺ کی تاریخ پڑھتے وقت دو باتوں پر ایمان و اعتقاد رکھنا چاہیے۔

پہلی بات: ہمیں اس حقیقت پر ایمان و اعتقاد رکھنا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم صلوٰت اللہ وسلامہ کے بعد اصحاب الرسول ﷺ تمام انسانوں سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف بیان کی ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی تعریف کی ہے اور آپ نے بہت سی احادیث میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ تمام امت سے افضل ہیں، یا یہ کہ وہ انبیائے کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے بعد سب امتوں سے افضل ہیں۔

دوسری بات: ہم یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اصحاب رسول ﷺ بتقاضائے بشریت معصوم عن الخطا نہ تھے، ہاں البتہ اس بات پر ضرور اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ان کے اجماع کو درجہ معصومیت حاصل ہے کیونکہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ: ''میری امت ضلالت و گمراہی پر اجماع نہ کرے گی۔''[1]

چنانچہ وہ اس اعتبار سے معصوم ہیں کہ وہ سب ضلالت و گمراہی پر متفق ہوں لیکن انفرادی طور پر وہ معصوم نہیں ہیں، کیونکہ انفرادی عصمت صرف اللہ کے مقدس رسولوں کو حاصل ہے، ان کے علاوہ ہم کسی کی انفرادی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھ سکتے۔ اس بنا پر لازم ٹھہرا کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیر القرون ہونے کا اعتقاد رکھیں اور اس بات پر بھی اعتقاد رکھیں کہ وہ معصوم نہیں ہیں۔

لہٰذا جب آپ کے سامنے کوئی ایسی روایت گذرے جس میں کسی صحابی رسول پر طعن، یا حرف آتا ہو، تو اسے رد کرنے میں جلدی کیجئے نہ قبول کرنے میں!

بلکہ اس کی سند دیکھیے! اگر سند صحیح ہو تو وہ روائت اس قبیل سے ہوگی کہ وہ معصوم نہیں ہیں۔ اور اگر سند ضعیف ہو تو ہم اصل پر قائم رہیں گے کہ وہ انبیائے کرام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ (مزید تفصیل عدالت صحابہ کے عنوان پر آئے گی)

اللہ تعالیٰ نے اصحابِ رسول ﷺ کی تعریف جن آیات میں بیان کی ہے ان میں سے ایک یہ ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

[1] مسند احمد من طريق ابى بصره الغفارى: ٦/٣٩٦' ابن ماجه: كتاب الفتن باب السواد الاعظم: ٢/٣٦٧' رقم الحديث: ٣٩٩٨، ابن ابى عاصم فى السنة رقم: ٨٠، نیز اس کی مزید تفصیل باب عدالت صحابہ (ص: ۱۹۵) میں بیان کی جائے گی۔

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ [سورة الفتح:۲۹]

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم خو ہیں، تو انہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے رکوع اور سجدوں کی حالت میں دیکھے گا، ان کے چہروں پر سجدوں کی وجہ سے (شرف و وقار) کی علامات ہیں۔ ان کی یہی نشانی تورات میں ہے اور یہی نشانی انجیل میں ہے اس کھیتی کی طرح جس نے اپنی کونپلیں نکالیں، پھر وہ مضبوط ہوئی، پھر وہ اپنی ڈالی پر کھڑی ہوئی، اس کا یہ منظر کسان کو مسرور کرتا ہے۔ تاکہ اللہ ان کے ذریعے کفار کو غصہ دلائے (اور وہ ان کی شان وشوکت دیکھ کر دانت پیستے رہیں) اللہ تعالیٰ نے ایمان قبول کرنے اور نیک کام کرنے والوں سے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس جیسی آیات میں تمام اصحابِ رسول ﷺ کی مدح بیان کی ہے اس لیے بنیادی طور پر وہ سب تعریف کے مستحق ہیں اور جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

« لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيفَهُ » [1]

''کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دینا، اگر تم میں سے کوئی آدمی احد پہاڑ جتنا سونا

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل صحابہ، باب لو کنت متخذ خلیلاً ۳۶۷۳، مسلم فضائل صحابہ: ۲۲۱۔

بھی راہ خدا میں خرچ کر ڈالے، تو ان کے ایک سیر جو خرچ کرنے کے برابر درجہ حاصل نہ کر سکے گا، بلکہ نصف سیر جو کے برابر بھی نہ پہنچ سکے گا۔"

یہ ہے حضرت رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے صحابہ کرامؓ کی مدح و ثنا!۔ اور ان شاء اللہ عنقریب اس کتاب کے عدالت صحابہ کے باب میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو آئے گی۔

آخر میں ہم محتاط تاریخی مطالعہ کی بابت ابو عبداللہ قحطانیؒ کی نصیحتیں نقل کرتے ہیں۔ آپ اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

لَاتَقْبَلَنَّ مِنَ التَّوَارِخِ كُلَّ مَا
جَمَعَ الرُّوَاةُ وَ خَطَّ كُلُّ بَنَانِ

اِرْوِ الْحَدِيْثَ الْمُنْتَقٰى عَنْ اَهْلِهٖ
سِيْمَا ذَوِى الْاَحْلَامِ وَالْاَسْنَانِ

كَابْنِ الْمُسَيَّبِ وَالْعُلَاءِ وَ مَالِكٍ
وَاللَّيْثِ وَالزُّهْرِيِّ اَوْ سُفْيَانِ

چنانچہ امام ابو عبداللہ قحطانی ان اشعار کے ذریعے اپنے مخاطب کو راویوں کی ہر طرح کی لکھی ہوئی اور جمع کی ہوئی تاریخی روایتوں کے قبول کرنے سے ڈرا رہے ہیں کیونکہ ان میں رطب و یابس کی بھر مار ہے، اگر ایسی روایات نظر سے گزریں تو پھر کیا کیا جائے۔؟ فرماتے ہیں اہل حدیث کی کسوٹی اور ان کے معیار پر پورا اترنے والی حدیث کو ان سے روایت کر خصوصا ابن مسیّب' علاء' مالک' لیث' زہری یا سفیان جیسے ائمہ اعلام سے۔

اگر آپ صحیح تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ وہی ہو سکتی ہے جو ان ائمہ دین یا

ان جیسے ثقہ ائمہ اعلام کی زبان سے مروی ہو نہ کہ اصحاب رسول ﷺ پر طوفان تولنے والوں کی لکھی ہوئی تاریخ! .... جونعوذ باللہ یہ کہتے ہیں:

''ہماری تاریخ سیاہ ترین تاریخ ہے۔''

حالانکہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ ہماری تاریخ حسین وجمیل اور روشن ترین تاریخ ہے اور اتنی دلچسپ ہے کہ انسان پڑھتے ہوئے سر دھننے لگتا ہے۔

اور جو شخص تفصیل سے معلوم کرنا چاہے، اسے البداية والنهاية یا تاریخ اسلام امام ذہبی یا دیگر معتبر کتب تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

تاریخ کی اہم ترین کتاب امام طبری کی تصنیف ''تاريخ الملوك و الامم'' ہے۔ تاریخ نگار حضرات زیادہ تر امام طبری کی تاریخ سے روایات نقل کرتے ہیں، اہل سنت بھی اور اہل بدعت بھی۔ دونوں اسی کے حوالے پیش کرتے ہیں۔

تاریخ طبری کو دوسروں پر مقدم سمجھنے کی وجوہات

اس کے کئی اسباب ہیں:

1۔ امام طبریؒ کے دور کا ان حوادث کے قریب تر ہونا۔

2۔ امام طبریؒ (ان واقعات کی) اسانید ذکر کرتے ہیں۔

3۔ امام طبریؒ کا علمی مقام ومرتبہ

4۔ اکثر کتب تاریخ اسی کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔

جب معاملہ یہ رہا تو ہمیں بھی چاہئے کہ ہم کوئی تاریخی تحقیق کرنے کے لیے براہ راست امام طبریؒ کی تاریخ کا مطالعہ کریں، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ اہل السنہ بھی تاریخ طبری کا حوالہ دیتے ہیں اور اہل بدعت بھی۔ تو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کیسے ہو؟

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ امام طبری کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسانید ذکر کرتے ہیں اور اہل السنہ امام طبری کی صحیح الاسناد روایات لیتے ہیں جبکہ اہل بدعت ہر طرح کی روایات نقل کرتے ہیں خواہ صحیح ہوں یا موضوع! خاص طور وہ روایات جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوں۔

تاریخ طبری میں امام محمد بن جریر طبری کا اسلوب نگارش

امام طبریؒ نے اپنی کتاب کے شروع میں مقدمہ لکھ کر اس مسئلہ سے ہمیں سکون و اطمینان عطا کیا ہے، کاش کہ اس تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس کے مقدمہ کو بھی پڑھ لیا کریں۔[1]

امام محمد بن جریر طبری اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

''ہماری اس کتاب کے قاری کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں، اپنی شرط کے مطابق، جو روایات اس میں ذکر کرنے والا ہوں اور جو آثار بیان کرنے والا ہوں، اس میں میرا طریق کار یہ ہوگا، کہ میں ان کو ان کے راویوں تک سند کے ساتھ بیان کروں گا۔ چنانچہ میری اس کتاب میں درج شدہ ایسی روایات جو ہم نے بعض متقدمین کے حوالے سے بیان کی ہیں اور ان کا مطالعہ کرنے والا آدمی انہیں ناقابل اعتبار سمجھتا ہے ، یا ان کے سننے والا انہیں قبیح سمجھتا ہے، کیونکہ وہ انہیں کسی طرح سے صحیح نہیں سمجھتا، یا درحقیقت ان کا کوئی معنی و مفہوم بھی نہیں نکلتا، تو وہ جان لے کہ وہ روایات ہماری طرف سے نہیں بلکہ ہم تک پہنچانے والوں کی طرف سے ہیں، ہم نے انہیں اسی طرح بیان کر دیا ہے جس طرح وہ ہم تک پہنچی ہیں۔[2]

[1] بلکہ ہر آدمی کو چاہیے کہ وہ جس کتاب کو پڑھے اس کے مقدمے کو بھی پڑھے تاکہ وہ مؤلف کتاب کا منہج بھی سمجھ سکے۔

[2] مقدمہ تاریخ طبری:ص:٥.

قارئین کرام! میں سمجھتا ہوں کہ امام طبریؒ نے اپنی کتاب کے اس مقدمہ میں ذمہ داری آپ پر ڈال دی ہے، ان کا یہ کہنا ہے کہ جب تمہیں میری اس کتاب کی کوئی روایت قبیح اور ناقابلِ اعتبار نظر آئے اور تم اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہو' تو دیکھئے کہ ہم نے اسے کس سے روایت کیا ؟(لہٰذا) اس کی ذمہ داری اس پر ہے، میرا کام تو صرف یہ ہے کہ ان لوگوں کا نام بھی ذکر کردوں جنہوں نے مجھے وہ روایت بیان کی۔ اب اگر وہ راوی ثقہ ہے تو قبول کرلیں اگر نہیں ہے تو مسترد کردیں۔

تالیف روایات میں یہ طریقہ کار صرف امام طبری ہی کا نہیں بلکہ اکثر محدثین نے اسی انداز سے روایات جمع کی ہیں۔ چنانچہ جب آپ صحیح روایات پر مشتمل صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث مثلاً سنن ترمذی ، سنن ابی داؤد، دارقطنی ، دارمی، مسند احمد یا ان جیسی دیگر کتب کی طرف رجوع کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ آپ کے لیے اسناد ذکر کرتے ہیں اور صرف صحیح احادیث پر اکتفا نہیں کرتے لہٰذا اب ان کتب کے مطالعہ کے دوران ہم نے اسناد کی طرف دیکھنا ہے اگر سند صحیح ہے تو روایت قبول کر لیجئے ورنہ رد کر دیجئے۔ اسی طرح امام طبری نے فقط صحیح روایات درج کرنے کی پابندی نہیں کی بلکہ انہوں نے اس بات کی پابندی بھی کی ہے کہ آپ کے سامنے ان راویوں کا نام ذکر کردیں جن سے انہوں نے روایات سنیں ہیں۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو امام طبریؒ پر اس روایت کی ذمہ داری نہیں ہے۔

اور امام طبری نے اپنی تاریخ میں زیادہ تر روایات لوط بن یحییٰ نامی راوی سے بیان کی ہیں، جس کی کنیت ابو مخنف تھی اور امام طبریؒ نے اسی ابو مخنف سے پانچ صد ستاسی روایات بیان کی ہیں اور یہ روایات حضرت نبی مکرم ﷺ کی وفات سے شروع ہوتی ہیں اور خلافت یزید بن معاویہ پر ختم ہوتی ہیں اور ہم اپنی اس

کتاب میں اسی عرصے کے متعلق گفتگو کریں گے۔ چنانچہ اس میں درج ذیل موضوعات پر بحث ہوگی۔

(۱) سقیفہ بنی ساعدہ' (۲) قصہ شوریٰ اور وہ اسباب جن کی وجہ سے خوارج امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ (۳) اس کے بعد آپ کی شہادت۔ (۴) خلافتِ حضرت علی المرتضیٰؓ، (۵) جنگ جمل، (۶) جنگ صفین، (۷) تحکیم، (۸) جنگ نہروان، (۹) خلافت امیر معاویہؓ، (۱۰) شہادت حسینؓ۔

چنانچہ ان تمام موضوعات میں آپ کو ابو مخنف کی روایات ملیں گی اور اہل بدعت انہی روایات پر اعتماد کرتے ہیں اور انہی کے متلاشی رہتے ہیں اور ابو مخنف ان روایات کو بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ وہ صرف دوسروں سے زیادہ مشہور ہے ورنہ انہیں بیان کرنے والے دیگر حضرات بھی ہیں جیسے واقدی اور یہ متروک اور متہم بالکذب ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ واقدی [1] بہت بڑا مؤرخ اور تاریخ شناس ہے لیکن وہ ثقہ نہیں ہے۔

اور تیسرا راوی سیف بن عمر التمیمی [2] ہے۔ یہ بھی مشہور مؤرخ ہے لیکن وہ بھی متروک اور متہم بالکذب بھی ہے۔

اور یہی حال محمد بن سائب کلبی [3] کا ہے اور یہ بھی مشہور کذاب ہے۔

لہٰذا تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے انسان پر ان جیسے مؤرخین کی روایت کی تحقیق کرنا واجب ہے۔

اب ہم اپنے قلم کا رخ ابو مخنف کی طرف پھیرتے ہیں، اس کے متعلق امام

[1] محمد بن عمر بن واقدی: اس کا تعارف تهذيب التهذيب: ٩/٣٦٣ اور ميزان الاعتدال ٣/٦٦٢ پر دیکھیے۔

[2] سیف بن عمر: اس کا تعارف تهذيب التهذيب ٤/٢٩٥ اور ميزان الاعتدال ٢/٥٥ پر دیکھیے۔

[3] محمد بن سائب کلبی: اس کا تعارف، ميزان الاعتدال ٣/٥٥٦ پر دیکھیے۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے۔

ایک مرتبہ ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے ہاتھ جھاڑنا شروع کر دیے اور فرمایا اس کے متعلق بھی کوئی پوچھنے کی ضرورت سمجھتا ہے؟ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: ''داستان ساز مؤلف ہے' اس کی توثیق نہیں کی جا سکتی۔ [1]

لہٰذا جب آپ تاریخ طبری کو کھولیں اور اس میں کوئی ایسی روایت دیکھیں جس کی وجہ سے اصحاب رسول پر حرف آتا ہے اور پھر دیکھیں کہ طبری نے اسے ابومخنف سے روایت کیا ہے تو اسے کونے میں رکھ دیجیے' کیوں؟

اس لیے کہ یہ ابومخنف کی روایت ہے۔ اور یہ شخص بدعتی، جھوٹا اور کثیر الروایہ شخص ہے اس نے بدعت، جھوٹ اور کثرت روایت جیسی قباحتیں اکٹھی کر دی ہیں۔

تاریخ مسخ کرنے کے لیے بعض مؤرخین کا طریق کار

1۔ جھوٹ اور افتراء:

یہ لوگ کوئی قصہ گھڑ لیتے ہیں (اور اس پر حاشیہ آرائی بھی کرتے ہیں) مثلاً یہ کہ جب سیدہ صدیقہ بنت صدیق کو سیدنا علی کی موت کی خبر پہنچی تو انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ حالانکہ یہ سفید جھوٹ اور من گھڑت داستان ہے۔

2۔ کسی اہم واقعہ کی شکل وصورت بگاڑنے کے لیے کمی بیشی کرنا:

حادثے کا اصل صحیح ہوتا ہے جیسے سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ، اس نازک واقعہ کی

[1] میزان الاعتدال: ۴۱۹/۳، الجرح والتعدیل ۱۸۲/۷، لسان المیزان ۴۹۲/۴.

اصل صحیح ہے اور اس موقعہ پر حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ ایک طرف تھے اور حضرت حَبّاب بن منذرؓ اور حضرت سعد بن عبادۃؓ وغیرہ انصار دوسری طرف تھے لیکن ان لوگوں نے اس حقیقت کا حلیہ بگاڑنے کے لیے جان بوجھ کر بہت سی باتیں بڑھا دیں (ان کا ذکر عنقریب آرہا ہے) جس سے ان کی غرض یہی تھی کہ اصحاب رسول ﷺ کی حیات مبارکہ کو داغدار ثابت کریں۔

3۔ نازک واقعات کا باطل مفہوم:

کسی نازک واقعہ کی ایسی باطل تاویل کرنا جو ان کی خواہش کے مطابق ہو اور ان کے اعتقاد سے میل رکھتی ہو اور جس بدعت پر وہ کاربند ہوں وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی پھرتی ہو۔

4۔ خامیوں اور غلطیوں کو اچھالنا:

واقعہ تو صحیح ہے لیکن اس کے اندر تمام طرح کی خوبیوں کو نظر انداز کر کے غلطیوں پر توجہ مرکوز کرنا اور انہیں اچھالنا۔

5۔ تاریخی حادثات کی بابت شاعری کرنا:

چنانچہ یہ حضرات اپنے شعراء سے اشعار لکھوا کر انہیں امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کی طرف، یا ام المؤمنین سیدہ صدیقہ طاہرہؓ، یا حضرت زبیرؓ، یا حضرت طلحہؓ کی طرف منسوب کردیتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے کسی طرح صحابہ پر طعن ہو سکے جس طرح انہوں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ آپ نے ام المومنین سیدہ صدیقہ طاہرہؓ کی نسبت کہا:

«تَبَغَّلْتِ تَجَمَّلْتِ۔ وَلَوْ شِئْتِ تَفَيَّلْتِ»

6۔ جعلی کتابیں اور چٹھیاں لکھنا:

اور یہ بات سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بیان میں آئے گی (ان شاء اللہ) کہ انہوں نے حضرت عثمان اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت علی اور حضرت طلحہ اور زبیرؓ کے نام سے خود ساختہ چٹھیاں لکھیں اور ان کے علاوہ نہج البلاغة اور اَلْإِمَامَة وَالسِّيَاسَة لکھ کر بالترتیب حضرت علی اور حضرت امام ابن قتیبہؒ کی طرف منسوب کردیں۔[1]

تاریخ اسلام کی شکل بگاڑنے اور اس میں تدسیس کرنے میں شیعہ کا کردار

شیعہ مشہور ترین بدعتی ہیں اور انہوں نے تاریخ میں بہت سا جھوٹ داخل کر دیا۔ اسی لیے اہل علم جب کسی آدمی کے جھوٹ کو مبالغے کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں: "اَكْذَبُ مِنْ رَافِضِيٍّ" "یعنی رافضی سے بڑھ کر جھوٹا" کیونکہ ان کے ہاں جھوٹ بہت ہے۔

حضرت امام سلیمان بن مہران فرماتے ہیں کہ: "میں نے (اہل علم) سے ملاقاتیں کی ہیں وہ انہیں (شیعہ کو) کذاب کے علاوہ اور کوئی نام نہ دیتے تھے۔

حضرت قاضی شریک فرماتے ہی کہ: "رافضیوں کے سوا ہر آدمی سے علم حاصل کرو ،کیونکہ رافضی، احادیث گھڑ لیتے ہیں پھر انہیں دین سمجھ لیتے ہیں۔

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "کہ میں نے رافضیوں جیسی جھوٹی گواہی دیتے کسی کو نہ دیکھا۔"

---

[1] دیکھئے: تاویل مشکل القرآن تحقیق سید احمد صقر، ص: ۳۲.

مقصد یہ ہے کہ اگرچہ دوسرے بدعتی فرقے بھی جھوٹ بول لیتے ہیں لیکن یہ فرقہ اس معاملے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔

اہل سنت کے ہاں تحقیق کا منہج کب شروع ہوا؟

جب سے فتنہ شروع ہوا اس وقت سے ہی یہ منہج وجود میں آیا، چنانچہ جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ: ''پہلے پہل لوگ سند نہیں پوچھا کرتے تھے، جب فتنہ برپا ہوا تو وہ پوچھنے لگے کہ اس روایت کے راوی ذکر کرو، تاکہ ان میں سے اہلسنت کی روایات لے لی جائیں اور اہل بدعت کو پہچان کر ان کی روایات مسترد کردی جائیں۔''[1] (اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں میں اصل' ثقہ ہونا ہے)۔''

امام ابن سیرین کبار تابعین سے ہیں اور انہوں نے صحابہ کا دور پایا ہے اور صغار کبار تابعین کے ساتھ زندگی بسر کی ہے اور فتنہ سے مراد شیعہ' خوارج' قدریہ جیسے بدعتی فرقوں کا ظہور ہے۔[2]

[1] دیکھئے: مقدمہ صحیح مسلم باب الاسناد من الدین۔

[2] **نوٹ** شیعہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے وابستگی کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ امامت کے حقدار بھی وہی ہیں اور یہ لوگ اکثر صحابہ کرامؓ اجمعین کی تکفیر کرتے ہیں۔

- خارجیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے جنگ صفین کے بعد حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی اور حضرت علیؓ نے انہیں جنگ نہروان میں تہہ تیغ کیا۔
- قدریہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تقدیر کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں (کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور تقدیر وغیرہ کا اس میں کوئی دخل نہیں) اور تمام امور دنیا کسی سابقہ تقدیر کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت رسول کریم ﷺ کی بعثت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بارہ ربیع الاول، بروز سوموار، عالم انسانیت کے سردار[1] اور اس کے ہادی ومرشد حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب قریشی ہاشمی کو پیدا کر کے مومنین پر عظیم احسان فرمایا۔[2]

آپ باپ کی طرف سے یتیم پیدا ہوئے اور اپنی عمر کے چھ سال بعد ماں کی طرف سے بھی یتیم ہو گئے کیونکہ جب آپ کا باپ فوت ہوا تو اس وقت آپ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے، اور جب آپ چھ سال کے ہوئے تو ماں بھی فوت ہو گئی، پھر آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی کفالت کی۔ لیکن دو سال بعد وہ بھی فوت ہو گئے تو آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کا ذمہ لے لیا۔

جب آپ ﷺ اپنی عمر کے چالیسویں سال کو پہنچے تو اللہ نے آپ کو نذیر اور بشیر بنا کر بھیجا چنانچہ آپ ﷺ نے رسالت اور نبوت کا حق ادا کر دیا اور آپ کے رب نے آپ کو جس پیغام کے پہنچانے کا حکم دیا آپ نے اسے من وعن پہنچا دیا تا کہ آپ لوگوں کو (کفر وشرک کے) اندھیروں سے نکال کر (ایمان واسلام کی) روشنی میں لے آئیں۔

[1] ولادت کی تاریخ میں اختلاف بھی ہے۔ (مؤرخ اسلام قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور محمود پاشا فلکی کی تحقیق کے مطابق نبی کریم ﷺ کی صحیح تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول ہے۔) [دیکھئے رحمۃ للعالمین اور سیرت النبی علامہ شبلی نعمانی۔

[2] آپ نے فرمایا: «أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ» مسند احمد ۲/۳.

چنانچہ آپ ﷺ کی قوم کے بڑوں نے آپؐ سے عداوت شروع کردی اور آپ کو اور آپ کے تعلق داروں کو ستانا شروع کردیا۔ اور آپ کی پیروی ایسے لوگوں نے کی جنہوں نے دنیا فروخت کر کے آخرت خرید لی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہوں نے اللہ اور اس کے پیارے رسول کی نصرت کا حق ادا کردیا۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝﴾[الحشر: ۸]

”(مال فئے) ان نادار مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیے گئے ہیں، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔“

آپ تیرہ (۱۳) سال تک مسلسل دعوت الی اللہ میں مصروف رہے۔ پھر اللہ نے آپ کو اس فرودگاہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا جسے اللہ نے اپنے پیارے رسول کے ذریعے منور کردیا اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ نے بھی ہجرت کی اور مال و اولاد اور گھربار چھوڑ دیا (اور یہ سب کچھ) صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی راہ میں کیا۔

جب آپ مدینہ پہنچے تو وہاں کے رہنے والوں نے آپ کو ٹھکانا مہیا کردیا اور آپ کی عزت وتوقیر کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی مدد بھی کی۔ اور آپ کی خاطر تمام لوگوں کی دشمنی مول لی اور مہاجرین کی اپنے مالوں اور گھروں سے غم خواری کی، بلکہ بیویوں کی پیش کش بھی کی۔ چنانچہ ایک یثربی سردار کی دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی کو پیش کش کی کہ ان میں سے ایک پسند کرلو' آپ جسے پسند کریں گے

میں اسے طلاق دے دوں گا، تم اس سے نکاح کر لینا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ [الحشر: ۹]

"اور (یہ مال فیئ) ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو (مہاجرین کی ہجرت سے) پہلے ہی دارالھجرت اور ایمان کو ٹھکانا بنا چکے ہیں اور جو کوئی ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اس سے محبت کرتے ہیں اور ان کو کچھ دیا جائے تو یہ لوگ اپنے دلوں میں گھٹن اور تنگی محسوس نہیں کرتے اور انہیں خواہ کتنی سخت حاجت درپیش ہو پھر بھی انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور جو لوگ اپنے نفس کی بخیلی سے بچ جائیں وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

حضرت نبی مکرم ﷺ مدینہ منورہ کے اردگرد بلکہ تمام جزیرہ العرب میں مسلسل دعوت اسلام دیتے رہے، حتیٰ کہ وہ دن بھی آیا جس دن اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے مکہ سرنگوں کر دیا اور اس کے رہنے والے اسلام میں داخل ہو گئے اور پورے کا پورا جزیرۃ العرب آپ کا تابع فرمان ہو گیا۔

آپ کی دعوت اور جہاد کے تیئس (۲۳) سال بعد، درج ذیل فرمان الٰہی کی تصدیق کرنے والی حتمی تقدیر نافذ ہو گئی:

﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ ۚ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ

شَيْئًا وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۝﴾[آل عمران:١٤٤]

''اور محمد (اللہ کے) رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں، اگر ان کا انتقال ہو جائے یا آپ قتل کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پر پھر گیا (یعنی دین اسلام سے برگشتہ ہو گیا) وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو نیک بدلہ عطا فرمائے گا۔''

جب آپ ﷺ کے ارتحال کا سانحہ پیش آیا تو گویا دنیا پر تاریکی چھا گئی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ خود فرما چکے تھے کہ:

''جب تم میں سے کسی کو مصیبت پہنچے تو وہ اس مصیبت کو یاد کرے جو اسے میرے (دنیا سے چلے جانے کے صدمے سے) پہنچے گی کیونکہ وہ تمام مصائب سے بڑھ کر ہو گی۔''[1]

جب سے اللہ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا ہے؟ اس وقت سے لے کر آج تک کوئی ایسی مصیبت نہیں آئی، جو حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات سے بڑھ کر ہو۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کے وقت سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

- اے میرے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا۔
- اے میرے ابا جان! آپ کا ٹھکانا جنت الفردوس ہے۔
- اے میرے ابا جان! ہم آپ کی وفات کی خبر حضرت جبرائیل کو پہنچاتے ہیں۔[2]

---

[1] طبقات کبری ٢/٢٧٥، امام البانی نے اسے سلسلة الاحاديث الصحيحة نمبر:١١٠٦ میں صحیح کہا ہے۔

[2] سنن ابن ماجه كتاب الجنائز باب وفاة النبى ١/٢٩٩، مستدرك حاكم ١/٣٨١، و قال هذا حديث صحيح على شرط الشيخين وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ وَ سكت الذهبى.

اور ادھر یہ حضرت انس بن مالکؓ ہیں جو فرما رہے ہیں کہ: ''جب حضرت رسول کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس کے درو دیوار روشن ہو گئے! اور جب آپ کی وفات ہوئی تو ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا!

مزید فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول مقبول ﷺ کو دفن کر کے اپنے ہاتھ جھاڑے ہی تھے کہ ہمارے دلوں کی حالت بدل گئی۔[1]

اور یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں جو رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ سے فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ چلو، ہم ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کر آئیں، جب ان کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑیں' انہوں نے فرمایا: کس وجہ سے رو رہی ہو؟ اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے رسول کے لیے بہتر سے بہتر مقام ہے۔

فرمانے لگیں کہ: ''میں اس بات سے لاعلمی کی وجہ سے نہیں روتی کہ اللہ کے پاس اپنے رسول کے لیے کیا ہے، میں تو اس بنا پر روتی ہوں کہ آسمان سے وحی آنا بند ہو گئی ہے۔ اس جملے نے ان دونوں کو تڑپا دیا اور یہ بھی رونے بیٹھ گئے۔''[2]

اندریں صورت آپ کی پاکیزہ روح اپنے خالق و مالک کے پاس پہنچ گئی اور اب اللہ تعالیٰ (کا پسندیدہ) دین (قیامت تک کے لیے) زمین پر باقی رہے گا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ وَ بَارِكْ وَ سَلِّمْ.

[1] ابن ماجه كتاب الجنائز ۱/ ۲۹۹'رقم الحديث:۱۶۳۲.

[2] مسلم فضائل الصحابه،رقم الحديث:۱۰۳.



خلافت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

۱۱ھ تا ۱۳ھ

جب حضرت رسول مقبول ﷺ کی وفات کا اعلان ہوا تو حضرت ابوبکر الصدیقؓ سُنح (مدینہ کی قریبی بستی) سے تشریف لائے اور آپ ﷺ کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا:

''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! آپ زندگی میں بھی پاکیزہ اور خوش گوار تھے اور موت کے بعد بھی پاکیزہ اور خوش گوار ہیں، اور آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کو ڈھانپ دیا، پھر کھڑے ہوئے اور منبر پر چڑھ گئے اور فرمایا:

> ''جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے کہ) آپ ﷺ وفات پا چکے ہیں اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہ آئے گی۔''

﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۴۴]

''اور محمد (اللہ کے) رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، اگر ان کا انتقال ہو جائے یا آپ قتل کردیے جائیں تو تم اپنی

ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پھر گیا (یعنی دین اسلام سے برگشتہ ہو گیا) وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو نیک بدلہ عطا فرمائے۔''

یہ سن کر لوگ رونے لگے (اور اس قدر روئے) کی ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ گلیوں میں اس آیت کو بار بار پڑھ رہے تھے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: ''گویا ہم نے یہ آیت اسی وقت سنی۔[1]

حالانکہ قرآن آپ کی زندگی میں آپ کی وفات سے پہلے ہی مکمل ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت گویا نئی ہے اور صحابہ کرامؓ نے اس سے پہلے اسے کبھی نہیں سنا تھا۔ (کیونکہ آپ کی وفات کے شدید ترین صدمہ سے صحابہ کرام ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے) اور اس آیت میں حضرت رسول کریم ﷺ کی وفات کی خبر تھی۔

چنانچہ حضرت عباس بن عبد المطلب' علی بن ابی طالب' زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم آپ کے غسل اور تجہیز و تکفین کا فریضہ سر انجام دینے لگے حتیٰ کہ آپ پر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد آپ کو دفن کر دیا گیا۔ (آپ پر درود و سلام ہو' اور آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں) چونکہ حضرت عباس آپ کے چچا اور حضرت علیؓ آپ کے چچازاد بھائی اور حضرت زبیرؓ آپ کے پھوپھی زاد تھے۔ اس لیے وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر آپ کے کفن دفن کے حق دار تھے۔

[1] صحیح البخاری = کتاب فضائل الصحابہ: باب لو کنت متخذًا خلیلا' رقم الحدیث:٣٦٦٨.



سقیفۂ بنی ساعدہ

یہ عرصہ جس میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عباس اور زبیر بن عوامؓ، حضرت رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے' چند انصاری بزرگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔چنانچہ پہلے، میں اس واقعہ کو امام طبریؒ کی تاریخ کے حوالے سے ابومخنف کذاب کی زبانی بیان کروں گا، پھر اس روایت کو امام بخاریؒ کے حوالے سے بیان کروں گا۔ پھر آپ ان دونوں روایتوں کے درمیان موازنہ کرلیں، آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ابومخنف نے کتنی باتیں بڑھائی ہیں۔اور شاید ہمارے بہت سے لوگوں کے ہاں یہ اضافی باتیں مسلمہ تاریخی حقائق بن چکی ہوں اور (ابومخنف کے من گھڑت اضافے) حادثہ شوریٰ میں بھی بیان ہوں گے چنانچہ امام محمد بن جریر طبری بیان کرتے ہیں کہ:

"ہمیں ہشام بن محمد نے ابومخنف کے حوالے سے بیان کیا، کہ وہ کہتا ہے مجھے عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی عمرو بن ابی عمرہ انصاری نے بتایا، کہ جب حضرت نبی مکرم ﷺ فوت ہوئے تو انصار' سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ:

ہم جناب رسول مقبول ﷺ کے بعد سعد بن عبادہ کو سربراہ مقرر کریں گے۔

ان میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ:

[1] سقیفہ بنی ساعدہ سے مراد وہ چھپر ہے جس کے سائے میں بنو ساعدہ بیٹھا کرتے تھے۔[مترجم]

تمہاری تلواروں کی وجہ سے عربوں نے سر تسلیم خم کیا اور اللہ کے مقدس رسول ﷺ اس حال میں فوت ہوئے کہ وہ تم سے راضی اور خوش تھے اور ان کی آنکھیں تمہیں دیکھ کر ٹھنڈی ہو جاتی تھی۔ لہٰذا تم آگے بڑھ کر اس ذمہ داری کو سنبھال لو' بجائے اس کے کہ دوسرے لوگ اسے اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

سب نے مل کر جواب دیا کہ: تو نے ٹھیک کہا۔

ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر قریش کے مہاجرین اس رائے کو تسلیم نہ کریں، تو ہم کہیں گے، کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے۔

حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ: یہ پہلی کمزوری ہے۔

اسی دوران، حضرت عمر بن خطابؓ کو اطلاع ملی کہ چند انصار' سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر کہہ رہے تھے کہ ایک امیر ہم سے ہو گا اور ایک تم میں سے' یہ بات آپ کو کسی انصاری نے بتائی تھی چنانچہ آپ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے اور انہیں معاملے سے آگاہ کیا کہ ہمارے انصاری بھائی جمع ہوئے ہیں اور اس طرح کہہ رہے ہیں۔ آؤ ہم ان کے پاس چلیں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ اور ابو بکر صدیقؓ وہاں سے چل پڑے، اور انہوں نے (راستہ میں) حضرت ابو عبیدہؓ کو دیکھا، تو اسے بھی اپنے ساتھ لے لیا، اور انصار کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ذہن میں اس موقع پر گفتگو کرنے کا خاکہ ترتیب دیا۔ جب میں نے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے مجھے اشارے سے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؓ نے اللہ کی حمد اور اس کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا الخ۔ راوی نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مکمل خطبہ بیان کیا اور ان کی یہ بات بھی بیان کی کہ مہاجرین خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔

حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن منذر فرمانے لگے کہ: ''اے انصار کے قبیلو! اپنے منصب امارت کو اپنے ہاتھ میں لے لو' کیونکہ لوگ تمہارے سائے اور تمہارے کیمپ میں ہیں اور کوئی شخص تمہاری مخالفت کی جرأت نہیں کرے گا اور لوگ تمہاری رائے سے انحراف بھی نہیں کریں گے، کیونکہ تم جاہ وحشمت اور مال و دولت والے ہو اور اکثریت تمہارے پاس ہے، اگر وہ تمہاری خلافت کو تسلیم نہ کریں تو تم انہیں یہاں سے نکال دو اور امور خلافت اپنے ہاتھ میں لے لو اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم تم ان کی نسبت منصب خلافت کے زیادہ حقدار ہو کیونکہ لوگوں نے اس دین کو قبول کیا ہے تو تمہاری تلواروں کے صدقے سے کیا ہے۔

«أَنَا جُذَيْلُهَا الْمُحَكَّكُ وَ عُذَيْقُهَا الْمُرَجَّبُ» [1]

''یعنی میں صائب الرائے ہوں اور تمہاری خیر خواہی سوچتا ہوں اگر تم نے میری بات نہ مانی تو پچھتاؤ گے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ''اپنا ہاتھ بڑھاؤ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں، جب دونوں بیعت کے لیے اٹھے تو بشیر رضی اللہ عنہ بن سعد نے آگے بڑھ کر ان سے پہلے بیعت کر لی۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل ہو گئی تو (عقبہ ثانیہ کے) نقیب حضرت اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر کھڑے ہوئے اور کہا کہ: ''اللہ کی قسم! اگر ایک مرتبہ خزرج تمہارے سربراہ بن گئے تو ہمیشہ کے لیے ان کو تمہارے اوپر فضیلت رہے گی۔ [2]

---

[1] جُذَیل محکک لاٹری کے اس تنے کو کہتے ہیں جو اونٹوں کے باڑے میں اس لیے گاڑا جاتا ہے کہ خارش والے اونٹ اس سے کھجلا کر سکون حاصل کریں اور عُذیق کھجور کے چھوٹے پودے کو کہتے ہیں اور مُرَجب پتھر کی حفاظتی باڑ کو کہتے ہیں اور یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے، جب آدمی اپنی رائے کی عظمت بیان کرے۔ اور اس پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے خسارے سے ڈرائے۔ دیکھئے النہایۃ فی غریب الحدیث ۲/ ۱۹۷۔

[2] گویا اسید بن حضیر نے حاشا للہ سعد بن عبادہ خزرجی پر حسد کیا!۔

پھر حضرت سعدؓ بن عبادہ کہنے لگے کہ: ''اللہ کی قسم! اگر میرے اندر اٹھنے کی طاقت ہوتی تو زمین کے راستوں اور گوشے گوشے میں تو میری ایسی دھاڑ سنتا جو تجھے اور تیرے ساتھیوں کو زخمی کر دیتی۔ اللہ کی قسم اب میں تجھے اس قوم سے ملا کر چھوڑوں گا جس میں تیری حیثیت متبوع کی بجائے تابع کی ہوگی' مجھے اس جگہ سے اٹھا لو۔

چنانچہ انہوں نے اسے اٹھایا اور گھر لے گئے۔ چند دن خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! جب تک میرے گھر والے اور میرے قبیلے والے میری اطاعت کرتے رہیں گے اس وقت تک میں اپنے ترکش سے تم پر تیر پھینکتا رہوں گا اور اپنے نیزے کے پھل خون آلود کرتا رہوں گا۔ اور جب تک میرے ہاتھوں میں طاقت رہی میں اپنی تلوار سے تمہیں مارتا رہوں گا۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد نہ تو سعدؓ نے ان کے ساتھ نماز پڑھتا، نہ ان کے ساتھ وہ جمعہ ادا کرتا اور حج کرتا تو ان کے ساتھ افاضہ نہ کرتا۔ چنانچہ جب تک ابوبکرؓ فوت نہیں ہوئے اس وقت تک وہ اسی طرح کرتا رہا۔[1]

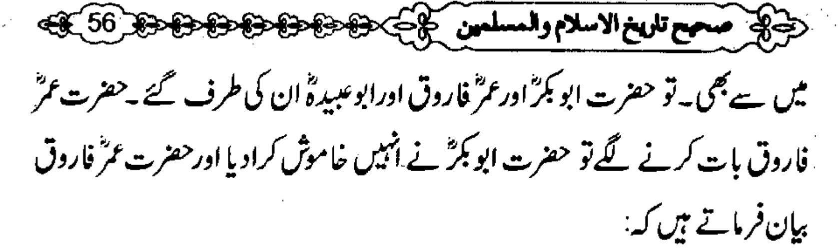
مختصراً یہ وہ روایت ہے جو سقیفہ بنی ساعدہ کے سلسلے میں ابومخنف نے بیان کی ہے۔

اب اس سلسلے میں امام بخاری کی روایت پڑھو اور اس کا اس سے موازنہ کرو۔ امام بخاریؒ بیان فرماتے ہیں کہ:

''ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے سلیمان بن بلال کے واسطے سے ہشام بن عروہ سے بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے عروہ بن زبیر نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے واسطے سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا:

جب اللہ کے پیارے رسول ﷺ فوت ہوئے تو انصار' سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کے پاس اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے، کہ ہم میں سے بھی امیر ہوگا اور تم

[1] تاریخ طبری ۲/۴۵۵ مختصراً۔



میں سے بھی۔ تو حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ فاروق اور ابو عبیدہؓ ان کی طرف گئے۔ حضرت عمرؓ فاروق بات کرنے لگے تو حضرت ابو بکرؓ نے انہیں خاموش کرا دیا اور حضرت عمرؓ فاروق بیان فرماتے ہیں کہ:

''میں نے اس موقعہ پر بیان کرنے کے لیے شاندار تقریر کی تیاری کر لی تھی اور مجھے خطرہ تھا کہ شاید حضرت ابو بکرؓ ایسی تقریر نہ کر سکیں، لیکن اللہ کی قسم' حضرت ابو بکرؓ نے بڑی بلیغ اور پر اثر تقریر کی (اور میرے دل کی تمام باتیں بھی بیان کر دیں) انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا: ''ہم امیر ٹھہرے اور تم وزیر۔''

حضرت حبابؓ بن منذر نے فرمایا: ''نہیں' اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ہم میں سے بھی امیر ہو گا اور تم میں سے بھی۔''

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ ہم امیر اور تم وزیر (اور قریش کے متعلق بیان کیا کہ) وہ گھرانوں کے اعتبار سے معتدل اور حسب کے اعتبار سے نہایت معزز ہیں۔ لہٰذا تم حضرت عمرؓ یا ابو عبیدہؓ کی بیعت کر لو۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: '' بلکہ ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں کیونکہ تم ہمارے سردار اور ہم سے برتر' بہتر ہو اور اللہ کے رسول ﷺ کو ہم سے زیادہ پیارے ہو۔''

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی اور لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔ [1]

لیجیے یہ ہے حضرت امام بخاریؒ کی روایت! تم دیکھ رہے ہو کہ یہ مختصر ہے اور چھوٹی ہے اور سقیفہ بنی ساعدہ کی حقیقت بھی اتنی ہی ہے۔

رہے ابو مخنف کے اضافے کہ سعدؓ بن عبادہ نے فرمایا:

''میں تم سے لڑوں گا اور وہ ان کے ساتھ نہ حج کرتے تھے اور نہ نماز پڑھتے تھے

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ: باب لو کنت متخذا خلیلا' رقم الحدیث ۳۶۶۸۔

نہ جمعہ پڑھتے تھے، نہ ان کے ساتھ طواف کرتے تھے اور یہ کہ حضرت حباب ؓ بن منذر نے ابوبکرکوتر کی بہ تر کی جواب دیا (اور اس طرح کی دیگر باتوں کا اس روایت میں کوئی ذکر نہیں) حالانکہ سقیفہ کا معاملہ نصف گھنٹے سے زیادہ موضوع بحث نہ بنا لیکن (کذاب راویوں نے) کیسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔

رہے سعد بن عبادہ ؓ تو ان کے متعلق مسند امام احمدؒ میں حضرت حمید بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے تقریر کی اور ایسی کوئی بات نہ چھوڑی جو انصار کی شان میں نازل ہوئی ہو، یا حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی شان کے متعلق بیان کی ہو اور فرمایا یہ:

تم جانتے ہو اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: ''کہ اگر لوگ کسی اور وادی میں چلیں اور انصار کسی اور وادی میں چلیں تو میں انصار کی وادی میں ہی چلوں گا۔'' اس کے بعد حضرت سعد ؓ بن عبادہ ؓ سے فرمایا:

''اے سعد تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا اور آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ قریش اس امارت کے معیار ہیں، نیک لوگ' ان کے نیکوں کے تابع ہیں اور برے لوگ' ان کے بروں کے تابع ہیں۔ حضرت سعد ؓ نے فرمایا:

''آپ ؓ نے ٹھیک کہا۔ ہم وزیر ٹھہرے اور تم امیر۔''

یہ روایت جو حضرت امام احمدؒ نے حضرت حمید بن عبد الرحمٰن ؒ بن عوف سے صحیح مرسل سند سے روایت کی ، یہ ان روایتوں سے کئی درجے قوی ہے جنہیں کذاب ابومخنف نے روایت کیا ہے۔[1]

---

[1] مسند احمد ۱/۱۸ تحقیق احمد شاکر



خلیفۃ الرسول ﷺ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے فضائل ومناقب

آپ کا نام عبداللہ بن عثمان ہے اور آپؓ عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (کی پشت سے ہیں) اور اسی فہر کو قریش کہتے ہیں۔[1]

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں: "کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ابوبکر کا نام صدیق نازل کیا ہے۔[2]

قبول اسلام:

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے گھٹنوں تک اپنے کپڑے کا کنارہ اٹھائے ہوئے آرہے تھے (انہیں دیکھ کر) حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بھئی تمہارا ساتھی خطرات میں کودنے والا ہے۔" انہوں نے سلام کہہ کر شکایت کی کہ: "اے اللہ کے پیارے رسول! میرے اور حضرت عمر کے درمیان تو تکار ہوگئی، میں نے جلد بازی کی، پھر مجھے شرمندگی ہوئی تو میں نے ان سے معافی کا سوال کیا' لیکن انہوں نے انکار کردیا ہے، اس لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

ادھر حضرت عمرؓ کو ندامت ہوئی، چنانچہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے اور پوچھا

---

[1] معرفۃ الصحابہ' ابو نعیم ۱/۱۵۰۔ [2] طبرانی ۱/۵۵' فتح الباری ۷/۱۱۔

کیا ابو بکرؓ گھر میں موجود ہیں؟

انہوں نے کہا: ''نہیں۔''

پھر وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، تو انہیں آتے ہوئے دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہونے لگا (یہ منظر دیکھ کر) ابو بکرؓ ڈر گئے اور اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنے لگے:

''اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ اللہ کی قسم' زیادتی مجھ سے ہوئی تھی (دو مرتبہ کہا)

آخر حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (سنو!)

''اللہ نے مجھے تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجا تو تم نے کہا:

''تو نے جھوٹ بولا۔''

اور ابو بکرؓ نے کہا: اس نے سچ کہا۔

اور اس نے اپنی جان اور مال کے ذریعے میری غم خواری کی، کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کا قصور نظر انداز نہیں کر سکتے؟۔ (آپ ﷺ نے دو مرتبہ یہ الفاظ کہے)

''اس کے بعد آپؓ کو کبھی تکلیف نہ دی گئی۔''[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (ابتدائے اسلام میں) اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا اس وقت آپ کے ساتھ پانچ غلام' دو عورتیں اور ابو بکرؓ (ایمان لائے) تھے۔[2]

آپ کی ہجرت:

حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ: میں اللہ کے نبی کے ساتھ غار میں تھا، جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے قریش کے سراغ رسانوں کے پاؤں نظر آئے۔

---

[1] صحيح البخاري= كتاب فضائل الصحابة: باب قول النبي لو كنت متخذا خليلاً الحديث: ٣٦٦١.

[2] صحيح البخاري= كتاب فضائل الصحابة: باب قول النبي لو كنت متخذا خليلاً الحديث: ٣٦٦٠.

میں نے کہا: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر ان میں سے کوئی سر جھکا کر دیکھے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے ابو بکرؓ خاموشی اختیار کیجئے' ہم دونوں کا تیسرا اللہ ہے۔''[1]

آپؓ کے فضائل:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ جو کوئی اللہ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خرچ کرے گا، اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے یہ بہتر ہے۔

- تو جو کوئی نماز والوں سے ہوگا اسے نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا۔
- تاور جو کوئی جہاد والوں سے ہوگا وہ جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا۔
- تاور جو کوئی صدقہ والوں سے ہوگا وہ صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا۔
- تاور جو کوئی روزہ والوں سے ہوگا وہ روزہ کے دروازے سے بلایا جائے گا۔

تو ابو بکرؓ نے فرمایا:' جس کسی (خوش نصیب) کو ان دروازوں سے بلایا گیا اسے تو کسی چیز کی ضرورت نہ رہی پھر پوچھا:'' اے اللہ کے پیارے رسولؐ بھلا کسی کو ان تمام دروازوں سے بھی بلایا جائے گا؟۔

آپ نے فرمایا:'' ہاں اے ابو بکر! اور میں امید کرتا ہوں کہ تو ان میں سے ہے۔''[2]

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ:'' حضرت نبی کریم ﷺ، اُحد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ ابو بکر' عمر' عثمان (رضی اللہ عنہ) بھی تھے، تو وہ حرکت کرنے

[1] بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث نمبر: ۳۹۲۲' مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث نمبر: ۱۔

[2] بخاری کتاب فضائل الصحابہ حدیث: ۳۶۶۶۔

لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے احد ٹھہر جا' کیونکہ تیرے اوپر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔[1]

حضرت عمرو بن العاص ؓ فرماتے ہیں کہ:

حضرت نبی کریم ﷺ نے مجھے ذات السلاسل کے لشکر پر امیر بنا کر بھیجا، میں نے (واپس آ کر آپ سے) پوچھا کہ:

لوگوں میں سے آپ کو سب سے بڑھ کر پیارا کون ہے؟

آپ نے فرمایا: عائشہ صدیقہ ؓ۔

میں نے پوچھا: اور مردوں میں سے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا باپ (ابو بکر ؓ)۔

میں نے پوچھا: ''اس کے بعد کون؟'' آپ نے فرمایا: ''عمر بن خطاب''[2]

آپ کا علم:

حضرت ابو سعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ: '' اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ یا تو دنیا پسند کرے، یا اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، تو اس نے اس چیز کو پسند کر لیا جو اللہ کے پاس ہے۔

(ابو سعید ؓ خدری) فرماتے ہیں کہ: (یہ سن کر) ابو بکر ؓ نے رونا شروع کر دیا۔

ہم نے اس بات پر تعجب کیا کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے ایک بندے متعلق بیان کیا ہے کہ اسے اختیار دیا گیا، اور ابو بکر ؓ رو رہے ہیں!

---

[1] بخاری کتاب فضائل الصحابه باب قول النبی لو کنت متخذًا خلیلاً' الحدیث:۳٦٧٥،

[2] بخاری کتاب فضائل الصحابه باب قول النبی لو کنت متخذًا خلیلاً' الحدیث:۳٦٦٢' مسلم فضائل الصحابه 'حدیث:۸.

پس رسول اللہ ﷺ ہی وہ بندے تھے اور ابوبکر ہم سے زیادہ عالم تھے۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''کہ ابوبکر اپنے مال اور مخلصانہ صحبت کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر میرے محسن ہیں۔ اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن اسلام کی اخوت اور اس کے ساتھ دلی محبت (ضرور ہے)

(لہٰذا) مسجد میں داخل ہونے والے سب دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے ابو بکر کے دروازے کے۔''[1]

حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کی رفاقت:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے پوچھا گیا کہ مشرکین نے اللہ کے پیارے رسول کے ساتھ سخت ترین بدسلوکی کس نوعیت سے کی تھی۔ تو آپ نے فرمایا:

''میں نے عقبہ بن ابی معیط (ملعون) کو دیکھا کہ وہ حضرت رسول مقبول ﷺ کے پاس آیا' آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر بڑے زور سے آپ کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس بدسلوکی کو دیکھ کر ابوبکرؓ نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا اور فرمایا:

« اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ »[2]

''کہ تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس واضح اور روشن دلائل لایا ہے؟''

---

[1] بخاری۔ کتاب فضائل صحابہ حدیث: ۳٦٥٤.

[2] بخاری کتاب فضائل الصحابہ: ۳٦٧٨.

حضرت رسول کریمؐ کے آپ کی خلافت کی طرف اشارات

1۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا:

''ابو بکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔''[1]

2۔ حضرت جبیرؓ بن مطعم فرماتے ہیں کہ:

''ایک عورت حضرت نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی، آپ نے اسے دوبارہ آنے کا حکم دیا۔'' وہ کہنے لگی: ''اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو۔'' (گویا اس کا مطلب تھا کہ اگر آپ اس دنیا میں نہ رہے تو؟)

آپ نے فرمایا:

''اگر مجھے نہ پائے تو ابو بکرؓ کے پاس آنا۔''[2]

3۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں حکم دیا: ''ابو بکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھوا دوں' میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا' آرزو کرنے لگے اور کہنے والا کہنے لگے کہ میں زیادہ حقدار ہوں۔

''جبکہ اللہ اور مومنین ابو بکرؓ کے سوا کسی کو نہیں چاہتے۔''[3]

---

[1] بخاری کتاب الاذان حدیث:٦٧٨.

[2] بخاری کتاب فضائل الصحابہ:٣٦٥٩' مسلم فضائل الصحابہ حدیث نمبر:١٠.

[3] مسلم فضائل صحابہ حدیث نمبر:١١' بخاری کتاب المرض حدیث نمبر٥٦٦٦.

نوٹ: حضرت امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن رجب بغدادی نے اپنی کتاب لطائف المعارف' ص:١٠٧ اس سلسلے میں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ: حضرت نبی اکرم ﷺ اگر ایسا لکھ دیتے تو کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی اور وہ کہنے لگتے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو خلافت کے لیے نامزد کر کے ان کے احسانات کا بدلہ دیا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے کوئی تحریر نہ لکھی' البتہ آپ ﷺ نے اپنے اقدامات کے ذریعے ان کے خلیفہ بننے کی تمنا ظاہر کردی۔ [مترجم]



سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے اہم واقعات

۱۔لشکر اسامہؓ کی روانگی:

حضرت رسول کریم ﷺ نے غزوۂ شام کے لیے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں ایک لشکر تیار کیا تھا، لیکن اس کی روانگی سے پہلے آپ کی وفات ہوگئی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلیفہ رسول بنتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ حضرت اسامہؓ کے لشکر (کو روم کی سرحد پر) بھیج دیا، اس لشکر کی روانگی نے ان منافقین اور مرتدین کی کمر توڑ دی جو سمجھ بیٹھے تھے، کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام کمزور ہو جائے گا اور پھر قصہ پارینہ بن جائے گا۔ علاوہ ازیں اس کی روانگی سے مسلمانوں کی شان وشوکت بلند ہوگئی (اور عالم کفر پر ان کی دھاک بیٹھ گئی)

۲۔مرتدین کے خلاف جنگیں:

مرتدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد اسلام سے پھر گئے اور ان کی اکثریت' مسیلمہ کذاب' طلیحہ' اسود عنسی اور سجاح بنت الحارث کے تابع ہوگئی اور ان کے خلاف بڑی خونریز جنگیں ہوئیں اور سب سے زیادہ خونریز جنگ' مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے باغ میں لڑی گئی اور اس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

۳۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف لشکر کشی:

مانعین زکوٰۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھ رکھا تھا (اور وہ سمجھتے تھے) یہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کے کسی شاعر نے کہا:

اَطَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كَانَ وَسْطَنَا
فَيَا لِعِبَادِ اللّٰهِ مَا لِاَبِیْ بَكْرِ
أَيُوْرِثُهَا بَكْرًا اِذَا مَاتَ بَعْدَهٗ
وَ تِلْكَ لَعَمْرُ اللّٰهِ قَاصِمَةُ الظَّهْرِ [1]

''جب تک اللہ کا رسول ہمارے درمیان زندہ رہا ہم اس کی اطاعت کرتے رہے۔ اے اللہ کے بندو ابو بکر کا اس معاملے میں کیا حق بنتا ہے؟''

''کیا آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ اس امارت کا وارث بنے گا۔ اللہ کی قسم یہ تو کمر توڑنے والا فیصلہ ہے۔''

چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ:

''جب حضرت رسول کریم ﷺ فوت ہوئے تو عرب کے بہت سے لوگ کافر ہو گئے' حضرت ابو بکر نے ان کے خلاف لشکر کشی کا عزم بالجزم کر لیا۔ حضرت عمر فاروق نے گزارش کی کہ آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے؟ جبکہ حضرت رسول مقبول ﷺ فرما گئے ہیں کہ: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ [2] اور جس نے اس بات کا اقرار کر لیا اس نے مجھ سے اپنی جان اور مال بچا لیا مگر حقِ اسلام (اس پر نافذ ہو سکے گا) اور اس کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔''

[1] البداية والنهاية ٣١٧/٦' یہ اشعار تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ دیوان حطیہ میں موجود ہیں۔
[2] کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔



خلیفۃ الرسولؓ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوۃ کے درمیان فرق کرے گا' کیونکہ زکوۃ' مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے (سال سے چھوٹی کھیری بچی) دینے سے بھی انکار کیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو میں اس پر ضرور لڑائی کروں گا۔ [1]

۴۔ فتوحات فارس:

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ کی سپہ سالاری میں فارس کی طرف لشکر بھیجے اور پھر ان کے پیچھے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیج دیا اور ان دونوں کے پیچھے قعقاعؓ بن عمرو تمیمی کو بھی روانہ فرمایا۔

۵۔ فتوحات شام:

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ کو شام کی طرف روانہ فرمایا تو ان کے مقابلے کے لیے بے شمار رومی جمع ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے امداد کی درخواست کی۔ آپ نے ولیدؓ بن عتبہ اور عکرمہؓ بن ابو جہل اور عمروؓ بن العاص اور ابو عبیدہ بن جراحؓ کو ان کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ (اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ تمام لشکر کے امیر بن گئے۔) چنانچہ لشکر اسلام آگے بڑھتا ہوا یرموک تک پہنچ گیا۔ پھر آپ نے ان کی طرف حضرت خالدؓ بن ولید کو بھیج دیا تو اللہ کی طرف سے ان کو فتح حاصل ہوئی۔ [2]

٦۔ قرآن کریم کو جمع کرنا:

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] صحیح بخاری کتاب الزکوۃ: ۱۳۹۹۔ [2] التاریخ الاسلامی ۳/۸۵.

جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مجھے پیغام بھیج کر طلب فرمایا اور اس وقت آپؓ کے پاس حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ:

میرے پاس حضرت عمرؓ آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''جنگ یمامہ میں بہت سے لوگ شہید ہو گئے ہیں اور میں خوف کرتا ہوں کہ اگر اس طرح کی جنگوں میں قراء (قرآن کے عالم اور حافظ) شہید ہوتے رہے تو قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا، اِلَّا یہ کہ تم اسے جمع کرلو' اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ قرآن کو جمع (اکٹھا) کریں۔

''تب میں (ابو بکر) نے حضرت عمرؓ کو جواب دیا کہ میں وہ کام کیسے کروں جو حضرت نبی کریم ﷺ نے نہیں کیا؟ تو حضرت عمر نے کہا کہ اللہ کی قسم اس میں بہتری ہے۔ چنانچہ یہ مجھے مسلسل آمادہ کرتے رہے' یہاں تک کہ اللہ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا، اور میں نے بھی حضرت عمر کی طرح اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ضروری سمجھا ہے۔

(حضرت زید بن ثابت) کہتے ہیں کہ: 'اس موقعہ پر حضرت عمرؓ ان کے پاس خاموش بیٹھے رہے' حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ''تو عقلمند نوجوان ہے' ہم تجھ پر کسی طرح کی بدگمانی نہیں کرتے اور تو حضرت نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی لکھتا رہتا تھا' لہٰذا تو قرآن کو تلاش کر اور اسے جمع کردے' اللہ کی قسم اگر خلیفہ رسول مجھے ایک پہاڑ کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتا تو وہ کام مجھ پر اتنا گراں اور وزنی نہ ہوتا جتنا قرآن کو جمع کرنے کا حکم بھاری اور وزنی تھا۔''

میں نے کہا:

''آپ وہ کام کس طرح کریں گے جسے حضرت نبی کریم ﷺ نے نہیں کیا؟''

حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ: "اللہ کی قسم! اس میں خیر اور بھلائی ہے۔ چنانچہ میں آپ سے مسلسل معذرت کرتا رہا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ کی طرح اس کام کے لیے میرا سینہ بھی کھول دیا۔

چنانچہ میں نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا اور قرآن کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ میں نے پرزوں' کندھے کی ہڈیوں' کھجور کے پتوں (پر لکھا ہوا) اور آدمیوں کے سینوں (یاداشت) سے قرآن کو جمع کیا۔ حتیٰ کہ مجھے ایک سورۃ کی دو آیتیں حضرت خزیمہؓ انصاری کے علاوہ کسی سے دستیاب نہ ہو سکیں وہ یہ ہیں۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ﴾ الخ [1]

[1] بخاری کتاب التفسیر باب لقد جاءكم رسول من انفسکم حدیث: ٤٦٧٩ .



خلافت امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

۱۳ھ تا ۲۳ھ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال تین مہینے جاری رہی‘ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے اور اپنے بعد حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس منصب کے لیے تمام لوگوں سے زیادہ موزوں ہیں‘ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد ان کو بالنص خلیفہ نامزد کر دیا‘ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہو گئے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ [1]۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کی حیات مبارکہ کے بعد آپ کا دس (۱۰) سالہ دور خلافت مثالی اور سنہری دور تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی خون آشام جنگ کے ابتدائی مرحلے میں منصب خلافت پر فائز ہوئے‘ کیونکہ اس وقت مسلمان یرموک میں روم کی ٹڈی دل افواج سے برسر پیکار تھے‘ اس معرکے میں مسلمانوں کو فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی اور دمشق‘ حمص‘ قنسرین اور اجنادین فتح ہو گئے۔ بعد ازاں فتح بیت المقدس جیسی فتح مبین بھی حاصل ہوگئی اور مسلمان آزادانہ طور پر روم کی سرزمین پر گھومنے پھرنے لگے۔

اس کے بعد آپ نے عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو مصر کی مہم پر بھیج کر اسے فتح کر لیا اور سعد رضی اللہ عنہ

[1] اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور انہیں بھی راضی کر دیا۔

بن ابی وقاص کو مشرق میں ایران کے محاذ پر بھیج دیا۔ جہاں ان کے گھوڑوں نے ان کی سرزمین پامال کردی اور انہیں بڑے خسارے میں مبتلا کردیا۔ پھر سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں معرکہ قادسیہ برپا ہوا اور یہ معرکہ فیصلہ کن معرکوں میں سے تھا۔ اس کے بعد خراسان بھی فتح ہوگیا۔ المختصر حضرت عمرؓ بن خطاب کا دور خلافت' فتوحات کا انتہائی شاندار دور تھا۔

امیر المومنین سیدنا عمرؓ فاروق اپنے گورنروں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ان کے متعلق لوگوں سے سوال کرتے اور ان کی خبروں سے مطلع رہتے۔

حضرت محمد بن مسلمہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے گورنروں کی سی آئی ڈی پر مأمور تھے۔ حضرت عمرؓ خود بھی رات کو گشت کرتے اور مدینہ منورہ کے امن وامان کی انتہائی نگہداشت کرتے تھے۔ آپ نے امور خلافت میں مشورہ لینے کے لیے کبار صحابہ پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ مدینہ ہی میں موجود رہیں (اور بغیر اجازت باہر نہ جائیں۔)[1]

اور آپ نے اس قدر عدل وانصاف سے حکومت کی کہ کسریٰ ایران کے سفیر نے آپ کو مدینہ کے باہر کسی درخت کے نیچے سویا دیکھ کر کہا کہ:

''چونکہ تم عدل سے فیصلے کرتے ہو' اس لیے امن واطمینان سے سو رہے ہو''

حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا:

''تم میں سے کون شخص' سمندر کی موجوں کی طرح موجزن فتنے کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث یاد رکھتا ہے؟

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا:'' امیر المومنین آپ کو اس سے کچھ نقصان نہیں' کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند کیا ہوا دروازہ ہے۔

[1] التاریخ الاسلامی ۲۱/۳۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا یا کھول دیا جائے گا؟

حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا: ''نہیں' بلکہ توڑ دیا جائے گا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''پھر تو کبھی بند نہ ہوگا۔''

حضرت حذیفہؓ نے کہا: ''ہاں کبھی بند نہیں ہوگا۔''

حذیفہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت عمر دروازے کو جانتے تھے؟۔

''فرمایا: ''ہاں۔ میں نے انہیں ایسی حدیث بیان کی ہے جو غلط نہیں ہے۔

حذیفہؓ سے پوچھا گیا کہ وہ دروازہ کونسا ہے؟

فرمایا: ''عمر بن خطاب۔''

اس حدیث کو بخاری' مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[1]

چنانچہ حضرت عمرؓ دروازہ تھے اور اس کا ٹوٹنا' آپ کا قتل ہونا تھا۔ آپ کو ملعون ابولؤ لؤ مجوسی نے قتل کیا تھا۔ اللہ اس کو رسوا کرے اور اس پر لعنت برسائے۔

آپ کا سلسلہ نسب:

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر اور اسی فہر کو قریش کہا جاتا ہے۔[2]

آپ کا اسلام:

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: ''جب سے حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم عزت و آبرو سے زندگی بسر کرنے لگے۔''[3]

[1] صحیح بخاری' کتاب الفتن: ۷۰۹۶' مسلم کتاب الایمان: ۲۳۱.

[2] معرفة الصحابه ابو نعیم: ۱/ ۱۹۰.

[3] صحیح بخاری' کتاب فضائل الصحابه۔ باب مناقب عمر: ۳۶۸٤.

حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی رفاقت:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

''جب حضرت عمرؓ کو (غسل دینے کے بعد) چارپائی پر رکھا گیا تو لوگوں نے آپ کے اردگرد گھیرا ڈال لیا اور چارپائی اٹھانے سے پہلے ہی ان کے لیے دعا مانگنے لگے اور میں بھی ان میں شامل تھا کہ اچانک کسی آدمی نے پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے چونکا دیا۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے' انہوں نے حضرت عمر کے لیے رحمت کی دعا کی اور فرمایا:

''آپ نے اپنے پیچھے کسی ایسے آدمی کو نہ چھوڑا کہ میں اس کے عمل کو آپ کے عمل سے بہتر اور محبوب سمجھ کر اس جیسے عمل کر کے اللہ کی ملاقات کروں (یعنی میں آپ کے اعمال کو اپنے لیے آئیڈیل سمجھتا ہوں)۔ اللہ کی قسم میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا، میں اکثر حضرت رسول مقبول ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا کہ میں اور ابوبکر اور عمر گئے۔ میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ داخل ہوئے۔ میں اور ابوبکر اور عمر نکلے......۔[1]

آپ کے فضائل ومناقب

1۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلی امتوں میں کچھ لوگ محدث تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ بن خطاب ہے۔ (محدث سے مراد وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نیکی کا الہام کرے)[2]

2۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ

[1] بخاری مناقب عمر: ٣٦٧٤.

[2] بخاری فضائل صحابہ مناقب عمر: ٣٦٨٩۔ صحیح مسلم فضائل صحابہ: ٢٣.

آپ ﷺ نے فرمایا:

میں نے خواب میں جنت کے اندر ایک عورت کو ایک محل کے کونے میں وضو کرتے دیکھا تو میں نے پوچھا: ''یہ محل کس کا ہے؟''

انہوں نے بتایا: ''عمر بن خطاب کا۔''

تو میں اس کی (عمر فاروقؓ) غیرت کو یاد کر کے واپس مڑ آیا۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ رو پڑے، اور کہا: ''اے اللہ کے پیارے رسول! کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میں آپ پر غیرت کروں؟''[1]

3۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: ''کہ حضرت نبی اکرم ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمانؓ بھی تھے تو وہ (خوشی سے) حرکت کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے پاؤں کی ٹھوکر مار کر فرمایا: ''اُحد ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔[2]

4۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

ابن خطاب! اللہ کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کبھی راہ چلتے تیرا شیطان سے ٹاکرا ہو جائے تو وہ تیرے والی گلی چھوڑ دیتا ہے۔''[3]

امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروق کے شاندار کارنامے

ا۔ فتح بیت المقدس:

امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ:

---

[1] بخاری: ۳۶۸۰ [illegible]

[2] بخاری منا[illegible]

[3] بخاری مناقب عمر: ۳۶۸۳ [illegible] مسلم [illegible] الصحیح [illegible]

سیدنا عمر فاروقؓ جب بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انہوں نے کعب احبار سے کہا کہ میں وہاں نماز پڑھوں گا جہاں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے نماز پڑھی۔ چنانچہ آپ قبلہ کی طرف بڑھے پھر نماز پڑھی۔ بعد ازاں آپ نے چادر بچھا کر مسجد کی صفائی کی اور تنکے وغیرہ اپنی چادر میں ڈال دیئے اور لوگوں نے بھی صفائی میں حصہ لیا۔[1] اور یہ ہجرت کے پندرھویں سال کا واقعہ ہے۔

۲۔ جزیرۃ العرب سے یہود کی جلاوطنی:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمرؓ نے یہود و نصاریٰ کو ارض حجاز سے جلاوطن کر دیا تھا۔ کیونکہ جب حضرت رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح کیا تو یہود کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور اس وقت خیبر کی زمین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور تمام مومنین کے قبضے میں چلی گئی تھی۔ اس لیے آپ نے یہودیوں کو جلاوطن کرنے کا پروگرام بنایا تو یہودیوں نے حضرت رسول مقبول ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں اس زمین پر کام کے لیے برقرار رکھا جائے اور نصف پیداوار لے لی جائے، تو آپ نے فرمایا:

اچھا ہم اس وقت تک تمہیں اس زمین پر برقرار رکھتے ہیں جب تک ہم چاہیں، چنانچہ وہ وہاں ٹھہرے رہے حتی کہ حضرت عمر نے انہیں تیماء اور اریحا کی طرف جلاوطن کر دیا۔[2]

۳۔ مسجد نبوی کی تعمیر نو:

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں سے بنی

---

[1] مسند احمد ۱/۳۸۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ:۲۳۳۸۔

ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مسجد (از سرنو) تعمیر کی جائے اور (معمار) کو ہدایت کی کہ لوگوں کو بارش سے بچا[1] اور سرخ یا زرد (پینٹ یا بیل بوٹے) نہ لگانا ورنہ تو لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کردے گا۔''[2]

۴۔ ہجری سن کا آغاز:

ابوالفضل احمد بن علی بن حجر فرماتے ہیں کہ: ''ابونعیم فضل بن دکین اپنی تاریخ میں امام عامر شعبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمر کی طرف لکھا کہ ہمارے پاس آپ کے خطوط آتے ہیں اور ان پر تاریخ درج نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا' تو بعض نے کہا: ''بعثت نبوی کے اعتبار سے تاریخ لکھا کرو اور بعض نے مشورہ دیا کہ ہجرت کے اعتبار سے تاریخ لکھو۔ آپ نے فرمایا: ہجرت نے حق اور باطل کے درمیان فرق کیا تھا، لہٰذا اسی کے اعتبار سے تاریخ ڈالا کرو اور یہ مشاورت ۱۷ھ کو ہوئی تھی۔[3]

[1] یعنی فقط اتنی تعمیر پر اکتفا کرنا جو لوگوں کو گرمی اور سردی سے بچا سکے۔ اور اکن کا معنی ہے تو چھپا دیکھئے نہایۃ فی غریب الحدیث ۴/۲۰۶ اس روایت کو امام بخاری نے کتاب الصلوۃ میں جزم کے ساتھ تعلیقا روایت کیا ہے

[2] بخاری کتاب الصلاۃ باب بنیان المسجد (تعلیقا)

افسوس صد افسوس کہ نام نہاد مسلمان آج کل اپنی مساجد میں وہی کچھ کر رہے ہیں جس سے حضرت عمرؓ نے روکا تھا اور اللہ تعالیٰ کے مال کو بیل بوٹوں اور رنگ وروغن اور نرم و نازک غالیچوں پر خرچ کرکے شیطان کو خوش کر رہے ہیں جبکہ رحمٰن کی خوشنودی کی خاطر ان میں درس و تدریس اور تعلیم وتعلم پر پیسہ صرف کرتے وقت حد درجہ بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

[3] فتح الباری ۷/۳۱۵

خلافت امیر المومنین سیدنا عثمانؓ بن عفانؓ

۲۳ھ تا ۳۵ھ

آپ کا نام ونسب:

آپ کا نام عثمان بن عفان تھا اور آپ ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی پشت سے تھے۔ عبد مناف سے آپ کا نسب حضرت نبی کریم ﷺ سے مل جاتا ہے۔

آپ کی ماں کا نام اُرویٰ بنت کریز بن ربیعہ تھا اور آپ کی نانی، حضرت رسول کریم ﷺ کی سگی پھوپھی، ام حکیم بنت عبد المطلب تھیں۔[1]

چونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کی دو بیٹیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔ اس لیے آپ کو ذوالنورین کا لقب دیا گیا۔[2]

آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمر تھی۔ آپؓ السابقون الاولون میں سے ہیں۔

آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔[3]

اور آپ نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر (ہمیشہ کے لیے) مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

شوریٰ کا واقعہ:

جب امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ (خنجر سے) زخمی کر دیے گئے تو

[1] معرفة الصحابه:١/٢٣٥. [2] معرفة الصحابه:٢/٢٤٥. [3] الاصابة:٢/٤٥٥.

انہوں نے خلافت کا معاملہ چھ(۶) کبار صحابہ کرامؓ پر چھوڑ دیا اور وہ یہ ہیں:

(۱) عثمان بن عفان، (۲) علی بن ابی طالب، (۳) طلحہ بن عبید اللہ، (۴) زبیر بن عوام، (۵) عبد الرحمٰن بن عوف، (۶) سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم)

امام بخاریؒ نے شوریٰ کے واقعہ کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے تاکہ ہم سب مسلمان اس حقیقت سے آگاہ رہیں کہ اسلام کی تاریخ ضائع نہیں ہوگی۔ یہ امام بخاری ہیں جنہوں نے ہمارے لیے دو عظیم واقعات کو روایت کیا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں واقعات کو پرکھنا چاہیے تو الحمد للہ ہم پرکھ سکتے ہیں اور اس طرح کے واقعات کے متعلق صحیح روایات کا کھوج لگا سکتے ہیں۔

چنانچہ امام بخاریؒ نے شہادت عمرؓ کا طویل قصہ روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عمر سے کہا گیا کہ: "اے امیر المومنین! آپ وصیت کر جائیں (یعنی کسی کو خلیفہ نامزد کر دیں۔)

آپ نے فرمایا: "میں اس منصب کے لیے اس گروہ سے زیادہ کسی اور کو حقدار نہیں سمجھتا، جس سے حضرت رسول کریم ﷺ آخری دم تک راضی رہے۔"

اور آپ نے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہم) کا نام لیا۔

اور فرمایا: "عبد اللہ بن عمر تمہارے پاس موجود رہے گا لیکن اس منصب میں اس کا ذرہ برابر بھی حصہ نہ ہوگا۔ اگر حضرت سعد کو خلافت مل جائے تو وہ اس کا اہل ہے ورنہ تم میں سے جو کوئی امیر بنے وہ اس سے تعاون حاصل کرے، کیونکہ میں نے اسے کسی خیانت اور کمزوری کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔

چنانچہ اس موقعہ پر صحابہ کرامؓ جمع ہوئے تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا: "ہمیں چاہئے کہ ہم میں تین آدمی اپنے میں سے تین آدمیوں کے حق میں اس

منصب کی امیدواری سے دستبردار ہو جائیں۔

حضرت زبیرؓ نے فرمایا: کہ میں حضرت علیؓ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔ [1]

حضرت طلحہؓ نے فرمایا: ''میں حضرت عثمانؓ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔''

حضرت سعدؓ نے فرمایا: ''میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔

چنانچہ تینوں صحابہ کرام یعنی حضرت طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاصؓ دستبردار ہو گئے۔ اور تین صحابہ کرام خلافت کے لیے موزوں قرار دیئے گئے ، حضرت علی بن ابو طالبؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ۔

حضرت عبد الرحمٰنؓ نے فرمایا: ''تم میں سے کون اس منصب کی امیدواری سے دستبردار ہوتا ہے، تاکہ ہم اس کا فیصلہ اس پر چھوڑ دیں اور اسے اللہ اور اسلام کے حوالے سے کہیں کہ وہ (باقی دونوں میں سے) افضل کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کرے، تو شیخین (عثمانؓ وعلیؓ) خاموش ہو گئے۔

تب حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا: کیا تم اس فیصلے کو مجھ پر چھوڑتے ہو؟ اور اللہ گواہ ہے کہ میں تم میں سے افضل شخصیت کو نظر انداز نہ کروں گا۔

تو دونوں نے فرمایا: ہاں۔ (راوی) کہتے ہیں:

تب آپ نے ایک کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کی حضرت رسول کریم ﷺ سے قرابت ہے اور آپ کو اسلام میں سبقت حاصل ہے۔ اگر میں آپ کو امیر بناؤں تو انصاف کریں گے اور اگر عثمان کو بناؤں تو ان کی اطاعت و

[1] یہ روایت اصل حقیقت سے پردہ اٹھا رہی ہے کہ حضرت زبیر، حضرت علی سے بغض رکھنے والوں میں سے نہ تھے اور ایسا کس طرح ہو سکتا تھا کہ وہ آپ کی پھوپھی صفیہ کے بیٹے تھے نیز آپ شوریٰ خلافت کے دوران ان کی خلافت کے حق سے دستبردار ہوئے۔

فرمانبرداری کریں گے؟

پھر آپ حضرت عثمان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے بھی یہی عہد لیا۔ (کہ اگر میں علیؓ کو خلیفہ بناؤں تو تم ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو گے؟)

جب آپ نے پختہ عہد لے لیا تو فرمایا:

اے عثمانؓ اپنا ہاتھ اٹھایئے چنانچہ، آپ نے ان کی بیعت کر لی اور حضرت علیؓ نے بھی آپ کی بیعت کر لی پھر حویلی میں موجود سر برآوردہ حضرات اس مجلس میں داخل ہو گئے اور آپ کی بیعت کرنے لگے۔[1]

حضرت عثمان کی بیعت کے متعلق، یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ علاوہ ازیں صحیح میں اور بھی تفصیلات ہیں کہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ تین دن تک بیٹھ کر مہاجرین اور انصار سے پوچھتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

"میں نے مہاجرین اور انصار کا کوئی ایسا گھر نہ چھوڑا، جس سے میں نے پوچھ نہ لیا ہو۔ چنانچہ میں نے اندازہ کر لیا کہ یہ لوگ عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔"

یعنی بیعت کا یہ کام پختہ عہد کے فوراً بعد نہ ہوا تھا بلکہ آپ اس کے بعد تین دن تک مشاورت کے لیے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد حضرت عثمان کو منتخب فرمایا۔[2]

افسوس ناک المیہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی سیرت کے متعلق تاریخ کی جدید کتابیں، امام بخاریؒ کی اس روایت کو نظر انداز کر کے تاریخ طبری کی اس روایت کو پیش کر رہی ہیں جسے ابو مخنف جیسے کذاب راوی نے بیان کیا ہے۔ اس روایت کی اصل عبارت (کا ترجمہ) یہ ہے۔

[1] صحیح بخاری = کتاب فضائل الصحابة۔باب قصة البيعة: ٣٧٠٠۔

[2] صحیح بخاری = کتاب الاحکام: باب کیف یبایع الامام الناس: ٧٢٠٧۔

"جب حضرت عمر بن خطاب خنجر کے زخم سے نڈھال ہو گئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ کسی کو خلیفہ مقرر کر دیتے (تو اچھا ہوتا)

آپ نے فرمایا: "میں کس کو خلیفہ نامزد کروں؟ اگر ابو عبیدہ بن جراح زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ نامزد کر دیتا، اگر میرا رب مجھے پوچھتا تو میں کہتا کہ میں نے تیرے نبی ﷺ سے سنا تھا کہ وہ اس امت کا دیانت دار انسان ہے۔

اور اگر سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہؓ زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ مقرر کر دیتا، اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو میں کہتا کہ میں نے تیرے نبی سے سنا ہے کہ سالمؓ، اللہ کی خاطر شدید محبت کرنے والا ہے۔

ایک آدمی نے آپؓ سے کہا، میں آپ کو عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق کہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: "اللہ تجھے غارت کرے، اللہ کی قسم، میرا تو اس کے متعلق اس قسم کا ارادہ بھی نہیں۔ تجھ پر افسوس، میں اس شخص کو کیسے نامزد کروں، جو اپنی بیوی کو طلاق دینے سے بھی عاجز ہے۔ ہمیں تمہارے امور کے متعلق کوئی سروکار نہیں۔ میں اس (منصب خلافت) کو اتنا اچھا نہیں سمجھتا کہ اپنے گھر والوں کے لیے اس کی چاہت رکھوں۔ اگر یہ خیر ہے تو ہم نے اس سے حصہ لے لیا اور اگر شر ہے تو عمر کا مقدر بنی۔ آل عمر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے ایک آدمی کا محاسبہ ہو اور وہ امت محمد ﷺ کے معاملے میں سوال کیا جائے۔ البتہ میں نے اس ذمہ داری کو نبھانے کی جدوجہد کی ہے اور اپنے گھرانے کو اس سے محروم کر چلا ہوں۔ اور میں اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ اگر میں برابر برابر چھوٹ جاؤں، نہ مجھے اجر ملے اور نہ مجھ پر بوجھ ہو، تو میں بڑا خوش نصیب ہوں۔ اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد کروں تو مجھ سے بہتر انسان نے بھی خلیفہ نامزد کیا تھا اور اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھ سے افضل (ترین) ہستی نے بھی کسی کو نامزد نہیں کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضائع نہیں کرے گا۔

چنانچہ وہ نکل گئے پھر شام کو آئے اور عرض کرنے لگے کہ امیر المومنین اگر آپ کسی کے متعلق عہد لے لیں تو (اچھا ہے)

آپ نے فرمایا: میں نے تمہیں جواب دینے کے بعد پروگرام بنایا تھا کہ میں غور کر کے اس آدمی کو نامزد کردوں جو تمہیں حق پر چلانے کے لیے موزوں ترین شخص ہو اور آپ نے حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کیا۔

اور مجھ پر غشی کا دورہ پڑا، تو میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے کاشت کیے ہوئے باغ میں داخل ہو کر ہر طرح کے تر و تازہ اور پکے ہوئے پھل توڑ رہا ہے اور انہیں اکٹھا کر کے اپنے نیچے رکھ رہا ہے، تو میں نے سمجھ لیا کہ اللہ اپنے فیصلہ پر غالب ہے اور وہ عمر کو فوت کرنے والا ہے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ میں زندگی اور موت کے بعد کسی طرح کا بوجھ اٹھاؤں۔

یہ جماعت (تم میں موجود ہے) جس کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ ارشاد فرما گئے ہیں کہ یہ اہل جنت سے ہیں، ان میں سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بھی ہے۔ لیکن میں اسے شامل نہیں کرتا۔ باقی چھ ساتھی ہیں۔ ان میں علی اور عثمان (عبد مناف کے بیٹے) ہیں اور رسول کریم ﷺ کے ماموں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور آپ کے حواری آپ کی پھوپھی کے بیٹے زبیر بن عوام ہیں اور حضرت طلحہ الخیر بن عبید اللہ ہیں، ان کو چاہیے کہ اپنے میں ایک آدمی کو پسند کر لیں اور جب وہ کسی کو امیر منتخب کر لیں تو تم اچھی طرح اس کا ہاتھ بٹاؤ اور اس کی معاونت کرو۔ اور تم میں سے جس کسی کے پاس امانت رکھی دی جائے تو اسے چاہیے کہ امانت پوری کی پوری واپس کرے۔

چنانچہ وہ نکل گئے تو حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا: ''تو ان کے ساتھ داخل نہ ہو۔'' آپ نے فرمایا: ''میں اختلاف سے ڈرتا ہوں۔'' تو حضرت عباسؓ نے کہا: ''

پھر اس کا ایسا نتیجہ دیکھیں گے جو آپ کو ناپسند ہوگا۔"

جب صبح ہوئی تو حضرت عمر نے، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام ؓ کو بلایا اور کہا کہ: "میں غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم، لوگوں کے سربرآوردہ اور سردار ہو اور یہ منصب امارت تم میں ہی رہنا مناسب ہے۔ کیونکہ جب حضرت رسول کریم ﷺ فوت ہوئے تھے تو وہ تم سے راضی تھے اور اگر تم راہ راست پر قائم رہے، تو مجھے تمہارے متعلق لوگوں کی مخالفت کا اندیشہ نہیں۔ لیکن مجھے خطرہ اس بات کا ہے اگر تم آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے تو لوگ بھی مخالف ہو جائیں گے۔ تم حضرت عائشہ سے اجازت لے کر ان کے گھر بیٹھ جاؤ، اور باہمی مشورے سے ایک آدمی کو منتخب کرو۔

پھر آپ نے فرمایا: "حضرت عائشہ کے حجرہ میں داخل نہ ہونا لیکن قریب بیٹھ جانا۔ اس کے بعد آپؓ نے اپنا سر (بستر پر) رکھ لیا کیونکہ زخموں سے خون بہنے کی وجہ سے آپ کمزور ہو چکے تھے۔

چنانچہ وہ داخل ہو گئے اور باہم سرگوشیاں کرنے لگے پھر ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عمرؓ نے کہا:

"سبحان اللہ ابھی امیر المومنین فوت نہیں ہوئے، چنانچہ اس نے آپ کو آواز سنائی تو وہ بیدار ہو گئے اور فرمایا اس مجلس کو برخاست کرو، جب میں فوت ہو جاؤں تو تین دن مشورہ کرنا اور اس عرصہ میں حضرت صہیب لوگوں کو نماز پڑھائیں اور چوتھے دن کے سورج طلوع ہونے سے پہلے تم میں سے کوئی آدمی تم پر امیر ہونا چاہیے۔ اور عبداللہ بن عمر مشیر کی حیثیت سے شریک ہوں گے اور امارت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا اور حضرت طلحہؓ اس معاملے میں تمہارے ساتھ شریک ہوں گے، اگر وہ تین دن کے اندر آجائیں تو اسے مشاورت میں شریک کر لینا اور اگر اس کے آنے سے پہلے تین دن

پورے ہو جائیں تو اپنا کام مکمل کر لینا۔ اور مجھے طلحہ کے متعلق کون ضمانت دے گا؟

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا: میں آپ کو اس کی ضمانت دیتا ہوں ان شاء اللہ وہ مخالفت نہیں کریں گے۔ حضرت عمر نے فرمایا: مجھے بھی امید ہے کہ وہ مخالفت نہیں کریں گے "ان شاء اللہ" اور میرے خیال میں ان دونوں میں سے کوئی ایک خلیفہ بنے گا۔ حضرت علیؓ یا حضرت عثمانؓ۔

اگر حضرت عثمان خلیفہ بنے وہ نرم خو انسان ہیں۔ اگر حضرت علی بنے تو ان میں خوش طبعی ہے اور ان کو حق پر چلانے کے لیے موزوں ہے۔ اگر تم سعد کو خلیفہ بنالو وہ اس کا اہل ہے ورنہ نیا خلیفہ ان سے تعاون حاصل کرے۔ کیونکہ میں نے اسے خیانت اور کمزوری کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا، اور عبد الرحمٰن بن عوف کس قدر دانشمند اور صائب الرائے ہے! اس پر اللہ کی طرف سے نگہبان ہے لہٰذا اس کی سنتے رہنا۔

اور حضرت ابوطلحہ انصاری سے کہا: اے ابوطلحہ اللہ نے عرصہ تک تمہارے ذریعے اسلام کو عزت بخشی تو انصار کے پچاس آدمی منتخب کر لے اور اس گروہ کو ترغیب دینا کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیں۔

اور حضرت مقداد بن اسود سے کہا: کہ جب تم مجھے قبر میں رکھ لو، تو اس گروہ کو ایک گھر میں جمع کر لو تا کہ وہ اپنے میں سے ایک آدمی کو خلیفہ منتخب کر لیں۔

اور صہیب سے کہا: تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھانا، اور حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر اور حضرت سعد اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو ایک مکان میں داخل کر دینا، اگر طلحہ آ جائے تو اسے بھی، اور عبد اللہ بن عمر کو شریک کر لینا لیکن اس کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور ان کے سر پر کھڑے رہنا، اگر پانچ آدمی اتفاق سے ایک کو پسند کر لیں اور ایک آدمی انکار کرے تو تلوار

سے اس کی گردن کاٹ دینا۔ اگر چار آدمی اتفاق سے کسی کو منتخب کرلیں اور دو آدمی اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیں تو ان دونوں کی گردنیں اڑا دینا۔ اگر تین آدمی اپنے میں سے کسی ایک کو پسند کرلیں اور دوسرے تین اپنے میں سے کسی ایک کو، تو عبداللہ بن عمر کو ثالث بنا کر ان سے فیصلہ کرالینا اور وہ جس فریق کے حق میں فیصلہ کریں وہ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کرلیں، اگر وہ عبداللہ بن عمر کے فیصلہ سے راضی نہ ہوں تو وہ ان لوگوں میں شامل ہوجائیں جن میں عبدالرحمٰن بن عوف موجود ہوں اور وہ ان اراکین کو قتل کردیں جو تمام لوگوں کے منتخب امیر کو تسلیم نہ کریں۔[1]

میں کہتا ہوں: سبحان اللہ، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی گردنیں اڑانے کا حکم کیسے دے سکتے تھے؟

ان کے متعلق تو خود ہی گواہی دے چکے ہیں کہ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ اس حال میں دنیا سے گئے کہ وہ ان سے راضی تھے۔ لہٰذا ابومخنف کی خودساختہ داستان کے جھوٹی ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ حضرت عمرؓ خود ہی شہادت دے رہے ہیں کہ اللہ کے رسول ان سے راضی تھے پھر اس حکم کو نافذ کرنے کی جرأت کون کرتا؟ اور کیا نافذ کرنے والا بچ جاتا؟

اس لیے اس روایت کے من گھڑت ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔

چنانچہ لوگوں نے حضرت عثمان پر اتفاق کرلیا اور ان کی بیعت کرلی اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بعد آپ ہی افضل صحابی تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر کے

[1] تاریخ طبری: ۳/۲۹۲.

برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر کو اور ان کے بعد حضرت عثمان، پھر ہم باقی صحابہ کو چھوڑ دیتے اور ان کے درمیان فضیلت پر بحث نہ کیا کرتے تھے۔[1]

اور طبرانی میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''کہ حضرت نبی کریم ﷺ ہماری ان باتوں کو سنتے تھے اور انکار نہیں کرتے تھے۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عثمان کی بیعت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم نے اہم ترین منصب کے لیے افضل ترین شخص کو خلیفہ بنایا۔[3]

اسی لیے حضرت امام ایوبؒ بن تمیمہ سختیانی اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ: ''جس نے حضرت علیؓ المرتضیٰ کو حضرت عثمانؓ ذوالنورین پر فضیلت دی اس نے مہاجرین اور انصار کی توہین کی۔

کیونکہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف فرماتے ہیں کہ: ''میں نے انصار اور مہاجرین کے ایک ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کسی صحابی کو حضرت عثمانؓ کے برابر سمجھتا ہو۔ وہ سارے کے سارے حضرت عثمانؓ کو ہی افضل سمجھتے تھے۔[رضی اللہ عنہ]

اور حضرت عثمانؓ کی بیعت سر عام ہوئی تھی۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ جیسی پختہ بیعت کسی کی نہ ہوئی کیونکہ اس پر سب کا اجماع ہو گیا تھا۔[4]

آپؓ کا نام عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف قریشی ہے۔ آپ نے حضرت نبی مکرم ﷺ کی بیٹی رقیہ سے شادی کی۔ جب وہ فوت ہوئی تو آنحضرت نے سیدہ رقیہ کی بہن سیدہ ام کلثوم آپ کے نکاح میں دے دی۔

---

[1] بخاری - کتاب فضائل الصحابة باب مناقب عثمان:٣٦٩٧۔

[2] طبرانی معجم کبیر ١٣١٣٢/١٢، السنة للخلال ص:٣٩٨، والسنة لابن ابی عاصم، ص:٥٥٣ و قال الالبانی اسناده صحیح۔

[3] السنة للخلال ٣٢٠۔ [4] السنة للخلال:٣٢٠۔

اور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دی وہ بدعتی اور گمراہ ہے اور جس نے ان کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی وہ خطا کار ہے اور اہل سنت اسے گمراہ نہیں کہتے اور نہ بدعتی کہتے ہیں۔[1]

البتہ کچھ اہل علم حضرت علی کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دینے والے پر سخت ریمارکس دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ:

جس نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی، اس نے گویا اصحاب رسول پر خیانت کا الزام لگایا۔ کیونکہ انہوں نے (سیدنا علی المرتضیٰ کی بجائے) سیدنا عثمان کو منتخب فرمایا تھا (رضی اللہ عنہما)۔[2]

حضرت عثمانؓ کا عظیم الشان دور خلافت، فتوحات سے بھر ہوا تھا اور یہ دور دس سال کے عرصے پر محیط ہے۔ انہی سالوں میں اسلامی حکومت کی بساط کا پھیلاؤ مکمل ہوا۔ چنانچہ اسی دور میں حضرت امیر معاویہؓ نے آپ کی اجازت سے (یونانی جزیرہ) قبرص فتح کر لیا تھا۔ جبکہ حضرت عمرؓ نے بحری راستے سے غزوہ کرنے سے روک دیا تھا اور آپ ہی کے دور خلافت میں آذر بائیجان، آرمینیا، کابل اور سجستان، جیسے بہت سے ممالک فتح ہوئے، ذات الصواری جیسا عظیم غزوہ بھی آپ ہی کے دور میں ہوا۔ آپ نے مسجد نبوی اور مسجد حرام کی توسیع کی، بلکہ خلافت راشدہ کے دور میں سے اسلام کی سب سے زیادہ توسیع بھی آپ ہی کے دور میں ہوئی تھی۔ (رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ)

حضرت عثمانؓ کے فضائل ومناقب

1۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرةؓ فرماتے ہیں کہ: ''جیش عسرة کے لیے چندہ کی اپیل کے

[1] اور چند اہل علم سے ایسے شخص کو بدعتی کہنا بھی منقول ہے کیونکہ اس نے صحابہ کرام کے حضرت عثمان کو پسند کرنے پر اعتراض کیا۔ دیکھئے السنة للخلال ص: ۳۷۸۔ [2] السنة للخلال ص: ۳۹۲۔

موقعہ پر حضرت عثمانؓ اپنے کپڑے میں ایک ہزار طلائی دینار لے کر آئے اور انہیں حضرت رسول کریم ﷺ کی جھولی میں ڈال دیا، تو آپ ﷺ انہیں الٹتے پلٹتے اور بار بار فرماتے کہ: ''آج کے بعد عثمان بن عفان جیسا بھی عمل کرے وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔[1]

2۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ''دروازہ کھول دو اور اسے ایک مصیبت کی بنا پر جنت کی بشارت دو۔''[2]

3۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

''حضرت رسول کریم ﷺ کوہ اُحد پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے، تو وہ حرکت کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اُحد ٹھہر جا، تیرے اوپر نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔''[3]

4۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

ایک روز حضرت رسول کریم ﷺ ہماری طرف نکلے اور فرمایا:

''کہ میں نے ابھی دیکھا ہے کہ گویا مجھے مقالید اور ترازو دے دیئے گئے، مقالید سے مراد چابیاں ہیں۔ چنانچہ مجھے ایک پلڑے میں رکھ کر اور میری امت کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر تولا گیا تو میرا پلڑا بھاری ہونے کی وجہ سے جھک گیا۔ اس کے بعد ابوبکر کو اس پلڑے میں رکھ کر باقی امت سے تولا گیا تو ابوبکر کا پلڑا بھاری ہونے کی وجہ سے جھک گیا۔ پھر عمر کو اس پلڑے میں رکھ کو تولا گیا تو وہ پھر بھی جھک گیا۔ پھر عثمان کو

[1] مسند احمد ۵/۶۳، ترمذی مناقب عثمان حدیث:۳۷۰۱۔

[2] بخاری فضائل الصحابہ مناقب عثمان ۳۶۹۵۔مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة نمبر۲۸۔

[3] کتاب فضائل الصحابہ باب مناقب عثمان:۳۶۹۹۔

لا کر تولا گیا تو وہ پلڑا پھر جھک گیا (اس طرح حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمانؓ ساری امت محمدیہ سے وزنی ثابت ہوئے)۔ اس کے بعد وہ ترازو اٹھا لیا گیا۔ ایک آدمی نے کہا: ''ہم کہاں ہوئے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم وہاں ہو گئے جہاں اپنے آپ کو رکھو گے۔[1]

حضرت رسول کریم ﷺ کی نبوت کی سچائی کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو پیش آنے والے بلوے کی خبر دے دی تھی۔

5۔ حضرت مرۃ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو فتنوں کے متعلق بیان کرتے ہوئے سنا۔ آپ نے ان کا قرب بیان کیا تو ایک شخص منہ پر کپڑا لپیٹے گذرا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ شخص اس دن ہدایت پر ہوگا، حضرت مرہ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی طرف جا کر دیکھا تو وہ حضرت عثمان تھے۔''[2]

6۔ حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اے عثمانؓ! اگر اللہ نے تجھے کسی روز اس منصب (خلافت) پر فائز کر دیا تو منافق تجھ سے، اس قمیص کو اتارنے کا ارادہ کریں گے، جو اللہ نے تجھے پہنائی ہو گی۔ لہٰذا تم وہ قمیص نہ اتارنا۔[3]

حضرت عثمانؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے بعد بارہ سال تک منصب خلافت پر فائز رہے، ستر سال کی عمر میں آپ نے منصب خلافت سنبھالا اور اپنی عمرؒ کے بیاسیویں سال میں آپ کو شہید کیا گیا۔ [رضی اللہ عنہ] آپ کی خلافت کے آخری سالوں میں آپ کے خلاف فتنہ برپا ہوا تھا۔

[1] ابن ابی عاصم السنة حدیث: ۱۱۳۸، احمد ۲/۷۶ و قال الالبانی حدیث صحیح۔

[2] سنن ترمذی مناقب عثمان ۳۷۰٤.

[3] ابن ماجه -المقدمة باسناد صحیح باب فضائل اصحاب النبی:۹۷.



فتنے کے اسباب کیا تھے؟

پہلا سبب......

عبداللہ بن سبا نامی یہودی اور یہ مرکزی سبب تھا۔[1]

یہ ایک یمنی یہودی تھا اس نے بظاہر اسلام قبول کیا۔ پھر اپنے آپ کو حضرت علیؓ کا شیعہ ظاہر کرنے لگا اور فرقہ سبیئہ یا سبائیہ اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس فرقے نے حضرت علیؓ کی الوہیت کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔ جب انہیں حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو آپؓ سے کہنے لگے: تو وہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ کون؟'' کہنے لگے: ''تو اللہ ہے۔''

چنانچہ آپ نے اپنے غلام قنبر کو خندق کھدوانے اور اس میں آگ جلانے کا حکم دیا

---

[1] عبداللہ بن سبا، واقعی کوئی سازشی انسان تھا یا فرضی کردار؟ متقدمین اس بات پر متفق ہیں کہ واقعتاً یہ سازشی شخص تھا، بلکہ انہوں نے شیعہ کے ایک فرقے کو عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب بھی کیا ہے اور اس کا نام سبیئہ یا سبائیہ بتایا ہے اور اس کے خاص معتقدات بھی بیان کیے ہیں اور وہ معتقدات تشیع کے دائرے سے نہیں نکلتے۔

اس شخص کے کردار پر سب سے زیادہ پردہ ڈالنے والا، مرتضیٰ عسکری نامی شخص ہے، اس نے عبد اللہ بن سباء واساطیر اُخریٰ نامی کتاب بھی لکھ ماری ہے۔ اس شخص کے کردار کا انکار کرنے والوں میں طٰہٰ حسین بھی شامل ہے، اس نے اپنی کتاب علیٌّ وَ بَنُوہ وغیرہ میں اس کا انکار کیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب الشعرا لجاھلی میں مسلمات اور یقینیات کے جھٹلانے کی طرح اس حقیقت کو جھٹلانے کے سوا کوئی علمی، تحقیقی دلیل پیش نہیں کی۔ اور پھر ہر چیز میں شک پیدا کرنا اس مصنف کا خاص مشغلہ ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب کے صفحہ ۲۶ پر یہ کہہ کر حضرت ابراہیم اور اسماعیل کے کعبہ تعمیر کرنے کا انکار کر دیا کہ قرآن ہمیں یہ بیان تو کرتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعی انہوں نے کعبہ تعمیر کیا تھا (انا للہ وانا الیہ راجعون) رہا عسکری طریقہ کار تو اس نے لوگوں پر حقیقت حال پوشیدہ کرنے کی کوشش کے لیے بزعم خود تحقیقی انداز اپنایا اور اپنے اسلوب کے علمی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، کیونکہ اس نے ابن سبا کے متعلق احادیث اور روایات جمع کی ہے، لیکن وہ سب کی سب سیف بن عمرو کے واسطے سے ہیں لیکن اس کی تلبیس درج ذیل وجوہ سے باطل ہے۔

1۔ بہت سے شیعہ محدثین اور مؤرخین اور ان کے مقالات کے جامعین نے اپنی کتابوں میں اسے ثابت کیا ہے۔

اور فرمایا:

لَمَّا رَأَیْتُ الْاَمْرَ اَمْرًا مُنْکَرًا
اَجَّجْتُ نَارِیْ وَ دَعَوْتُ قَنبرًا [1]

اور آپ نے فرمایا: ''جس نے اس قول سے رجوع نہ کیا میں اسے آگ میں جلاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے ان میں سے کافی سارے سبائی جلا ڈالے اور باقی وہاں سے بھاگ گئے اور ان میں ابن سبا بھی تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ قتل کر دیا گیا۔ اصل علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اور ابن سبا نے وصی اور رجعت اور اس جیسے دیگر یہودیانہ عقائد کا پرچار شروع کر دیا۔

---

[1] اس قصے کا اصل بخاری شریف میں ہے دیکھیے کتاب استتابة المرتدين باب اثم من اشرك ۲۹۲۲، حافظ ابن حجر نے اس قصے کی تفصیل بیان کی ہے اور فرمایا ہم نے اسے ابو طاہر المخلص کی سند سے تیسری جلد میں بیان کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

- نوبختی نے اپنی کتاب فرق الشیعہ میں ابن سبا کے متعلق اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس فرقہ کا نام سبیہ ہے یعنی اصحاب عبد اللہ بن سبا دیکھیے فرق الشیعہ ص: ۲۲۔ اور نوبختی تیسری صدی ہجری میں فوت ہوا۔
- الکشی نے اپنی کتاب رجال الشیعہ میں ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام ہی اللہ تھا (لعنہ اللہ) علاوہ ازیں اس نے جعفر الصادق علیہ السلام سے ابن سبا کے ذکر میں پانچ سے زائد روایات روایت کی ہیں۔
- الصدوق نے اپنی کتاب من لا يحضر الفقيه ص: ۹۵۵۔ میں اس کا ذکر کیا ہے
- الطوسی نے اپنی کتاب رجال طوسی، ص: ۱۔ میں اس کا ذکر کیا ہے
- باقر مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار ص: ۵۱/۲۱۰۔ ۴۲/۱۴۶۔ میں اس کے تذکرے کیے ہیں۔
- النور الطبرسی نے اپنی کتاب مستدرك [۱۸/۱۶۹] میں اس کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں اور بہت سے مؤلفین نے بھی عبد اللہ بن سبا کا ذکر ہے لیکن میں نے طوالت کی وجہ سے عمداً چھوڑ دیا ہے۔

2۔ رہے اہل سنت تو ان میں سے جس کسی نے بھی اس عرصے کی تاریخ لکھی اس نے اس کے کردار کا ذکر کیا ہے۔

3۔ جس کسی نے بھی ابن سباء کے وجود کا انکار کیا ہے اس نے محض کھوکھلا دعویٰ ہی کیا ہے اور کوئی نئی بات نہیں کی۔

4۔ ابن سبا کے وجود کا انکار کرنیوالے متاخرین شیعہ ہیں یا پھر ان سے متاثر ہونے والے سنی رائٹر جنہیں شیعہ کی تلبیس کا علم ہی نہیں۔

اور یہ بھی کہا کہ امامت ایک ہی گھرانے کا حق ہے اور اس نے بدویوں کے ہاں حضرت عثمانؓ کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کیا کہ حضرت عثمانؓ نے یہ کیا، وہ کیا۔ اس طرح اس لعین نے انہیں استعمال کرنا شروع کردیا۔ علاوہ ازیں اس نے اور اس کے ہمنواؤں نے حضرت زبیر، علی، طلحہ، عائشہ صدیقہؓ وغیرہ کے نام کی جعلی مہریں لگا کر ان کی طرف سے (مختلف علاقوں کے عوام کی طرف) جعلی خطوط لکھے جن میں حضرت عثمان پر تنقید اور ان کی سیاست سے بیزاری کا اظہار ہوتا۔

اس دور میں آج کل کی طرح ماڈرن آلات تو ہوتے نہ تھے کہ ان کے ذریعے تصدیق کی جاتی اور جن کو خطوط پڑھ کر سنائے جاتے وہ دیہاتی لوگ تھے۔ ان کے پاس جیسی تیسی خبریں پہنچتیں وہ ان کی تصدیق کرتے اور انہیں قبول کر لیتے۔ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا:

"تم نے حضرت عثمان کو میل کچیل سے صاف کیے ہوئے کپڑے کی طرح (معصوم) چھوڑا پھر تم نے اسے قریب کیا اور اسے یوں ذبح کیا جیسے مینڈھا ذبح کیا جاتا ہے۔"

حضرت مسروق نے جواب دیا کہ: "یہ آپ کا کیا دھرا ہے، آپ ہی نے لوگوں کی طرف خطوط لکھے اور لوگوں کو ان کے خلاف بغاوت کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس پر مومنین ایمان لائے اور کافروں نے کفر کیا میں نے ان کی طرف سرے سے کوئی تحریر لکھی ہی نہیں۔ میں نے آج کی اس مجلس تک ان کی طرف سفید چیز پر کوئی سیاہ چیز نہیں لکھی۔

حضرت سلیمان بن مہران اعمش فرماتے ہیں کہ (تابعین کرام) سمجھتے تھے کہ ملعون ابن سبا نے ام المومنین کے اسلوب (تحریر) پر سازشی خطوط لکھے تھے۔" (امام ابن کثیر

فرماتے ہیں کہ: ''اس اثر کی سند صحیح ہے۔'')[1]

اس طرح کے تمام خطوط جو صحابہ رسول ﷺ کے نام سے ان (صوبوں، فوجی چھاؤنیوں اور بدوی علاقوں کے لوگوں) کی طرف لکھے جاتے تھے، ان میں حضرت عثمان بن عفان کی مذمت کی جاتی تھی اور عبداللہ بن سبا یہودی کے مختلف صوبوں میں ایجنٹ بھی تھے اور وہ اپنے صوبوں سے اس طرح کے جعلی خطوط بھیجتے، اور یہ بھی ان کی طرف اس طرح کے خطوط بھیجتا، اور وہ باہم ایک دوسرے کی طرف بھی اس طرح کے خطوط لکھتے، کہ فلاں گورنر نے حضرت عثمان کے حکم سے ہمارے ساتھ یہ کیا، اور فلاں گورنر نے اس کے حکم سے ہمارے ساتھ یہ کیا۔ چنانچہ ہم عثمان کے پاس گئے۔ انہوں نے ہمارے ساتھ یہ کیا، عثمان نے اصحاب محمد کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ ہمارے پاس حضرت زبیر کا خط آیا۔ ہمارے پاس حضرت علی کا خط آیا اور ہمارے پاس حضرت عائشہ کا خط آیا ہے۔ ہمارے پاس فلاں کا خط آیا ہے۔ چنانچہ وہ بدوی اور دیہاتی جو اللہ کے دین سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے اور ان کے دلوں میں حضرت عثمانؓ کے خلاف نفرت پھیل گئی۔ [رضی اللہ عنہ]

دوسرا سبب

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں امت مسلمہ کی خوشحالی:

حضرت عثمانؓ کے دور میں خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: ''شاید ہی لوگوں پر کوئی ایسا دن آیا ہو جس میں وہ مال تقسیم نہ کر رہے ہوں اور یہ صدا نہ آ رہی ہو کہ:

''اللہ کے بندو آؤ اور اپنے اپنے حصے کا شہد لے جاؤ، اللہ کے بندو آؤ، اپنے اپنے

[1] البداية والنهاية ۷/ ۲۰۴.

حصے کا مال لے جاؤ۔"[1]

اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں چاروں طرف جہاد جاری تھا اور خوشحالی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ نا مقبولیت اور ناراضی اور نازک مزاجی کا خوگر بنا دیتی ہے۔ اور اس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری اس طرح کے عوامل کا سبب بنتی ہے۔

تیسرا سبب

امیر المومنین عثمانؓ، اور امیر المومنین عمرؓ فاروق کی طبع میں تفاوت:

امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ سخت گیر انسان تھے اور حضرت عثمانؓ بڑے بردبار اور نرم دل انسان تھے۔ بہت سے لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپؓ کمزور آدمی تھے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں بلکہ آپ حلیم الطبع تھے۔ اسی بنا پر جب سبائیوں نے آپ کا گھر میں محاصرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

تم جانتے ہو کہ تمہیں کس چیز نے میرے اوپر جرأت دلائی؟
تمہیں میرے حلم نے ہی مجھ پر چڑھائی کرنے کا حوصلہ دیا ہے۔"[2]

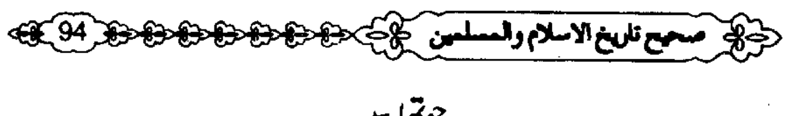
اسی لیے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا تھا کہ: "اللہ کی قسم جن کاموں کی وجہ سے وہ حضرت عثمانؓ سے رنجیدہ ہوئے اگر وہی کام حضرت عمر کرتے تو کوئی نہ بولتا۔

تو پھر وہ لوگ حضرت عثمانؓ پر حرف گیر کیوں ہوئے؟

کیونکہ حضرت عثمانؓ درگذر کرتے تھے اور ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرکے معاف کردیا کرتے تھے۔

---

[1] تحقیق مواقف الصحابہ ۱/ ۳٦۰۔ [2] تحقیق مواقف الصحابہ ۱/ ۳٦۵.



چوتھا سبب

بعض قبائل کا قریش کی حکومت کو بوجھل سمجھنا:

اسلام میں داخل ہونے والے چند عرب قبائل اس بات سے نالاں تھے کہ حکومت ہمیشہ قریش کے پاس رہے۔ان میں خاص طور پر وہ قبائل شامل تھے جن میں سے کچھ افراد دین اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، پھر وہ زبردست لڑائی کے بعد تلوار کی قوت سے خائف ہوکر طوعاً و کرھاً اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو اسلام کی طرف لوٹ تو آئے لیکن ان کے دل میں قلق تھا اور یہی لوگ اس بات سے نالاں اور رنجیدہ تھے کہ حکومت ہمیشہ سے قریش کے ہاتھ میں کیوں چلی آرہی ہے اور قریش کے پاس حکومت ہمیشہ کیوں رہے؟

چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

"بعض عربی قبائل، قریش میں حکومت رہنے سے ناخوش تھے اور ان کے دل ان کے خلاف نفرت سے بھر چکے تھے۔اس لیے وہ گورنروں پر معترض رہتے اور ان کی عیب گیری میں لگے رہتے۔ جب انہوں نے حضرت عثمان میں نرمی دیکھی تو بڑھ دوڑے۔"

یہ ہیں وہ اہم اور بنیادی اسباب، جو فتنے کا باعث بنے،ان کے علاوہ کچھ دیگر اسباب بھی تھے لیکن میں طوالت کے خوف سے انہیں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

حضرت عثمانؓ پر اعتراضات

اب میں اختصار کے ساتھ ان اعتراضات کا تذکرہ کرتا ہوں جو حضرت عثمان کی حکومت پر کیے گئے تھے، پھر ان شاء اللہ تفصیل کے ساتھ ان کا جائزہ لوں گا۔

پہلا اعتراض: انہوں نے کہا کہ اس نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو گورنر تعینات کیا۔

دوسرا اعتراض: انہوں نے ابوذرؓ کو ربذہ کی طرف جلاوطن کیا۔

تیسرا اعتراض: انہوں نے مروان بن حکم کو افریقہ کا خمس دیا۔

چوتھا اعتراض: انہوں نے مصاحف جلا دیئے اور لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کیا۔

پانچواں اعتراض: انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو اتنا مارا کہ ان کی انتڑیاں پھٹ گئیں اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو اتنا مارا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

چھٹا اعتراض: انہوں نے چراگاہ وسیع کر دی۔

ساتواں اعتراض: انہوں نے سفر میں پوری نماز ادا کی۔

آٹھواں اعتراض: وہ غزوۂ اُحد کے دن میدان جنگ سے فرار ہو گئے تھے۔

نانواں اعتراض: وہ غزوۂ بدر میں حاضر نہ تھے۔

دسواں اعتراض: وہ بیعت رضوان میں شریک نہ ہوئے تھے۔

گیارھواں اعتراض: انہوں نے ہرمزان کے بدلے میں عبیداللہ بن عمر کو قتل نہ کیا۔

بارھواں اعتراض: انہوں نے جمعہ کے دن دوسری اذان کا اضافہ کیا جبکہ نبی کریم ﷺ اور شیخین کے دور خلافت میں صرف ایک اذان ہوتی تھی۔

تیرھواں اعتراض: حضرت نبی کریم ﷺ نے مروان کے والد حکم بن العاص کو جلاوطن کیا تھا اور انہوں نے واپس بلا لیا۔

علاوہ ازیں دیگر اعتراضات بھی کیے مثلاً وہ منبر پر حضرت نبی کریم ﷺ والی سیڑھی پر چڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ پہلی سیڑھی پر خطبہ دیتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر آئے تو وہ دوسری پر اتر آئے اور جب حضرت عمر آئے تو وہ تیسری پر اتر آئے۔

اور جب حضرت عثمان کا دور آیا تو وہ پہلی سیڑھی پر چڑھ کر خطبہ دینے لگے اور آج

تک یہی طور طریقہ چلا آ رہا ہے۔[1]

اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمر فاروق درہ لگاتے تھے لیکن انہوں کے کوڑا لگانا شروع کر دیا۔

اور انہوں یہ بھی کہا کہ آپؓ نے صحابی رسولؐ حضرت ابو درداء کو تکلیف دی۔

علاوہ ازیں دیگر اعتراضات بھی جن میں سے اکثر تو ان پر جھوٹ اور باقی غلط فہمی پر مبنی تھے اور لیجیے اب ان کا تفصیلی جائزہ۔

حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کا تفصیلی جائزہ

پہلا اعتراض: قرابت داروں کو حاکم بنانا:

حضرت عثمانؓ نے اپنے کون سے قریبی رشتہ داروں کو حاکم مقرر کیا؟

حضرت عثمانؓ نے اپنے جن رشتہ داروں کو حاکم مقرر کیا۔ ان میں سے پہلے حاکم حضرت معاویہؓ، دوسرے عبد اللہؓ بن سعد بن ابی السرح، تیسرے ولیدؓ بن عقبہ، چوتھے سعیدؓ بن العاص، پانچویں عبد اللہؓ بن عامر یہ پانچ حاکم تھے اور یہ آپ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔

---

[1] متوکل علی اللہ عباسی نے ایک دفعہ اپنے ہم نشینوں کے سامنے حضرت عثمان پر سبائیوں کے چند اعتراضات بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت ابو بکر صدیق منبر نبوی پر خطبہ دیتے تو حضرت نبی کریم ﷺ والی سیڑھی سے نیچے والی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے اور حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں ابو بکر والی سیڑھی سے نیچے والی سیڑھی پر خطبہ ارشاد فرماتے جب حضرت عثمان آئے تو انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ والی سیڑھی پر خطبہ دینا شروع کر دیا تھا، تو اس کے ہمنشیں عباد نے یہ سن کر کہا، اے امیر المومنین! حضرت عثمان سے بڑھ کر اور کوئی آپ کا محسن نہیں ہو سکتا! اس نے کہا وہ کیسے؟ تیرے لیے خرابی ہو! اس نے کہا اگر شیخین کی طرح ہر خلیفہ نیچے اترتا رہتا تو آج آپ نے ہمیں کنویں میں کھڑے ہو کر خطبہ دینا تھا! یہ سن کر متوکل علی اللہ اور سارے درباری کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ بحوالہ ایقاظ اولی الھمم العالیہ ص: ۳۰۰ مولفہ عبد العزیز محمد سلمان (مترجم)

اور ان کے خیال میں ان کا تقرر حضرت عثمانؓ پر اقربا پروری کا دھبہ ہے، اس لیے پہلے ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے دیگر حاکم کون کون سے تھے اور ان کی تعداد کتنی تھی؟

اور وہ تھے (۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری، (۲) قعقاع بن عمرو، (۳) جابر مزنی، (۴) حبیب بن مسلمہ، (۵) عبد الرحمٰن بن خالد بن ولید، (۶) ابو الاعور سلمی، (۷) حکیم بن سلامہ، (۸) اشعث بن قیس، (۹) جریر بن عبد اللہ بجلی، (۱۰) عتیبہ بن نہاس، (۱۱) مالک بن حبیب، (۱۲) نسیر عجلی، (۱۳) سائب بن اقرع، (۱۴) سعید بن قیس، (۱۵) سلمان بن ربیعہ، (۱۶) خنیس بن خبیش۔

یہ تھے حضرت عثمانؓ کے غیر اموی گورنر، اگر ہم ان میں امویوں کو شامل کریں تو ان کی تعداد اکیس بنتی ہے۔

کیا ان میں سے بنی امیہ کے پانچ حاکموں کا مستحق ولایت ہونا صحیح نہیں؟ جو کہ کل حاکموں کا ایک چوتھائی بھی نہیں بنتے۔

جبکہ ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اوروں کی بہ نسبت بنو امیہ کو زیادہ تر حاکم مقرر کرتے تھے۔

مزید برآں یہ کہ یہ پانچ اموی حاکم بیک وقت (مختلف صوبوں پر) تعینات نہ تھے، بلکہ حضرت عثمانؓ نے ولیدؓ بن عقبہ اموی کو حاکم بنایا پھر اسے معزول کر کے اس کی جگہ سعیدؓ بن العاص اموی کو مقرر کیا تو یہ ایک وقت میں پانچ تو نہ ہوئے۔

علاوہ ازیں حضرت عثمانؓ اپنی شہادت سے قبل سعید بن العاص کو بھی معزول کر چکے تھے تو گویا جب آپ کی شہادت ہوئی اس وقت بنو امیہ میں سے فقط تین حاکم تھے۔ ایک حضرت معاویہؓ، دوسرے عبد اللہؓ بن سعد اور تیسرے عبد اللہؓ بن عامر۔

حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ اور سعید بن العاص کو معزول کر دیا لیکن ان کو کہاں

سے معزول کیا؟ کوفہ سے۔

وہ کوفہ کہ جس سے حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کیا تھا۔ اس کوفہ سے کہ جو کسی حاکم سے کبھی خوش نہ رہا۔

اس بنا پر حضرت عثمان کا ان حاکموں کو معزول کرنا ان میں کسی عیب کا سبب نہ قرار دیا جائے گا بلکہ یہ اس شہر کا عیب سمجھا جائے گا جس پر انہیں حاکم مقرر کیا گیا۔ (آٹھویں صدی کے مجدد اور شہرۂ آفاق مصلح) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

کہ ہمارے علم کے مطابق قریش کے کسی قبیلہ سے حضرت نبی کریم ﷺ کے اتنے حاکم نہ تھے جتنے بنو امیہ سے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور ان میں شرافت اور سرداری اور معاملات کو سلجھانے کی خوبیاں بھی نسبتاً زیادہ تھیں۔ [1]

اور جن اموی حاکموں کو حضرت رسول کریم ﷺ نے (مختلف صوبوں پر) حاکم مقرر کیا تھا وہ تھے (۱) عتاب بن اسید اموی، (۲) ابوسفیان بن حرب اموی، (۳) خالد بن سعید اموی، (۴) عثمان بن سعید اموی، (۵) ابان بن سعید اموی۔ یہ پانچ حاکم تھے اور ان کی تعداد اتنی ہی ہے جتنی حضرت عثمانؓ کے اموی حاکموں کی تھی حالانکہ دورِ نبوی کی نسبت دورِ عثمانی میں مملکت اسلامی کی وسعت اور صوبوں کی تعداد کئی گنا زیادہ ہو چکی تھی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حاکموں نے اپنی اہلیت کو ثابت کیا یا نہیں؟ عنقریب حضرت عثمانؓ کے ان حاکموں کی کارگردگی اور اہلیت کے متعلق، اہل علم کی شہادتیں بیان کی جائیں گی۔

البتہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰؓ نے بھی اپنے

[1] منهاج السنة: ٦/ ١٩٢.

رشتہ داروں کو حاکم مقرر کیا[1] اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا اور ہم بھی اعتراض نہیں کرتے۔ مگر حضرت عثمانؓ کے اپنے رشتہ داروں کو حاکم بنانے پر دو قسم کے شخص معترض ہیں۔ سنی یا شیعی۔

شیعی کو تو یہ جواب دیا جائے گا کہ حضرت علیؓ نے بھی اپنے قریبی رشتہ داروں کو حاکم بنایا۔ اس لیے معاملہ برابر ہوا، اگر حضرت عثمانؓ کا اپنے قریبی رشتہ داروں کو حاکم بنانا قابل اعتراض ہے تو حضرت علیؓ کا اپنے قریبی رشتہ داروں کو حاکم بنانا بھی قابل اعتراض ہے اور اگر حضرت علیؓ پر کوئی اعتراض نہیں تو حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیوں؟

بلکہ جن لوگوں کو حضرت عثمانؓ نے حاکم مقرر کیا تھا، وہ سب کے سب ان حاکموں سے افضل تھے، جنہیں حضرت علیؓ نے حاکم بنایا۔ سوائے حضرت ابن عباس کے۔ (رضی اللہ عنہ)

اور اگر حضرت عثمان پر اعتراض کرنے والا سنی ہے تو ہم اسے جواب دیں گے کہ: آپ اپنے اعتراض کی بنا پر دو باتوں میں سے کسی ایک بات اعتراض کریں گے۔

ایک تو یہ کہ حضرت عثمان نے ان کو اس بنا پر حاکم بنایا کہ...... وہ ان کے رشتہ دار تھے جبکہ وہ گورنری کے لائق نہ تھے۔

اور دوسری بات یہ کہ حضرت عثمان انہیں گورنری کے اہل سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کو گورنر بنایا۔

اور اصل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ جیسے صحابہ کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے۔

اس کے بعد ہم ان گورنروں کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں جن کو حضرت عثمانؓ نے حاکم (گورنر) بنایا تھا۔ تو آیئے ہم، ان حاکموں کے متعلق اہل علم کے اقوال

[1] حضرت علیؓ نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباسؓ، عبیداللہ بن عباس، قثم بن عباس، تمام بن عباس اور اپنے ربیب بیٹے محمد بن ابوبکر کو حاکم مقرر کیا تھا۔ دیکھئے تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۲۰۰ تا ۲۰۱۔

ملاحظہ کریں۔

پہلے حاکم ،حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما:

حضرت امیر معاویہؓ کے بہترین حاکم ہونے میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں۔ بلکہ اہل شام ان پر جان نچھاور کرتے تھے۔[رضی اللہ عنہ]

امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ نے انہیں یہاں کا حاکم مقرر کیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے صرف اتنا کیا کہ انہیں اس عہدے پر برقرار رکھا اور دیگر صوبے بھی ان کی امارت کے ماتحت کردیئے۔ علاوہ ازیں آپ حضرت نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کے کاتب بھی تھے اور بہترین حاکم بھی۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« خِيَارُ أَئِمَّتِكُمْ مَنْ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ »[1]

”کہ تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے لیے دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں۔“

اور حضرت امیر معاویہؓ ایسے ہی (مقبول ترین) حاکم تھے۔

دوسرا حاکم، حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی السرح:

یہ حضرت نبی کریم ﷺ کا صحابی تھا، پھر یہ مرتد ہو کر مسیلمہ کذاب کے ساتھ مل گیا۔ بعد ازاں توبہ کرکے حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آپ کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے سفارش کی:

”کہ اے اللہ کے پیارے رسول اس سے بیعت لے لیجئے یہ توبہ کرکے آیا ہے،

[1] مسلم كتاب الامارة:٦٥.

لیکن آپ نے بیعت نہ لی۔ حضرت عثمان نے پھر درخواست کی، آپ نے پھر بھی بیعت نہ لی۔ حضرت عثمان نے تیسری مرتبہ پھر درخواست کی تو آپ نے ہاتھ بڑھادیا تو اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔"[1]

چنانچہ اس نے اپنے طرزِ عمل سے رجوع کرلیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لوٹ آیا۔ اور اسی کے ہاتھوں افریقہ فتح ہوا۔ اس کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں:

"اس نے نہ تو حدود سے تجاوز کیا اور نہ کوئی ایسا کام کیا جس پر گرفت کی جا سکے اور یہ گورنر بڑا دریا دل اور عقلمند انسان ثابت ہوا۔ افریقہ میں جتنی بھی فتوحات ہوئیں وہ ساری کی ساری اسی کے ہاتھ پر ہوئیں۔ [رضی اللہ عنہ]

تیسرے حاکم، سعیدؓ بن العاص اموی

یہ حضرت رسول کریم ﷺ کے برگزیدہ اور پسندیدہ صحابہ میں تھے۔ ان کے متعلق امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

" كَانَ أَمِيرًا شَرِيفًا جَوَّادًا مَمْدُوحًا حَلِيمًا وَ قُوْرًا ذَا حَزْمٍ وَ عَقْلٍ يَصْلُحُ لِلْخَلَافَةِ "[2]

---

[1] ابو داؤد کتاب الحدود باب الحکم من ارد: ٤٣٥٩.

نوٹ طبقات حنابلہ جلد دوم صفحہ: ١٦٥ پر شہرہ آفاق محدث اور زاہد امام ابو اسحاق ابراہیم بغدادی حربیؒ کے حوالے سے درج ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ کے جنتی ہونے پر مندرجہ ذیل احادیث اور آثار سے استدلال فرمایا کہ: حضرت عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت رسول کریم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب سکھا دے اور اسے عذاب سے بچا۔"

اور حضرت رسول کریم ﷺ مستجاب الدعوات تھے جب حضرت معاویہؓ عذاب سے بچ گئے ہیں تو پھر وہ جنت میں ہیں۔ [مترجم] (طبقات حنابلہ جلد دوم ص/١٦٥)

[2] سیر اعلام النبلاء: ٣/٤٤٥.

"کہ یہ بڑا عزت دار اور دریا دل، ہر دلعزیز، بردبار، باوقار اور مستقل مزاج اور عقلمند امیر تھا۔ اور خلافت کے لیے موزوں تھا۔"[1]

چوتھے حاکم، عبداللہؓ بن عامر بن کریز:

انہوں نے کسرائے ایران کے مقبوضات اور خراسان کو فتح کیا۔ بلکہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسی کے ہاتھ پر مملکت فارس کی فتح مکمل ہوئی اور انہوں نے بجستان اور کرمان وغیرہ علاقوں کو فتح کیا۔ ان کے متعلق امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"كَانَ مِنْ كِبَارِ أُمَرَاءِ الْعَرَبِ وَ شُجْعَانِهِمْ وَ أَجْوَادِهِمْ"[2]

"کہ یہ عرب کے بڑے دولتمند اور دلیر ترین اور سخی انسانوں میں سے تھا۔"

[1] حضرت رسول کریم ﷺ نے انہیں اکرم العرب قرار دیا تھا حالانکہ یہ اس وقت نو سال کے بچے تھے، یہ بڑے دریا دل اور فیاض انسان تھے، سائل کو خالی نہ لوٹاتے اگرچہ قرض اٹھا کر دینا پڑتا، ان کی اسی روش کی وجہ سے ان پر اسی ہزار دینار قرض چڑھ گیا، جو ان کے بیٹے نے ان کی وفات کے بعد ادا کیا، حضرت علی المرتضیٰؓ کی لخت جگر حضرت ام کلثوم نے حضرت عمر کی شہادت کے بعد ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی اور ایک لاکھ درہم حق مہر وصول بھی کر لیا تھا اور حضرت حسن بن علی ان کے ولی بننے پر تیار ہو گئے تھے لیکن آپ نے حضرت حسین بن علی کی پاسداری کرتے ہوئے نکاح سے معذرت کر لی، کیونکہ وہ اپنی اس بہن کا نکاح اپنے عم زاد سے کرنا چاہتے تھے البتہ آپ نے حق مہر کی رقم واپس نہ لی۔ (تاریخ اسلام امام ذہبی) [مترجم]

[2] سیرا علام النبلاء ۳/ ۲۱.

نوٹ: حضرت عبداللہ بن عامر باپ کی طرف سے اموی اور ماں کی طرف سے ہاشمی تھے، جب یہ پیدا ہوئے تھے تو انہیں حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، تو آپ نے اپنا لب مبارک اس کے منہ میں ڈال دیا، یہ غث غث کرکے نوش کرنے لگے، آپ نے فرمایا: "اے امویو! تمہارا یہ بچہ تمہاری بہ نسبت ہم سے زیادہ مشابہ ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اسے سیرابی نصیب ہوگی۔ یہ صحابی بڑا بہادر اور سخی انسان تھا، ایک دفعہ ایک سائل نے ان سے دوائی کے طور پر چند روز کے لیے گائے کا دودھ مانگا، تو انہوں نے اسے سات سو گائیں ہبہ کر دی تھیں۔ [اصابہ۔ منہاج القاصدین] (مترجم)

پانچویں حاکم، ولیدؓ بن عقبہ:

امام عامر بن شراحیل شعبیؒ کے پاس، حبیب بن مسلمہ اور ان کے جہاد اور ان کی فتوحات کا تذکرہ ہونے لگا، تو انہوں نے فرمایا:

”کاش کہ تم ولید اور اس کے غزوات اور امارت کا دور پا لیتے۔“

ولید بن عقبہ، پانچ سال تک کوفے پر امیر رہے اور باوجود امیر ہونے کے ان کے گھر پر کوئی دروازہ نہ تھا، جس کا جی چاہتا وہ اس کے پاس جاتا اور گفتگو کرتا اور لوگ ان سے محبت کرتے تھے۔ لیکن کوفہ والوں کی تلون مزاجی مشہور ہے۔ ولید بن عقبہ پر دو چیزوں کا الزام لگایا جاتا ہے۔

پہلا الزام تو یہ ہے کہ مفسرین کے بقول اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا ہے۔

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ [الحجرات:٦]

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کسی قسم کی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بغیر تحقیق کیے (غلط فہمی میں) نقصان پہنچا بیٹھو، پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے بیٹھ جاؤ۔“

تفاسیر میں یہ بات بڑی مشہور ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت نبی کریم ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ ان کی طرف گیا تو انہیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر ڈر گیا اور حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسولؐ:

وہ تو میرے قتل کے ارادے سے آ رہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ بڑے غضبناک

ہوئے اور خالد بن ولید کو ان کی طرف بھیجنا چاہا، یا بھیج بھی دیا۔ بعدازاں آپ ﷺ کو خبروں کی تحقیق اور چھان بین کر لینے کا حکم دیا گیا تو اس سلسلے میں اللہ کا فرمان نازل ہوا:

''کہ اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کسی قسم کی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بغیر تحقیق کیے نقصان پہنچا بیٹھو پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے بیٹھ جاؤ۔''

جب صحابہ نے چھان بین کی تو انہوں نے کہا:'' ہم لڑنے کے لیے نہیں بلکہ صدقات لے کر آئے تھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا نمائندہ لیٹ ہو گیا تھا۔

دوسرا الزام یہ تھا کہ وہ نشے کی حالت میں فجر کی نماز پڑھاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے فجر کی چار رکعات پڑھا کر سلام پھیرا اور کہا، اور پڑھاؤں؟

انہوں نے اس سے کہا کہ تم تو اتنے دنوں سے زیادہ پڑھا رہے ہو، پھر لوگ حضرت عثمان کی طرف گئے اور ان کی شکایت کی، تو حضرت عثمان نے ان کو شراب نوشی کی حد لگائی۔[1]

مقصد یہ ہے کہ ولید بن عقبہ پر دو الزام لگائے گئے۔ پہلا الزام تو مفسرین کے ہاں مشہور ہے اور مسند احمد میں حسن سند سے مروی بھی ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے قصے میں نازل ہوئی۔[2] لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ولید ہی فاسق ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو عام حکم دیا ہے کہ وہ خبر لانے والے کی تحقیق کر لیا کریں (نہ خاص ولید بن عقبہ کی خبر کی)

اور اگر اللہ نے انہیں فاسق کہا تھا تو کیا وہ ساری عمر فاسق رہا؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ

---

[1] مسلم كتاب الحدود نمبر ٣٨. [2] احمد:٤/٢٧٩.

ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ [النور: ٤]

"اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر (اس الزام کی صداقت پر) چار گواہ پیش نہ کریں تو انہیں اسی (۸۰) درّے لگائے جائیں۔ اور آئندہ کبھی ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ دراصل فاسق ہیں۔" پھر فرمایا:

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

"مگر وہ لوگ بعد ازیں توبہ کرلیں اور اصلاح کا رویہ اختیار کرلیں تو یقیناً اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

اگر ہم فرض کرلیں کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں ہی نازل ہوئی تھی تو کیا ان کی توبہ کا دروازہ بند ہوگیا؟ جبکہ اس کی زندگی قابل رشک تھی۔

رہا شراب نوشی کا معاملہ! تو پہلی بات یہ ہے کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے تاہم صحیح حدیثکی تکذیب بھی نہیں کرتے کیونکہ انہیں شراب نوشی کی حد ضرور لگائی گئی جیسے کہ بخاری و مسلم میں منقول ہے لیکن کیا اس کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ اس نے شراب پی تھی؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔

(ان کو حد لگانے کا واقعہ اس طرح ہے) کہ جب ولید بن عقبہ کوفے کے گورنر تھے تو دو کوفی، کوفہ سے نکل کر مدینہ منورہ میں حضرت عثمان کے پاس آئے اور ان کے سامنے یہ بات کہی کہ ہم نے ولید بن عقبہ کو نشے کی حالت میں نماز فجر پڑھاتے دیکھا ہے۔

ایک نے کہا کہ: "میں نے اسے نشے میں دیکھا" اور دوسرے نے کہا: "میں نے اسے قے کرتے دیکھا۔"

حضرت عثمان نے فرمایا: ”اس نے قے کی ہے تو شراب پینے کے بعد ہی کی ہے۔“
اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسن بن علی اور عبداللہ بن جعفرؓ بھی موجود تھے، تو حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ کو حد لگوائی اور پھر کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔

لیکن کچھ اہل علم نے ان گواہوں کی گواہی مشکوک قرار دی ہے۔ حد والا واقعہ تو صحیح ہے کیونکہ وہ تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ لیکن کیا دونوں کوفی گواہ سچے تھے یا نہیں؟

جو کوئی اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث پڑھنا چاہتا ہے اسے محب الدین الخطیب کے حاشیے والی کتاب العواصم من القواصم کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ انہوں نے ان کوفی گواہوں پر جرح کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ وہ کوئی ثقہ گواہ نہیں تھے (بلکہ محض سازشی تھے۔)[1]

اگر ان کی گواہی سچی بھی ہو تو حضرت عثمان پر کوئی گرفت نہیں، ان کے سامنے شراب نوشی کی گواہی پیش ہوئی تو انہوں نے اسے حد لگوا کر معزول کر دیا، کیا حضرت عثمان نے غلطی کی؟ نہیں، بلکہ عین انصاف کیا۔

عثمان نے غلطی نہیں کی بلکہ یہ تو ان کی خوبی ہے کہ انہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو حد لگوائی اور کوئی قرابت داری آڑے نہ آئی اور اسے معزول بھی کر دیا۔

اور کیا ولید بن عقبہ معصوم تھا؟

ہم ابتداء میں ذکر کر چکے ہیں کہ ہم اصحاب رسول ﷺ کی عصمت دری کے قائل نہیں۔ اور پھر حضرت عمرؓ کے دور میں بھی ایک صحابی حضرت قدامہ بن مظعون نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان کو جواز بنا کر شراب نوشی کر لی۔

---

[1] العواصم من القواصم: ۱۰۷ـ۱۰۸۔

کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَ آمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَ أَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۞﴾ [المائدہ:۹۳]

"کہ ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کے کھانے پینے پر کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ ڈرتے رہیں اور ایمان رکھیں اور نیک عمل کریں پھر بھی ڈرتے رہیں اور ایمان رکھیں پھر بھی ڈرتے رہیں اور اچھے کام کریں اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

تو حضرت عمرؓ نے ان کو درست مطلب سمجھایا، پھر انھیں معزول کر دیا اور ولید بن عقبہ کے معزول کرنے سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت ثابت ہوئی کیونکہ انہوں نے اپنی قریبی کی غلطی پر گرفت کی اور اسے گورنری سے معزول کر دیا اور اس پر حد نافذ کر دی۔

یہ تھے حضرت عثمانؓ کے گورنر، ان میں سے صرف اکیلے ولید بن عقبہ ہیں جن پر انگشت نمائی ہو تو ہو، حضرت عثمان پر نہیں ہو سکتی، اگر کوئی قابل اعتراض بات ہے تو اس کا ولید بن عقبہ ذمہ دار ہے نہ کہ حضرت عثمان [رضی اللہ عنہ]

دوسرا اعتراض

کہ انہوں نے حضرت ابو ذر غفاریؓ کو ربذہ کی طرف جلا وطن کر دیا تھا۔

اس سلسلے میں سیف بن عمر کے حوالے سے تاریخ طبری وغیرہ میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہ ہے، کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت ابو ذرؓ کے درمیان اختلاف سا ہو گیا، تو حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمان کی طرف پیغام بھیجا کہ حضرت ابو ذرؓ نے لوگوں کو ہم سے بدظن کرنا شروع کر دیا ہے، تو انہوں نے جواباً پیغام بھجوایا کہ انہیں میرے پاس بھیج

دو، تو حضرت ابو ذر کو حضرت عثمان کی طرف بھیج دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے انہیں ملامت کی تو وہ ربذہ کی طرف نکل گئے۔ [1]

یہ ہے سیف بن عمر (متہم بالکذب اور متروک راوی) کی روایت۔ لیکن ہمارے پاس اس قضیہ کے متعلق اس سے زیادہ مستند اور صحیح روایات ہیں۔ جنہیں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت زید بن وھب سے بیان کیا ہے:

''میں ربذہ سے گذرا تو وہاں مجھے ابو ذر ملے، میں نے ان سے کہا:'' کہ آپ یہاں کیوں رہتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میں شام میں تھا کہ میرا، حضرت معاویہؓ سے، ان لوگوں کے متعلق جھگڑا ہو گیا، جو سونے چاندی کو جمع کر کے رکھ لیتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ کہتے تھے یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور میں کہتا تھا کہ یہ ہمارے متعلق بھی نازل ہوئی ہے اور ان کے متعلق بھی، اور اس مسئلے میں میرے اور ان کے درمیان بحث طول پکڑنے لگی، تو انہوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں میری شکایت کر دی، کہ یہ اس طرح کے مسائل میں بحث کرتے ہیں اور لوگوں کو بھڑکاتے ہیں۔ [2]

تو امیر المومنین نے مجھے خط لکھ کر مدینہ منورہ چلے آنے کا حکم دے دیا۔ تو میں

---

[1] تاریخ طبری ۳/۳۳۵ .

[2] سب جانتے ہیں کہ اس مسئلے میں حضرت ابو ذر کا نظریہ یہ تھا کہ انسان اپنی ضرورت سے زیادہ اپنے پاس کچھ نہ رکھے، جبکہ صحابہ کرام کی اکثریت اس نظریے کے خلاف تھی اور آج کل اس مسئلہ پر تقریباً اجماع ہو گیا ہے کہ انسان زکوٰۃ ادا کر کے یہ چیزیں اپنے پاس رکھ سکتا ہے، اسی لیے امام بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے کہ جس چیز کی زکوٰۃ ادا کی جائے وہ کنز میں داخل نہیں۔ اور اس کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے نیز حضرت عبد اللہ بن عمر اور دیگر صحابہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے، لیکن ابو ذر کہتے تھے کہ خواہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے پھر بھی ضرورت سے زائد سونا چاندی رکھنا منع ہے۔ حضرت معاویہ اسی مسئلے پر ان سے اختلاف رکھتے تھے۔

مدینے آ گیا، چنانچہ لوگ مجھے یوں دیکھنے آئے کہ گویا انہوں نے مجھے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔ چنانچہ میں نے اس بات کا حضرت عثمانؓ سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

''اگر آپ چاہیں تو یہاں سے منتقل ہو جائیں تو میں یہاں قریب ہی رہنے لگا ہوں اس وجہ سے میں یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ پر حبشی کو بھی امیر بنادیں تو میں اس کی بات سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔''[1]

(اس مستند اور صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ) حضرت عثمانؓ نے حضرت ابو ذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن نہیں کیا تھا اور نہ ہی حضرت معاویہ نے انہیں شام سے بے عزت کرکے مدینہ بھجوایا (ان کے متعلق اس طرح کی کہانیاں) سفید جھوٹ ہیں [رضی اللہ عنہم]۔ یہ تھا حضرت ابوذرؓ کا قصہ (لیکن کذاب راویوں نے اسے رائی سے پہاڑ بنادیا) بلکہ (شہرۂ آفاق محدث اور مؤرخ) ابن سعد نے اس قصے کو جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے، کہ جب وہ ربذہ کی طرف نکلے تو فرمایا:

میں نے حضرت رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''کہ جب آبادی سلع (پہاڑ) تک پہنچ جائے تو یہاں سے نکل جانا......''[2] اس بنا پر ان کا (مدینہ سے) نکلنا گویا نبی کریم ﷺ کے حکم کی بنا پر تھا۔

اور آنحضرت ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ:

''کہ اللہ ابو ذر پر رحم فرمائے وہ تن تنہا چلے گا اور تن تنہا ہی مرے گا اور تن تنہا ہی اٹھے گا۔''[3] رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ حدیث:۱۴۰۶۔

[2] طبقات ابن سعد ۲۲۶/۴۔

[3] حاکم: ۵۰/۳ و صححہ مگر ذہبی نے اسے مرسل کہا ہے۔ نیز کہا کہ اس کی سند میں ایک انتہائی ضعیف راوی ''برید بن سفیان'' ہے۔

تیسرا اعتراض

مروان کو افریقہ کے مال غنیمت سے پانچواں حصہ

جبکہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ حضرت عثمان سے ایسا کرنا ثابت نہیں کیا جا سکا۔ سید قطب (شہید) مصری نے بھی سبائیوں کے کوڑے کرکٹ سے ایسی مکذوبہ اور بے سند روایات اکٹھی کر کے، اس بہتان کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن جھوٹ کے پاؤں کہاں؟ (مترجم)

چوتھا اعتراض

قران مجید کے نسخوں کو جلانا

(اس کی حقیقت یہ ہے کہ) حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے حضرت امیر المومنین عثمانؓ کی خدمت میں یہ بات پہنچائی کہ لوگ قرآن (کی مجوزہ قرأت کے معاملے) میں تفرقہ بندی کا شکار ہو کر آپس میں شدید اختلاف کرنے لگے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ان پر قرآن سے کفر کا اندیشہ ہونے لگا ہے اور انہوں نے امیر المومنین عثمانؓ سے مطالبہ کیا کہ لوگوں کو قرآن کی ایک قرأت پر اکٹھا کیا جائے اور قرآن کو دوسری مرتبہ جمع کیا جائے۔[1]

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے دوسری مرتبہ قرآن جمع کرنے کا حکم دے دیا۔

حضرت عثمانؓ نے جن نسخوں کو جلانے کا حکم دیا تھا ان میں کچھ آیات منسوخ التلاوۃ بھی تھی، جنہیں چند صحابہ کرام نے باقی رہنے دیا تھا، اور پھر وہ نسخے اس ترتیب کے خلاف تھے، جو آخری مرتبہ حضرت جبرائیل نے حضرت نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کی تھی، اور بعض نسخوں میں چند صحابہ کرام کی اپنی تفسیریں شامل تھیں، اس لیے

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن ،باب جمع القرآن:٤٩٨٧.

انہوں نے ان نسخوں کو جلا دینے کا حکم دے دیا اور ایک مصحف شریف لکھوایا اور اس میں (تمام) قرأتیں ہیں اور آنحضرت ﷺ سے ثابت شدہ کسی قرأت کو لغو قرار نہیں دیا۔

امام ابن العربی مالکیؒ ایک مصحف کے سوا باقی مصاحف کو جلانے اور ایک اسی نسخے پر لوگوں کو جمع کرنے کے متعلق، فرماتے ہیں:

کہ یہ ان کی عظیم ترین نیکی اور بہت بڑی خوبی ہے کیونکہ انہوں نے اختلاف کی جڑ ختم کردی اور اللہ نے آپؓ کے ہاتھ سے قرآن کی حفاظت کی۔[1]

مگر (دیکھئے) انہوں نے حضرت عثمانؓ کی اس عظیم نیکی اور خوبی کو (کس طرح) آپ کی غلطی اور جرم ٹھہرایا ہے! (کسی نے سچ کہا ہے)

وَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ
كَمَا أَنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

"کہ محبت و خوشی کی آنکھ ہر عیب سے بند رہتی ہے۔ لیکن ناراضی کی آنکھ عیوب برائیاں اچھالتی ہے (اور اچھائیوں پر پردہ ڈالتی ہے)۔"

پانچواں اعتراض

وہ کہتے تھے کہ: "کہ آپ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کو اتنا مارا کہ ان کی انتڑیاں پھٹ گئیں اور حضرت عمار بن یاسر کو اتنا مارا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔"

اور یہ بھی سفید جھوٹ ہے، اگر ان کی انتڑیاں پھٹ جاتیں تو وہ زندہ نہ رہتے۔ حضرت عثمان پر یہ اعتراض محض کذب و بہتان ہے۔ [رضی اللہ عنہ]۔ خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ انہیں پیٹنا محض باطل دعویٰ ہے، جو ثابت نہیں ہو سکا۔

[1] العواصم من القواصم: ۸۰۔

چھٹا اعتراض

وہ کہتے تھے کہ: ’’انہوں نے چراگاہ کو وسعت دی (اور چراگاہ سے مراد وہ قطعہ زمین جو مرکزی حکومت نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے مخصوص کرلیا ہو) حضرت رسول اللہ ﷺ کی بھی مخصوص چراگاہ تھی اور آپ ﷺ نے فرمایا: کہ «اِنَّمَا الْحِمٰی حِمَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ»[1] کہ چراگاہ پر اللہ اور اس کے رسول کا ہی حق ہے۔‘‘

حضرت عمرؓ نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے چراگاہ مخصوص کی اور ان کے لیے خاص علاقہ مقرر کردیا، تاکہ اس میں صرف صدقہ کے اونٹ چریں اور جب وہ موٹے تازے ہوجائیں تو لوگوں کے کام آسکیں۔ جب حضرت عثمان کے دور میں صدقات بڑھ گئے تو انہوں نے اس مناسبت سے چراگاہ کو بھی وسیع کردیا۔ تو مفسدین نے ان پر نکتہ چینی شروع کردی اور یہاں تک کہہ ڈالا کہ:

’’یہ جو تو نے چراگاہ کو وسیع کیا ہے اس کا تجھے اللہ نے حکم دیا ہے یا تو اللہ پر افترا باندھتا ہے؟‘‘

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

’’مجھ سے پہلے حضرت عمرؓ نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے قطعہ زمین مخصوص کیا۔ جب میں خلیفہ بنا تو صدقہ کے اونٹ بڑھ گئے، اس لیے میں نے چراگاہ وسیع کردی۔‘‘

امام احمدؒ نے اس روایت کو صحیح سند کے ساتھ فضائل صحابہ میں بیان کیا ہے۔‘‘[2]

ساتواں اعتراض

وہ کہتے تھے کہ: ’’انھوں نے سفر میں پوری نماز پڑھی۔‘‘

---

[1] البخاری = کتاب المساقات ،باب لا حمی الا للہ و لرسولہ الحدیث::/ ۲۳۷۰.

[2] ۱/ ٤٧٠ حدیث نمبر:٧٦٥.

(اس میں کوئی شک نہیں) کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے سفر میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت ابو بکر نے بھی سفر میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت عمر نے بھی سفر میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت عثمان نے بھی اپنی خلافت کی ابتداء میں دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر آپ نے پوری پڑھنی شروع کردی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ فقہی و اجتہادی مسئلہ ہے، اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کیا لیکن خطا ہوگئی تو کیا ہوا؟ جب اس اجتہاد میں ان سے غلطی ہوئی تو کیا یہ خطا ان کے خون کو حلال کرسکتی ہے؟ اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ معصوم کون ہے؟ پھر اہل علم کے درمیان اس مسئلہ پر اختلاف بھی ہے بہت سے اہل علم کہتے ہیں کہ نماز قصر مستحب سنت ہے۔"[1]

حضرت عثمان نے صرف یہی کیا تھا کہ انہوں نے مستحب عمل کو چھوڑ دیا اور جواز پر عمل کرلیا یا انہوں نے رخصت چھوڑ دی اور عزیمت کو اپنا لیا۔ رہی یہ بات کہ انہوں نے پوری نماز کیوں پڑھی؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ نے ایسا دو وجوہات میں سے کسی ایک وجہ سے کیا۔

1۔ کیونکہ انہوں نے مکہ میں شادی کرلی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنے شہر مکہ میں ہیں اس لیے وہاں پوری نماز ادا کی۔

2۔ وہ اس بات سے ڈر گئے ہوں کہ (حج کے موقع پر آئے ہوئے) دیہاتی لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوجائیں گے اور وہ اپنے ملکوں میں جا کر (ہمیشہ) قصر پڑھنا شروع کردیں۔ لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے اس لیے نماز پوری پڑھی کہ ان کو آگاہ کرسکیں کہ اصلاً نماز کی چار رکعتیں ہیں۔ تاہم اس کا اصل سبب اللہ تبارک وتعالیٰ کو معلوم ہے۔

جب سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سفر میں پوری نماز ادا کی تو لوگوں نے حضرت عروہ

[1] مالک، شافعی، اوزاعی، احمد کا یہی مذہب ہے، مغنی ابن قدامہ ۲/ ٥٤.

بن زبیرؓ سے اس کا سبب پوچھا تو آپؓ نے فرمایا:

کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی طرح تأویل کر لی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت عثمان نے تاویل کی تھی۔[1]

آٹھواں، نانواں اور دسواں اعتراض

"کہ آپؓ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے۔"

"اور احد کے دن فرار ہو گئے تھے اور بیعت رضوان میں حاضر نہ ہوئے تھے۔"

صحیح بخاری میں حضرت عثمان بن موہبؒ سے مروی ہے کہ: "ایک مصری باشندہ (ہمارے پاس آیا اور پوچھنے لگا: "تم کون سے قبیلہ سے ہو؟" ان لوگوں نے کہا: "قریش سے۔" وہ کہنے لگا: "تم میں وہ بزرگ آدمی کون صاحب ہیں؟" لوگوں نے کہا: "حضرت عبداللہ بن عمرؓ" تو وہ ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: "اے عبداللہ بن عمر میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں وہ مجھے بتا دیجئے۔

1۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان احد کے دن فرار ہوئے تھے؟ فرمایا: "ہاں"

2۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ جنگ بدر سے بھی غائب تھے؟ فرمایا: "ہاں"

3۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ بیعت رضوان سے بھی غائب تھے؟" فرمایا: "ہاں"

مصری کہنے لگا: "اللہ اکبر، (یعنی اس کے خیال میں حق واضح ہو گیا)، تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اسے کہا: "آؤ میں تمہیں ان کی وجوہات بیان کرتا ہوں۔"

احد کے دن ان کا فرار ہونا: تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا تھا اور ان کی بخشش کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

[1] حضرت ابو عبداللہ جعفر الصادق سے کلینی کی کتاب الکافی میں روایت ہے کہ حرمین میں پوری نماز پڑھنا افضل ہے: ۴/۵۲۴۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴾

''تم میں سے جو لوگ دو جماعتوں کی مڈ بھیڑ (جنگ احد) کے دن روگرداں ہو گئے تھے ان کو محض شیطان نے پھسلایا تھا ان کے کسی عمل کی وجہ سے اور اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ بے شک اللہ بخشنہار اور بردبار ہے۔''

بدر کے دن، ان کا غائب ہونا: اس کی وجہ یہ بنی کہ ان کے نکاح میں حضرت نبی کریم ﷺ کی لخت جگر رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں اور وہ مریضہ تھیں تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ آپ کو اس آدمی جتنا اجر ملے گا جو بدر میں شامل ہوا اور اس کے برابر مال غنیمت بھی (بنابریں وہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے اور آپ ﷺ نے انہیں جنگ بدر سے ان کے حصہ کا مال غنیمت بھی دیا تھا)

باقی رہا ان کا بیعت رضوان سے غائب رہنا: اگر مکہ والوں کی نگاہوں میں حضرت عثمان سے بڑھ کر کوئی معزز ہوتا تو آپ ﷺ ان کی بجائے اسے بھیج دیتے [1] چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے انہیں بھیج دیا اور بیعت رضوان، حضرت عثمان کے مکہ جانے کے بعد منعقد ہوئی تھی۔ اس وجہ سے حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا: یہ بیعت عثمان کی ہے۔ (اتنا کچھ بتانے کے بعد)

حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: یہ جوابات بھی اپنے ساتھ لیتا جا۔ [2]

---

[1] حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان کو مکہ والوں کی طرف اس لیے بھیجا تھا کہ وہ انہیں بتا دیں کہ حضرت رسول مقبول ﷺ عمرہ ادا کرنے آئے ہیں اور ان کے جانے کے بعد بیعت رضوان ہو گئی، بلکہ سیرت کی کتابوں میں مشہور ہے کہ یہ بیعت حضرت عثمان کا انتقام لینے کے لیے منعقد ہوئی تھی کیونکہ آپ کو افواہ ملی تھی کہ عثمان شہید کر دیئے گئے ہیں، تو آپ نے ان کا بدلہ لینے کے لیے اپنے صحابہ سے بیعت لی۔ لیکن یہ محض افواہ تھی۔

[2] صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابه باب مناقب عثمان: ٣٦٩٨.

گیارھواں اعتراض

وہ کہتے تھے کہ: آپ نے عبید اللہ بن عمرؓ کو ہرمزان کے بدلے میں قتل کیوں نہ کیا؟۔

کتب تاریخ میں مشہور ہے کہ جب ابولؤ لو مجوسی نے حضرت عمرؓ کو خنجر مار کر خاک وخون میں تڑپا دیا تو لوگوں نے اس پر گاؤن نما ایک کپڑا پھینک دیا تو اس نے (اپنے آپ کو گرفتار ہوتا دیکھ کر) خودکشی کر لی۔[1] جب صبح ہوئی تو عبید اللہ بن عمر نے مجوسی سے مسلمان بننے والے شخص ہرمزان کو قتل کر دیا۔ جب اس سے سبب پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا:

کہ امیر المومنین کے قتل سے تین دن پہلے یہ ابولؤ لو مجوسی کے ساتھ تھا[2] اور اس وقت ابولؤلؤ کے پاس وہی خنجر تھا جس سے اس نے حضرت عمر کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ عبید اللہ بن عمر نے یہ سمجھ کر کہ ہرمزان بھی اس جرم میں ابولؤ لو کے ساتھ شریک ہے، اسے جا کر قتل کر دیا۔

چنانچہ عبید اللہ بن عمر کو حضرت سعد بن ابی وقاص کے گھر قید کر دیا گیا اور حضرت عثمان نے اصحاب رسول ﷺ کو اکٹھا کر کے ان کی رائے لی۔

ان میں سے کسی نے کہا: ''قصاصاً قتل کر دینا چاہیے کیونکہ اس نے مسلمان کو قتل کر دیا ہے۔

کسی نے کہا: دو دن قبل حضرت عمر قتل ہوگئے اب ہم ان کے بیٹے کو قتل کر دیں تو آل خطاب پر کیا گذرے گی؟

---

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ باب قصة البيعة نمبر: ۳۷۰۰.

[2] سیف بن عمر کذاب کے حوالے سے طبری میں مذکور ہے کہ عبد الرحمٰن بن ابو بکر نے ان کو دیکھا تھا اور عبید اللہ کو اس کی خبر دی تھی۔ طبری ۳/۳۰۲

کسی نے کہا: "کہ اس نے تاؤیلاً قتل کیا ہے (یعنی اپنے باپ کا شریک قاتل سمجھ کر)
یہاں ہرمزان کے بدلے عبید اللہ کو قتل نہ کرنے کی تین توجیہات سامنے آئیں:

پہلی توجیہ:

عبد الرحمٰن بن ابو بکر صدیق کے مشاہدے کے مطابق حضرت عمر کے قتل میں ہرمزان، ابولؤلو کا معاون، اس بنا پر وہ قتل کا مستحق تھا۔ جیسے کہ بخاری شریف میں حضرت عمرؓ کا فرمان درج ہے کہ اگر صنعاء کے تمام باشندے کسی آدمی کے قتل میں شریک ہوں تو میں سب کو قتل کردوں گا۔[1]

دوسری توجیہ:

یہ کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی حضرت اسامہ بن زید کو ایک ایسے آدمی کے قتل کرنے کی پاداش میں قتل نہ کیا تھا، جس نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کرنے کے بعد اپنے بچاؤ کے لیے درخت کی پناہ لی اور لا الٰہ الا اللہ پڑھنا شروع کردیا تھا۔ البتہ آپ ﷺ نے اسامہ بن زید کو بلا کر یہ بات ضرور کہی کہ تو نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا ہے؟

اسامہ نے جواب دیا: اس نے تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔

آپ نے فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟ چنانچہ آپ ﷺ مسلسل یہ کہتے رہے کہ تو نے لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کے بعد قتل کردیا؟۔

اسامہ کہتے ہیں کہ میں آرزو کرنے لگا، کاش کہ میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔[2]

الغرض حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت اسامہ پر اس لیے حد قائم نہ کی کہ وہ متاول تھے۔ اسی بنا پر حضرت عثمان نے بھی عبید اللہ پر حد قائم نہ کی کیونکہ وہ متاول تھے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الدیات:٦٨٩٦.

[2] صحیح بخاری کتاب المغازی:٤٢٦٩، مسلم کتاب الایمان/١٥٩.

تیسری توجیہ:

یہ کہ ہرمزان کا سر پرست کوئی نہ تھا اور جس مقتول کا کوئی سر پرست نہ بنے اس کا سر پرست حکومت کا سربراہ ہوتا ہے، لہٰذا وہ قصاص سے دستبردار ہو گئے اور دیت ادا کردی اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام قاذبان تھا اور وہ دعویٰ قصاص سے دستبردار ہو گیا تھا۔[1]

لیکن اس کی سند صحیح نہیں البتہ یہ بات تاریخ میں مشہور بہت ہے، اس لیے ہم نے اس کے جواب میں تاریخی کتب کا مشہور واقعہ ذکر کردیا ہے۔

بارھواں اعتراض

''کہ انھوں نے جمعہ کے دن دوسری اذان کا اضافہ کیا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي »[2]

''کہ تم پر میری سنت لازم ہے اور میرے بعد (میرے) خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔''

اور یہ اضافہ، خلفاء راشدین کی سنت سے تعلق رکھتا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں، اور انہوں نے مصلحت سمجھی کہ لوگوں کو نماز جمعہ کے وقت کی نزدیکی سے آگاہ کرنے کے لیے اذان کہی جائے، کیونکہ مدینہ منورہ کی آبادی بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ پر اجتہاد کیا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے موافقت کی اور یہ عمل تسلسل کے ساتھ جاری رہا اور اس میں کسی نے بھی مخالفت

---

[1] طبری ۳/۳۰۵، اس قصے کا انحصار کذاب راوی سیف بن عمر پر ہے۔

[2] سنن ابو داؤد، کتاب السنة ٤٦٠٧، سنن ترمذی کتاب العلم: ٢٦٧٦.

نہیں کی، حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہؓ کے دور سے لے کر بنوامیہ اور بنوعباس کے دور تک یہی دستور جاری رہا اور ہمارے آج کے دور تک کسی مسلمان نے اس کی مخالفت نہیں، لہٰذا یہ مسلمانوں کے اجماع سے سنت قرار پائی۔ اور یہ ایسی سنتوں میں سے ہے جن کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ »

علاوہ ازیں اس اذان کا اصل شرع میں موجود ہے اور وہ ہے سحری کی اذان۔ چنانچہ حضرت عثمان نے اس اذان پر جمعہ کی اذان کو قیاس کرلیا۔

تیرھواں اعتراض

انہوں نے حکم بن العاص کو واپس بلا لیا حالانکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے اسے جلاوطن کردیا تھا۔ اس بہتان کے تین جوابات ذکر کیے جاتے ہیں۔

پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی صحیح سند ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حکم، فتح مکہ کے دن مسلمان ہونے والوں میں سے ہے اور اس کا تعلق طلقاء سے ہے اور طلقاء مکہ کے رہنے والے تھے، وہ مدینہ میں بستے ہی نہ تھے، اس کو آپ ﷺ کس طرح جلاوطن کر سکتے تھے، جبکہ وہ اصلاً مدینہ منورہ کے رہنے والوں میں سے نہ تھا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہماری شریعت میں جلاوطنی کی مدت زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے اور ساری زندگی جلاوطن کرنے کا ثبوت اللہ کی شریعت میں نہیں ہے اور وہ کون سا جرم ہے جس کی سزا یہ ہو کہ انسان کو ساری زندگی جلاوطن کردیا جائے؟

جلاوطنی، حکمران کی طرف سے تعزیری سزا ہوتی ہے، اگر ہم فرض کرلیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے واقعی اسے جلاوطن کیا تھا اور وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بھی

اور پھر خلافت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق میں بھی جلا وطن رہا ہو، پھر حضرت عثمان نے واپس بلا لیا ہو تو کتنے سالوں بعد؟ تقریباً پندرہ سال بعد اور اس میں کیا حرج ہے ؟اور یہ بھی اس وقت ہے جب یہ بات ثابت ہو جائے حالانکہ یہ تو ثابت ہی نہیں۔

علاوہ ازیں حضرت نبی مکرم ﷺ نے عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح کے متعلق حضرت عثمان کی سفارش کو قبول کر لیا تھا، حالانکہ وہ مرتد ہو گیا تھا، تو حکم نے اس سے بڑا جرم تو نہ کیا تھا کہ حضرت رسول کریم ﷺ ،عبد اللہ بن سعد کو تو معاف کر دیں اور اسے معاف نہ کریں۔

یہ تھے حضرت عثمانؓ پر اعتراضات !جن میں کچھ تو سفید جھوٹ تھے۔

اور کچھ تھے تو محاسن لیکن انہیں عیب بنا دیا گیا۔

اور کچھ اجتہادی امور تھے جن میں آپ سے غلطی ہوئی یا آپ درست رہے۔

اور کچھ غلطیاں واقعی ہوئیں لیکن وہ غلطیاں ان کی نیکیوں کے سمندر میں غرق ہو گئیں۔ رضی اللہ تبارك و تعالیٰ عنه.

شہادت عثمانؓ

حضرت عثمانؓ کے خلاف اس طرح کے فتنہ انگیز پروپیگنڈے کے بعد ۳۵ھ میں کوفہ اور بصرہ کے بدو اور مصر کے بدفطرت اوباش، بظاہر حج کرنے اور دراصل حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کے لیے (مدینہ منورہ کی طرف) چل پڑے۔

ان کی تعداد کے متعلق مختلف اندازے لگائے گئے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو ہزار مصر سے، دو ہزار کوفے سے اور دو ہزار بصرہ کے باشندے تھے۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کی تعداد مجموعی طور پر دو ہزار تھی۔ علاوہ ازیں دیگر اقوال بھی موجود ہیں۔ کیونکہ باقاعدہ اعداد و شمار تو تھے نہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ دو ہزار سے کم اور چھ

ہزار سے زیادہ نہ ہوں گے۔

چنانچہ وہ مدینہ میں سے داخل ہو گئے اور حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور ان سے منصب خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ کر دیا۔ یہ لوگ اپنے اپنے قبائل کے جنگجو بدمعاش تھے اور دھمکی و زور بازو سے حضرت عثمان کو معزول کرنے آئے تھے۔ انہوں نے ذوالقعدہ کے آخری دنوں میں آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور ۱۸ اٹھارہ ذی الحجہ تک آپ کو محاصرے میں رکھا، اور یہی دن آپ کی شہادت کا دن تھا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محاصرہ چالیس (۴۰) دن جاری رہا۔ اس سلسلے میں دیگر اقوال بھی ہیں لیکن یہ محاصرہ بہر حال اکتالیس (۴۱) دن سے زیادہ نہ تھا۔

جب حضرت عثمانؓ کو ان کے گھر میں محصور کر کے (مسجد نبوی میں) نماز سے بھی روک دیا گیا، بلکہ پانی بھی بند کر دیا گیا تو ان کے دفاع کی خاطر چند صحابہ کرام ان کے پاس چلے گئے اور جو لوگ آپ کے گھر میں آپ کی حفاظت کی خاطر بیٹھے رہے ان میں مشہور ترین صحابہ یہ تھے۔

سیدنا حسنؓ بن علیؓ، سیدنا حسینؓ بن علیؓ، عبد اللہؓ بن زبیرؓ، ابو ہریرہؓ، محمد بن طلحہ بن عبید اللہ (السجاد)، عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم)۔

انہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے کے ارادے سے آنے والے باغیوں کے سامنے تلواریں سونت لیں، لیکن حضرت عثمان نے ان کو لڑائی کرنے سے روک دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ دفاع کے لیے آنے والے صحابہ کرام کے بیٹوں کی تعداد سات سو سے متجاوز تھی لیکن ان سات سو افراد کی تعداد ان باغیوں کی تعداد کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی جو کم از کم دو ہزار تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان کے ساتھ ان کے گھر میں موجود تھا، آپؓ نے

فرمایا جو کوئی مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اس پر (امیر المومنین کی) اطاعت فرض ہے تو میں اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنے ہاتھ اور تلوار کو روک لے۔[1]

حضرت امام ابن سیرینؒ بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت زید بن ثابتؓ امیر المومنین عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ''انصار آپ کے دروازے پر کھڑے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم دوبارہ انصار اللہ بن جائیں؟ اور جس طرح ہم حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اسی طرح ہم آپ کا ساتھ بھی دیں؟ آپ نے فرمایا: میں (اس شہر میں) لڑائی کی اجازت نہیں دیتا۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عثمان کے پاس گئے، تو انہوں نے آپ سے کہا: اے ابن عمر! دیکھیے یہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو دستبردار ہو جا اور اپنی جان نہ گنوا!۔

ابن عمرؓ نے جواب دیا: اگر جب آپ اس منصب سے دستبردار ہو جائیں گے تو کیا دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے؟

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: ''نہیں''

ابن عمرؓ نے فرمایا: ''اگر آپ دستبردار نہ ہوئے تو یہ لوگ آپ کو شہید کرنے سے بڑھ کر اور کیا کر سکتے ہیں؟

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: کچھ نہیں۔

ابن عمرؓ نے فرمایا: کیا وہ جنت اور دوزخ کے مالک بن جائیں گے؟۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: ''نہیں۔''

تو آپ نے فرمایا: ''میں آپ کو یہ رائے نہ دوں گا کہ آپ اس قمیص کو اتاریں جو

[1] مصنف ابن ابی شیبہ بسند صحیح ۱۵/ ۲۴ حدیث نمبر ۱۹۵۰۸.

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ ۲۰۵، حدیث نمبر ۱۹۸۵۰۹.

اللہ نے آپ کو پہنائی ہے، ورنہ یہ دستور بن جائے گا کہ جب بھی کوئی قوم اپنے خلیفہ یا امام کو برا سمجھنے لگے گی تو اسے دستبردار کر دے گی۔ [1]

(علاوہ ازیں) حضرت عثمان نے اپنے غلاموں سے کہہ دیا کہ جو کوئی اپنے ہتھیار پھینک دے، وہ اللہ کے لیے آزاد ہے۔ چنانچہ آپ نے خود ہی لوگوں کو لڑائی سے روک دیا۔

حضرت عثمان کو کن لوگوں نے شہید کیا؟

حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے بعد وہ لوگ دیواریں پھاند کر آپ کے گھر میں داخل ہو گئے اور انہوں نے آپ کو اس حال میں قتل کیا کہ آپ مصحف شریف سامنے رکھ کر تلاوت میں مصروف تھے۔

خلیفہ بن خیاط کی تاریخ میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا گیا:

کیا حضرت عثمان کو شہید کرنے والوں میں انصار و مہاجرین کا کوئی فرد بھی شامل تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ مصر کے اجڈ قسم کے اوباش تھے۔ [2] (حضرت حسن بصریؒ نے یہ دور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کیونکہ آپ کبار تابعین میں سے تھے)

اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کارروائی میں کن لوگوں نے براہِ راست حصہ لیا، کیونکہ جو لوگ ان کے گھر داخل ہوئے تھے وہ جتھے کی صورت میں تھے۔ لیکن اس فتنہ کے مشہور سرغنے یہ تھے، (۱) کنانہ بن بشر، (۲) رومان یمانی، (۳) جبلہ، (۴) سودان بن حمران، (۵) بنو سدوس کا ایک آدمی جس کا لقب موت الاسود تھا، اور (۶) مالک بن اشتر نخعی۔

[1] احمد فضائل الصحابه بسند صحيح ١/ ٤٧٣ نمبر ٧٦٧.

[2] تاريخ خليفه ص: ١٧٦.

حضرت عمرہ بنت ارطاۃ فرماتی ہیں کہ:

جس سال حضرت عثمان کو شہید کیا گیا تھا اس سال میں، حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ مکہ گئی تھی، چنانچہ ہم مدینہ پہنچیں تو ہم نے وہ مصحف شریف بھی دیکھا جو آپؓ کی شہادت کے وقت آپ کی گود میں تھا۔ چنانچہ آپ کے خون کے قطروں میں پہلا قطرہ اس آیت کی ابتداء میں گرا ہوا تھا۔

﴿ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ [البقرہ ۱۳۷]

"حضرت عمرہ فرماتی ہیں کہ: ان میں سے کوئی آدمی بھی اپنی موت آپ نہ مرا (بلکہ سب قتل ہوئے)"[1]

حضرت محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں:

میں کعبہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ ایک آدمی یوں دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ! مجھے بخش دے! لیکن میرے خیال میں تو مجھے بخشے گا نہیں!

فرماتے ہیں کہ میں تعجب کرنے لگا۔ چنانچہ میں نے کہا:

"اے بندہ خدا! میں نے کسی کو تیری طرح دعا مانگتے نہیں دیکھا۔

اس نے کہا کہ میں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر مجھے موقع ملا تو میں عثمان کو تھپڑ ماروں گا چنانچہ جب وہ قتل کیے گئے اور چارپائی پر لٹائے گئے اور لوگ ان کے گھر میں ان پر نماز جنازہ پڑھ کر جا رہے تھے، میں بھی نماز کے بہانے داخل ہو گیا۔ جب میں نے اطمینان کر لیا کہ اب گھر میں کوئی نہیں (دیکھ رہا) تو میں نے ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر اس پر تھپڑ مارا، بس اسی وقت میرا ہاتھ مفلوج ہو کر خشک ہو گیا۔ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ:

[1] احمد فضائل الصحابہ ۱/۵۰۱، حدیث نمبر: ۸۱۷۔ علاوہ ازیں دیکھیے ۷۶۵/۷۶۶۔

میں نے اس کے ہاتھ کو دیکھا تو وہ خشک ٹہنی کی طرح تھا۔[1]

حضرت عثمان کس طرح شہید ہوئے اور صحابہ نے ان کا دفاع کیوں نہ کیا؟

پہلی وجہ:

اور وہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے خود ہی انہیں روک دیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اپنی تلواریں میان میں کر لیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی قضا اور قدر کو تسلیم کرنے پر تیار ہو گئے۔

اور ان کے اس حکم کی دو وجوہات ہیں:

- پہلی وجہ: شجاعت عثمان رضی اللّٰہ تبارك و تعالیٰ عنه و ارضاہ.
- دوسری وجہ: امت محمدیہ پر شفقت۔

انہوں نے دیکھا کہ وہ بدوی اجڈ قسم کے اوباش لوگ ہیں اور فساد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اگر ان کے ساتھ صحابہ نے لڑائی شروع کر دی تو فساد بڑھ جائے گا اور بہت سے صحابہ کے قتل ہونے کی بجائے ایک آدمی کا قتل ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔

اور بسا اوقات فسادیوں کے ہاتھ حرمتیں پامال کرنے اور مال بھی لوٹنے لگتے ہیں، چنانچہ انہوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ وہ خود ہی قتل ہو جائیں اور کوئی صحابی قتل نہ ہو اور مدینۃ الرسول کی حرمت بھی پامال نہ ہو۔ [رضی اللہ عنہ]

دوسری وجہ:

یہ تھی کہ ان باغیوں کی بہ نسبت صحابہ کرام کی تعداد تھوڑی تھی کیونکہ اصحاب رسول ﷺ

[1] البداية والنهاية ۷/۲۰۰، رجاله ثقات غير عيسى بن المنهال و ذكره ابن حبان في الثقات و ذكره ابن ابی حاتم في الجرح والتعديل: ۲۸۸/۶ و سكت عنه و كذا ذكره البخاری فی التاريخ الكبير: ۳۹۹/۶ و سكت عنه ايضاً.

چار جگہوں پر تھے۔

مکہ: کیونکہ حج کا موسم تھا اور بہت سے صحابہ کرام حج کے لیے مکہ میں موجود ہونے کی وجہ سے مدینہ میں حاضر نہ تھے اور حضرت عثمان نے حضرت عبد اللہ بن عباس (ہاشمی قرشی) کو امیر حج بنایا تھا۔

بعض صحابہ کرام مکہ سے اقامت گزیں ہو چکے تھے اور، بعض صحابہ کرامؓ مختلف شہروں میں آباد ہو گئے تھے۔ کچھ کوفہ میں اور کچھ بصرہ اور مصر و شام وغیرہ شہروں میں رہائش پذیر تھے۔

جہاد: بہت سے صحابہ کرام سرحدوں پر جہاد میں مصروف تھے۔

مدینہ منورہ: لیکن ان کی تعداد، باغیوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔

تیسری وجہ:

صحابہ کرامؓ نے اپنی اولاد کو حضرت عثمان کا دفاع کرنے کے لیے بھیج دیا تھا، لیکن یہ بات ان کے وہم و گمان میں نہ تھی کہ صورتحال قتل تک جا پہنچے گی وہ سمجھتے تھے کہ یہ محض محاصرہ اور عناد ہے، یہ لوگ ڈرا دھمکا کر واپس چلے جائیں گے۔

باقی رہا ان کا سر چڑھنا اور حضرت عثمان کو قتل کرنا، یہ بات صحابہ کے وہم و گمان سے باہر تھی، وہ نہیں سمجھتے تھے کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔

لیکن ان سب اقوال میں سے صحیح قول یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے خود ہی بلوائیوں سے لڑنے سے روک دیا تھا۔

خلافت سیدنا علیؓ بن ابی طالب

۳۵ھ تا ۴۰ھ

آپ کا نام علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔ آپؓ نبی کریم ﷺ کے چچا زاد اور آپ کی لخت جگر سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہؓ کے شوہر ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام بھی فاطمہ ہے جو اسد بن ہاشم بن عبد مناف کی بیٹی تھیں۔ [1]

آپ کی کنیت ابوالحسن ہے، حضرت نبی کریم ﷺ نے آپ کی کنیت ابوتراب رکھی، آپ بچپن میں مسلمان ہوئے اور ایک مشہور قول کے مطابق اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔ [2]

حضرت محمد بن علی بن ابی طالب (ابن الحنفیة) سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ شہادت عثمان کے بعد ان کے گھر آئے، پھر وہ اپنے گھر میں داخل ہوگئے اور اپنا دروازہ بند کرلیا، لوگوں نے آپ کے دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کردیا اور کہنے لگے:

یہ شخص تو قتل ہو چکا اور لوگوں کے لیے خلیفہ کا وجود لازمی ہے اور ہم آپ سے بڑھ کر کسی اور کو اس منصب کا حق دار نہیں سمجھتے۔

---

[1] معرفة الصحابة ۱/ ۲۷۸ .

[2] معرفة الصحابة: ۱/ ۲۸۷۔ حضرت علیؓ کے مزید فضائل و مناقب باب ''رسول اللہ کے بعد خلیفہ کون؟'' میں ملاحظہ کیجیے۔ صفحہ نمبر: ۲٤۸ .

حضرت علیؓ نے انہیں جواب دیا کہ میرا خیال چھوڑ دو، تمہارے حق میں میرا وزیر بننا، امیر بننے سے بہتر ہے۔

انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! ہم آپ سے بڑھ کر کسی اور کو اس منصب کا حق دار نہیں سمجھتے، آپ نے فرمایا: "اگر تمہارا اصرار ہے تو میری بیعت یہاں خفیہ نہیں ہو سکتی، لیکن میں مسجد کی طرف نکلتا ہوں، پھر وہاں اگر تم میں سے کوئی شخص میری بیعت کرنا چاہے تو کر لے۔ چنانچہ آپ مسجد نبوی میں چلے گئے تو لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ [1]

مدینہ منورہ میں رہنے والے تمام مہاجرین اور انصار نے آپ کی بیعت کی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اس موقع پر بیعت نہ کی تھی مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، محمد بن مسلمہؓ، عبداللہؓ بن عمرؓ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سب نے بیعت کر لی تھی اور یہی قول مشہور ہے البتہ حضرت سعدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، محمد بن مسلمہؓ نے جنگ میں آپ کا ساتھ نہ دیا تھا، جبکہ بیعت تو انہوں نے (اس وقت ہی) کر لی تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ نے فضائل الصحابہ میں صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے، کہ حضرت عوف بن ابی جمیلہ فرماتے ہیں، کہ میں حضرت حسن بصری کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور آپ شہادت عثمان کے وقت مدینہ میں موجود تھے، چنانچہ لوگوں نے صحابہ رسولؐ کا تذکرہ شروع کر دیا تو ابن جوشن غطفانی حضرت حسن بصریؒ سے کہنے لگا:

اے ابوسعید!، حضرت ابوموسیٰؓ (اشعری) پر حضرت علیؓ کی اتباع کی وجہ سے عیب لگایا گیا ہے۔ [2]

یہ سن کر حضرت حسن بصریؒ اس قدر غضب ناک ہوئے کہ غصے کے آثار ان کے

---

[1] احمد فضائل صحابہ باسناد صحیح ۲/ ۵۷۲/ رقم ۹۶۹.

[2] احمد، ۲/ ۵۷٦، رقم: ۹۷٦.
اس شخص کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر اس وجہ سے طعن کیا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا جبکہ اس کے خیال میں انہیں حضرت علیؓ کا ساتھ نہیں دینا چاہئے تھا۔

چہرے سے نمایاں ہونے لگے اور فرمایا تو پھر اس وقت کس کی اتباع کی جاتی؟!

امیر المومنینؓ کو ظلماً شہید کیا گیا، تو لوگوں نے اپنے میں سے بہتر انسان کی طرف رجوع کیا اور اس کی بیعت کر لی۔ (اگر ان کی بیعت نہ کرتے) تو کس کی اتباع کی جاتی! حسن بصریؒ اس بات کو بار بار دھراتے رہے۔

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمان کے بعد، حضرت علیؓ، تمام صحابہ سے افضل ہیں۔[1]

امام ابو العباس احمد بن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ سے اس شخص کو بدعتی قرار دینا منصوص ہے جو حضرت علیؓ کی خلافت میں توقف کرے، آپ نے فرمایا (کہ ان کی خلافت میں توقف کرنے والا) اپنے گھریلو گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور انھوں نے ایسے شخص سے بائیکاٹ کا حکم دیا ہے۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ سمیت تمام ائمہ اہل السنۃ، حضرت علیؓ بن ابی طالب کو خلافت کا مستحق سمجھنے میں تردد نہیں کرتے اور نہ ہی وہ آپ کے خلیفۂ برحق ہونے میں شک کرتے ہیں۔[2]

چنانچہ اہل السنہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ کرام میں سے افضل صحابی حضرت ابو بکرؓ ہیں، پھر حضرت عمرؓ، اس کے بعد حضرت عثمانؓ اور علیؓ کے مابین فضیلت میں ان کا اختلاف ہے، لیکن اکثر کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علی المرتضیٰ سے افضل ہیں تاہم ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ چوتھے برحق خلیفہ ہیں۔

---

[1] (اور اس بات کی تصدیق حضرت علیؓ نے بذات خود کر دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: اَلَا اِنَّ خَیْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَبُوْ بَکْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ. [دیکھئے طبقات حنابلہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶]

[2] مجموع فتاوی: ۴/۴۳۸.



جنگ جمل [۳۶ھ]

جب حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت ہوگئی تو حضرت طلحہ اور زبیرؓ نے آپ سے مکہ معظمہ جانے کی اجازت طلب کی، آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ دونوں وہاں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے جبکہ انہیں بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سب حضرات مکہ میں جمع ہوئے اور حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کا عزم کیا۔ ادھر بصرہ سے یعلی بن منبہ اور کوفہ سے عبداللہ بن عامر بھی آ گئے اور انہوں نے بھی مکہ میں اکٹھے ہو کر حضرت عثمانؓ کے قصاص کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ معظمہ سے بصرہ کی طرف، قاتلین عثمان سے انتقام لینے کے لیے نکل پڑے انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ ان سےحضرت عثمانؓ کا دفاع کرنے میں تقصیر ہوئی۔

دوسری طرف حضرت علیؓ بن ابی طالب مدینہ میں تھے اور حضرت عثمان بن حنیف ان کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے۔ جب یہ لوگ بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت عثمان بن حنیف نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ: ''تم لوگ کیا چاہتے ہو؟''

انہوں نے کہا: '' ہم قاتلین عثمان (سے انتقام لینے) کا عزم لے کر آئے ہیں!

حضرت عثمان بن حنیف نے جواب بھیجا کہ جب تک حضرت علیؓ نہ آئیں (ہم اس کی اجازت نہ دیں گے) اور انہیں بصرہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔

اس کے بعد قاتلین عثمان کا سرغنہ جبلہ اپنے سات سو (۷۰۰) جنگجوؤں کو لے کر نکلا اوران پر حملہ آور ہوا۔ لیکن اس جھڑپ میں حضرت عثمان کے حامیوں کو فتح حاصل ہوئی اور انہوں نے اس کے بہت سے جنگجوؤں کو قتل کر دیا۔

اس کے نتیجہ میں بصرہ کے بہت سے لوگ حضرت طلحہ وزبیر اور سیدہ عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لشکر سے مل گئے۔

جب حضرت علی بن ابی طالبؓ نے سنا کہ بصرہ میں ان کے گورنر عثمان بن حنیف، اور حضرت طلحہ وزبیر وام المومنین عائشہ کے لشکروں میں لڑائی چھڑ چکی ہے تو سرعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے کوفہ پہنچے اور دس ہزار (۱۰۰۰۰) کی تعداد میں ایک لشکر جرار تیار کیا اور حضرت طلحہ وزبیر کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔[1]

بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرت علیؓ نے مقداد بن اسود اور قعقاع بن عمرو کو حضرت طلحہ اور زبیرؓ سے مذاکرات کرنے کے لیے بھیج دیا۔

چنانچہ حضرت مقدادؓ اور قعقاعؓ نے ایک طرف سے اور حضرت طلحہ اور زبیرؓ نے دوسری طرف سے جنگ نہ کرنے پر اتفاق کر لیا اور ہر فریق نے اپنا اپنا نقطۂ نظر بیان کیا۔

حضرت طلحہ وزبیرؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے جبکہ حضرت علیؓ کا نظریہ تھا کہ ابھی قصاص لینا مناسب نہیں بلکہ اس وقت لیا جائے جب حالات درست ہو جائیں (اور حکومت مستحکم ہو جائے)

چنانچہ قاتلین عثمان سے قصاص لینے پر تو اتفاق ہو گیا لیکن یہ بات طے کرنا باقی رہ گئی، کہ قصاص کب لیا جائے؟

---

[1] یہاں ہمیں صاف طور پر نظر آرہا ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی بن ابو طالبؓ نے ان کے خلاف فوج کشی کی تھی جبکہ حضرت طلحہ وزبیر کا ان سے لڑائی کرنے کا ارادہ نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے ان پر چڑھائی کی البتہ شیعہ صاحبان اور ان سے متاثرین یہی تاثر دیتے ہیں کہ حضرت طلحہ وزبیر نے چڑھائی کی تھی۔

اس اتفاق کے بعد فریقین کے لشکروں نے بہترین رات گذاری اور پرلطف نیند سوئے جبکہ سبائیوں کی نیندیں حرام ہوگئیں کیونکہ ان سے قصاص لینے پر اتفاق ہو گیا تھا چنانچہ اس معرکے کی تاریخ لکھنے والے مؤرخین امام طبری[1] ،ابن کثیر[2] ، ابن الاثیر[3] ،ابن حزم[4] ، وغیرہ نے اپنی تواریخ میں لکھا ہے، کہ

اس موقعہ پر سبائیوں نے یہ پروگرام بنایا کہ یہ معاہدۂ قصاص پورا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ سحری کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے تھے کہ سبائیوں کے ایک جتھے نے حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا اور کچھ افراد کو قتل کر کے بھاگ گئے۔

حضرت طلحہؓ کے لشکر نے سمجھا کہ حضرت حضرت علیؓ نے ان سے بدعہدی کی ہے، اس لیے انہوں نے بھی حضرت علیؓ کے لشکر پر تیر اندازی شروع کر دی۔

ادھر حضرت علیؓ کے لشکر نے یہ سمجھ کر کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے لشکر نے بدعہدی کی ہے، جواباً تیر اندازی شروع کر دی، چنانچہ دوپہر تک دونوں فریق ایک دوسرے پر تیر پھینکتے رہے۔ اس کے بعد گھمسان کا رن پڑ گیا، دونوں لشکروں کے بڑوں نے جنگ روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے، حضرت طلحہؓ بار بار کہتے۔ اے لوگو! میری بات سنو! لوگو! تم خاموش کیوں نہیں ہوتے؟

لیکن وہ کسی کی نہ سنتے تھے چنانچہ حضرت طلحہؓ نے افسوس سے فرمایا:

أُفِّ أُفِّ فَرَاشَ نَارٍ وَ ذِبَّانَ طَمَعٍ[5] (یعنی افسوس کہ لوگ جنگ میں یوں کود رہے ہیں جیسے شیرے میں لالچی مکھیاں اور آگ میں احمق پتنگے گرتے ہیں)

دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنے لشکر کے لوگوں کو روکتے رہے لیکن ان کی بھی نہیں سنی جا رہی تھی۔ آخر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے لڑائی روکنے کے

[1] تاریخ طبری:۳/۵۱۷۔ [2] البدایة والنهایة:۷/۲۵۰۔ [3] الکامل فی التاریخ ۳/۱۲۰۔
[4] الفصل فی الملل والاهواء والنحل ۴/۲۳۸۔ [5] تاریخ خلیفه بن خیاط ۱۸۲۔

لیے کعب بن مسور کو مصحف شریف دے کر بھیجا مگر سبائیوں نے اس پر بھی تیر پھینکنے شروع کر دیے حتیٰ کہ انہیں شہید کر ڈالا۔

دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ (عیاذًا باللہ) جب لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو کوئی آدمی اُسے روک نہیں سکتا۔ امام بخاریؒ نے کتاب الفتنہ میں اس سلسلے میں امراء القیس کے اشعار ذکر کیے ہیں کہ

اَلْحَرْبُ اَوَّلُ مَا تَكُوْنُ فُتَيَّةٌ
تَسْعٰى بِزِيْنَتِهَا لِكُلِّ جَهُوْلِ
حَتّٰى اِذَا اشْتَعَلَتْ وَ شَبَّ ضِرَامُهَا
وَلَّتْ عَجُوْزًا غَيْرَ ذَاتَ حَلِيْلِ
شَمْطَاءَ يُنْكَرُ لَوْنُهَا وَ تَغَيَّرَتْ
مَكْرُوْهَةً لِلشَّمِّ وَ التَّقْبِيْلِ [1]

”کہ لڑائی، ابتداء میں تو ایک نوعمر بچی کی طرح جوان ہوتی ہے اور انجام سے بے خبر لوگوں کے درمیان، پوری زیبائش کے ساتھ چلتی پھرتی ہے۔“

”جب وہ بھڑک اُٹھتی ہے اور اس کے شعلے اٹھنے لگتے ہیں تو ایک مکروہ بوڑھی بیوہ بن جاتی ہے۔“

”اس کے بال بکھرے ہوتے ہیں، رنگ بدلا ہوتا ہے، مکروہ اور بدشکل ہونے کی بنا پر سونگھنے اور بوسہ لینے کے قابل بھی نہیں رہتی۔“

معرکہ جمل حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کی ابتداء میں ۳۶ھ میں ظہر کے بعد شروع ہوا اور اسی دن سورج غروب ہونے سے پہلے ختم ہو گیا۔

حضرت علیؓ کے لشکر کی تعداد دس ہزار (۱۰۰۰۰) تھی اور اہل جمل کی تعداد پانچ اور چھ ہزار کے درمیان تھی، حضرت علیؓ کے لشکر کا جھنڈا محمد بن علی بن ابی طالب، (ابن الحنفیہ) کے ہاتھ تھا اور اہل جمل کا جھنڈا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس تھا۔ اس دن بہت سے مسلمان مارے گئے، اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ سے ہماری تلواروں کو سلامت رکھا، ہم اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کے لیے خوشنودی کا سوال کرتے ہیں۔

اس معرکے میں حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت محمد بن طلحہ (السجاد) شہید ہو گئے۔

حضرت زبیرؓ اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی حضرت طلحہؓ۔ کیونکہ جب حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت زبیر کو دیکھا تو فرمایا:

کیا آپ کو یاد ہے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے تمہیں کہا تھا کہ تم مجھ (علی) سے لڑو گے اور تمہارا یہ فعل میرے (علیؓ کے) حق میں ظلم ہو گا، چنانچہ حضرت زبیر واپس پلٹ گئے اور جنگ میں شریک نہ ہوئے۔

اتنی بات تو صحیح ہے کہ آپ نے جنگ نہ لڑی، لیکن کیا واقعی ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان مندرجہ بالا گفتگو ہوئی؟

اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن اس روایت کی سند مضبوط نہیں لیکن کتب تاریخ میں بہت مشہور ہے اور اس سے زیادہ مشہور بات یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ اس معرکہ میں شریک نہیں ہوئے اور آپؓ ابن جرموز نامی شخص کے ہاتھوں دھوکے سے شہید ہوئے۔

حضرت طلحہ (الفیاضؓ) لوگوں کو لڑائی سے روکتے پھرتے تھے کہ آپ کو اپنے پاؤں کے پرانے زخم پر کوئی اجنبی تیر آ لگا، تو آپ اس صدمے سے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس معرکہ میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کا اونٹ ان کے لشکر کا علامتی نشان تھا اور ناموس رسالت کے فدائی اس کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں پر کھیل رہتے تھے اور جب تک اونٹ نہ گرا اس وقت تک یہ معرکہ گرم رہا اور بہت سے لوگ

اس کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے، جب اونٹ گر پڑا تو معرکہ تھم گیا اور حضرت علیؓ فتح یاب ہوئے، مگر حقیقت میں کوئی بھی فتحیاب نہیں ہوا کیونکہ اس معرکہ میں اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہوا۔

جب یہ جنگ ختم ہوئی تو حضرت علیؓ مقتولین کے درمیان پھرنے لگے جب آپ نے حضرت طلحہ (الفیاض) بن عبید اللہؓ کو پایا تو انہیں (اپنی گود میں) بٹھا کر ان کے منہ سے مٹی صاف کرتے ہوئے فرمایا: اے ابو محمد! تیرا آسمان کے تاروں تلے مٹی میں لت پت ہونا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا اس کے بعد آپ رو دیئے اور فرمایا:

اور فرمایا: کاش کہ میں بیس سال قبل فوت ہو چکا ہوتا![1]

جن صحابہ کرام نے اس جنگ میں شمولیت کی وہ سب کے سب اس واقعے پر پریشان ہوئے، حضرت علیؓ کا بھی یہی حال تھا کہ جب انہوں نے محمد بن طلحہ کو مقتولین میں پایا تو رو دیئے۔ محمد بن طلحہ کو کثرت عبادت کی وجہ سے سجاد کا لقب دیا گیا تھا۔ رضی اللہ تبارك و تعالیٰ عنه.

ابن سعد نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے ابن جرموز (ملعون) حضرت زبیرؓ کی تلوار لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں یہ کہتا ہوا پیش ہونے لگا کہ: میں نے زبیر کو قتل کیا ہے، میں نے زبیر کو قتل کیا، جب حضرت علیؓ نے سنا تو فرمایا:

اس تلوار نے کتنے عرصے تک حضرت نبی کریم ﷺ کی مشکلات کو دور ہٹایا اس کے بعد فرمایا:

ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی آگ کی بشارت دو (حضرت زبیر، حضرت نبی کریم علیہ السلام کی پھوپھی کے بیٹے تھے) اور اسے اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔[2]

---

[1] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۱/۲۰۷، أسُد الغابة ۳/۸۸، رجاله ثقات، حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ جلد ۴/۳۰۲ پر تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یہ الفاظ ذکر کیے ہیں۔ [2] طبقات ابن سعد ۳/۱۰۵.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان سے قصاص کیوں نہ لیا؟

حضرت علیؓ مصلحت اور مفسدہ کو مدنظر رکھتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قصاص کو مؤخر کر دیا جائے۔ اس لیے انہوں نے قصاص کو صرف مؤخر کر دیا تھا، ترک نہیں کیا تھا۔

جس طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے افک کے موقعہ پر کیا تھا کہ چند لوگوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ پر بہتان لگایا اور حضرت حسان بن ثابت، حمنہ بنت جحش اور مسطح بن اثاثہ نے اس میں نمایاں حصہ لیا لیکن اس سلسلے میں عبداللہ بن ابی (ابن سلول) نے بڑا کردار ادا کیا۔ چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: "مجھے اس کس (یعنی عبداللہ بن اُبی سلول) سے کون نجات دلائے گا جس کی ایذا میرے گھر تک پہنچ گی؟"

چنانچہ حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے اللہ کے پیارے رسول میں آپ کو اس سے نجات دلاؤں گا، اگر وہ ہمارے اس قبیلے کا ہے تو ہم اسے قتل کر دیں گے اور اگر اس کا تعلق ہمارے ان بھائیوں سے ہے جو خزرج قبیلے سے ہیں تو آپ ہمیں اسے قتل کرنے کا حکم دیں، ہم بجا لائیں گے۔

اس پر حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری خزرجی کھڑے ہوئے اور ان کو سخت جواب دیا۔

اس کے بعد حضرت اسید کھڑے ہوئے تو انہوں نے سعد بن عبادہ کا رد کیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر حضرت نبی اکرم ﷺ انہیں خاموش کرانے لگے۔[1]

آپ کو معلوم تھا کہ معاملہ بڑا نازک ہے، کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کی تشریف

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث افک حدیث نمبر: ٤١٤١ ، مسلم کتاب التوبة: ٥٦.

آوری سے قبل، اوس اور خزرج اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کو اپنا حکمران بنالیں، چونکہ اس کا ان کے ہاں بڑا اثر ورسوخ تھا۔ اور یہی وہ شخص تھا جو جنگ احد کے دن لشکر کا تیسرا حصہ واپس لے آیا تھا۔

چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس موقعہ پر اس شخص کو کوڑے لگوانے سے گریز کیا۔ اس شخص کو کوڑے کیوں نہ لگائے؟ صرف مصلحت اور مفسدہ کو مدنظر رکھ کر کیونکہ آپ نے بھانپ لیا کہ اس کو کوڑے نہ لگانے کی بہ نسبت کوڑے لگوانا زیادہ خطرناک ہے۔

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے بھی بھانپ لیا کہ قصاص میں جلدی کی بجائے دیر کرنے میں فساد بہت کم ہوگا۔ بلکہ درحقیقت آپ ؓ قاتلین عثمان کو (فوری طور پر) قتل کرنے پر قادر ہی نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امن وامان کی حالت تسلی بخش نہ تھی اور فتنہ دبا نہیں تھا اور قاتلین عثمان کے قبائل اپنے اپنے مجرموں کا دفاع کرنے پر تلے بیٹھے تھے، اور پھر فوری قصاص لینے کی صورت میں کون ضمانت دیتا کہ وہ حضرت علی ؓ کو بھی قتل نہ کردیتے؟ جبکہ آخرکار انہوں نے ہی حضرت علی ؓ کو اس کے بعد قتل کردیا تھا۔

اسی بنا پر جب حضرت معاویہ ؓ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے بھی قاتلین عثمان سے قصاص نہ لیا۔

کیوں؟ اس لیے کہ وہ بھی اس حقیقت کو دیکھنے لگے تھے جو حضرت علی دیکھ چکے تھے، البتہ حضرت علی ؓ اس صورتحال کو حقیقتاً دیکھ رہے تھے، جبکہ حضرت معاویہ ؓ اسے نظری طور پر دیکھتے تھے۔ اور جب خود ان کے ہاتھ میں خلافت آئی تو انہیں بھی اصل صورتحال وہی نظر آئی جو حضرت علی ؓ کو نظر آئی تھی، یہ درست ہیکہ حضرت معاویہ نے اپنے دور امارت میں مختلف آدمی بھیج کر بعض قاتلین عثمان سے قصاص لے بھی لیا تھا۔ لیکن دوسرے بہت سے قاتلین حجاج بن یوسف کے دور یعنی عبدالملک بن مروان کی خلافت

تک زندہ رہے، حتی کہ اس دور میں آخری قاتل بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔[1]

مقصد یہ ہے کہ حضرت علیؓ کسی کمزوری کی بنا پر قصاص میں تاخیر نہ کر رہے تھے بلکہ امت پر شفقت کی بنا پر ایسا ہوا تھا۔

جب یہ معرکہ جمل ختم ہوا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کو سنبھالا اور انہیں حضرت رسول کریم ﷺ کے حکم کے مطابق عزت و احترام کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا کیونکہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت رسول کریم ﷺ نے خبر دی تھی کہ:

تیرے اور عائشہ کے درمیان اختلاف ہوگا۔

تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (اس صورت) میں سب سے زیادہ بدبخت ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہیں بلکہ جب یہ موقعہ آئے تو اسے اس کے محفوظ مقام پر بھیج دینا۔[2]

چنانچہ آپ نے وہی کیا جس کا آپ کو رسول کریم ﷺ نے حکم دیا تھا۔

---

[1] جب حجاج بن یوسف ثقفی نے گورنر عراق کی حیثیت سے کوفہ میں خطبہ دیا اور لوگوں کو محاذ جنگ پر پہنچنے کا حکم دیا تو اس وقت ایک بوڑھا کوفی پیش خدمت ہوا اور اپنی جگہ اپنے بیٹے کو محاذ جنگ پر بھیج کر خود گھر میں رہنے کی درخواست کرنے لگا۔ چنانچہ حجاج نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ جب وہ واپس پلٹا تو کسی نے حجاج سے کہا: اے امیر! آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ یہ عمیر بن صابی ہے جس نے امیر المومنین عثمانؓ کی لاش کو ٹھوکر مار کر اُن کی پسلیاں توڑ دی تھیں۔ یہ سُن کر حجاج نے اسے واپس بلایا اور اس سے پوچھا: أانت الذی کسر ضلعی امیر المومنین عثمانؓ؟ یہ خاموش ہو گیا تو اس نے جلاد سے کہا: اس منافق کی گردن اُڑا دے تو اس نے تلوار سے اس کی گردن اُڑا دی۔ [مترجم]

[2] مسند احمد ٦/٣٩٣، قال الحافظ فی الفتح و سندہ حسن ١٣/٦٠۔

جنگ صفین [۳۷ھ]

جنگ جمل سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

اب ضروری ہے کہ معاویہؓ میری بیعت کریں۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ کرنے کے لیے لشکر تیار کر لیا (اور اس جنگ سے بچنے کی ایک ہی صورت تھی) کہ حضرت معاویہؓ بیعت کریں لیکن وہ بیعت کا مطالبہ مسترد کر چکے تھے اس لیے حضرت علیؓ ایک لاکھ افراد پر مشتمل لشکر لے کر شام کے اندر صفین کے مقام پر پہنچ گئے۔

جب حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی چڑھائی کے متعلق سنا تو منبر پر تشریف لائے اور کہا: حضرت علی، عراق سے ایک لشکر لے کر تمہاری طرف نکلے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے؟

لوگوں نے اپنی ٹھوڑیاں اپنے سینوں پر رکھ لیں اور سر تسلیم خم کر دیے۔ چنانچہ حضرت ذوالکلاع حمیری کھڑے ہوئے اور کہا:

رائے آپ دیں اور عمل ہم کریں گے اور باقی تمام حاضرین خاموشی سے بیٹھے رہے!

یہ تھا شامی لشکر کا نظم و ضبط!

ادھر حضرت علی المرتضیٰؓ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد

فرمایا:

معاویہ شام سے ایک لشکر لے کر تمہاری طرف آ رہے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے؟

تو جوابا پوری مسجد شور شرابے سے بھر گئی اور کچھ کہنے لگے امیر المومنین، مشورہ یہ ہے ......اور کچھ کہتے ہیں امیر المومنین مشورہ وہ ہے...... حضرت علیؓ ان کے شور شرابے کی وجہ سے ان کی کوئی بات سمجھ نہ پا رہے تھے، جب شور شرابا زیادہ ہونے لگا تو آپ منبر سے اتر آئے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے لگے۔[1]

وہ تھا حال اہل شام کا! اور یہ تھی کیفیت اہل عراق کی! اسی لیے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عبد الملک بن مروان سے لڑائی کے دوران کہا تھا کاش کہ میرے پاس یہاں کے دس آدمیوں کی بجائے ایک شامی ہوتا۔ کیونکہ اہل شام ثابت الاقدام اور جنگ باز تھے جبکہ اہل عراق انارکسٹ اور شوریدہ سر تھے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اس کے بعد اُنہوں نے ہی خود حضرت علی المرتضیٰؓ سے جنگ کی اور انہوں نے ہی آپؓ کو شہید کردیا۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ۔

حضرت علیؓ ماہ صفر ۳۷ھ کو صفین میں پہنچے۔

تاریخ اسلام میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت ابو مسلم خولانیؒ سے مروی ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا:

آپ حضرت علیؓ سے خلافت کے بارے تنازع کیوں کرتے ہیں؟ کیا آپ حضرت علیؓ جیسے ہیں؟

حضرت معاویہؓ نے فرمایا: نہیں اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ حضرت علیؓ مجھ سے افضل ہیں اور خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ لیکن تم نہیں جانتے کہ حضرت عثمانؓ کو ظلماً قتل کردیا گیا؟ اور میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں اور ان کے قصاص کا مطالبہ کر رہا

[1] تاریخ الاسلام عہد الخلفاء الراشدین ص ۵۴۰

ہوں......تم حضرت علیؓ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ وہ قاتلین عثمان کو میرے حوالے کردیں اور میں یہاں کا انتظام ان کے سپرد کردوں گا۔

چنانچہ وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس گئے اور ان سے بات چیت کی لیکن انہوں نے قاتلین عثمان کو ان کے سپرد کرنے سے انکار کردیا۔[1]

حضرت معاویہؓ اپنے آپ کو خلیفہ نہیں کہتے تھے اور نہ کبھی آپ نے حضرت علیؓ سے خلافت کے معاملے میں جھگڑا کیا اور جب ان میں جنگ صفین ہوئی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور پھر تحکیم پر اتفاق ہوگیا تو حضرت علیؓ نے اس موقع پر یہ عبارت لکھی۔

«هَذَا مَا عَاهَدَ عَلَيْهِ عَلِيٌّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنِ ، مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِيْ سُفْيَان»

''یہ تحریر ہے جس کے مطابق امیر المومنین علیؓ نے معاویہ بن ابوسفیانؓ سے معاہدہ کیا ہے۔''

تو اس پر حضرت معاویہ نے کہا: امیر المومنین کا لفظ نہ لکھو، اگر میں آپ کو امیر المومنین تسلیم کرلیتا تو آپ کی بیعت کرلیتا اور آپ سے جنگ نہ کرتا۔ البتہ آپ فقط اپنا اور میرا نام لکھیے۔

پھر حضرت معاویہؓ نے کاتب کی طرف رخ کیا اور کہا: ان (حضرت علیؓ) کا نام میرے نام سے پہلے لکھو کیونکہ ان کو فضیلت حاصل ہے اور آپ سابق الاسلام ہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے درمیان اس طرح کبھی جنگ نہیں ہوئی کہ ایک خلیفۃ المسلمین، دوسرے خلیفۃ المسلمین سے لڑ رہا ہے۔ بلکہ لڑائی کا سبب یہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت معاویہؓ کو معزول کرنا چاہتے تھے اور حضرت معاویہ اپنی

[1] تاریخ الاسلام عهد الخلفاء الراشدين ص: ٥٤٠.

معزولی کو اس وقت تک قبول کرنے پر تیار نہ تھے جب تک ان کے چچازاد بھائی کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لیا جائے، یا وہ آپ کے سپرد نہ کردیئے جائیں۔

ورنہ خلافت کے موضوع پر ایسا کوئی تنازعہ نہ تھا جس کا چرچا کیا جارہا ہے۔

حضرت علیؓ کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ اور حضرت معاویہؓ کے لشکر کی تعداد ستر ہزار افراد پر مشتمل تھی اور تین دن اور رات لڑائی ہوتی رہی، جو بہت سے لوگوں کے مارے جانے کے بعد ختم ہوئی (جس طرح کہ آگے آرہا ہے) اس جنگ میں حضرت عمار بن یاسرؓ بھی شہید ہو گئے جو حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے اور جن سے حضرت رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ: «ویحك یا عمار! تقتله الفئة الباغیة» ''اے عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔''[1]

امام احمد بن حنبلؒ سے اس حدیث « تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ » کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''میں اس کے متعلق گفتگو نہیں کروں گا، اسے چھوڑ دینا ہی سلامتی کا ذریعہ ہے، اور آپ نے فرمایا حضرت رسول کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق انہیں باغی گروہ نے قتل کیا اور خاموش ہو گئے۔[2]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

جمہور علمائے اہل السنۃ ان لوگوں کے برحق ہونے کے قائل ہیں، جنہوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ جو لوگ حضرت علی کے خلاف لڑے وہ باغی تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس موقف پر بھی متفق ہیں کہ ان میں سے کسی کی مذمت نہ کی جائے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا لیکن غلطی کھا بیٹھے۔[3]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: اہل السنۃ اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب التعاون فی بناء المسجد رقم:٤٤٧، مسلم۔ کتاب الفتنہ: ٧٠. [2] السنۃ للخلال ص:٤٦٣۔٧٢٢. [3] فتح الباری ١٣/٧٢.

باہمی تنازعات کی بنا پر کسی صحابی پر زبان درازی یا نکتہ چینی کرنا منع ہے خواہ یہ پتہ بھی چل جائے کہ ان میں فلاں گروہ حق پر ہے، کیونکہ وہ اجتہاد کی بنا پر لڑے تھے۔[1]❀

امام طبریؒ حضرت علی المرتضیٰ کے طرفداروں کے مذہب کو مضبوط قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اگر مسلمانوں کے درمیان ہر طرح کے اختلاف کے وقت گھروں میں دبک جانا واجب ہوتا ،تو نہ کوئی حد قائم کی جاتی ،اور نہ کسی باطل کو روکا جا سکتا تھا اور فاسقوں کو محرمات کے ارتکاب کے لیے کھلا راستہ مل جاتا۔''[2]

میں کہتا ہوں کہ یہ بات اس وقت صحیح ہے جب معاملہ واضح اور آشکارا ہو۔لیکن جب صورتحال مشتبہ ہو تو اس وقت فتنوں سے دور رہنا ہی واجب ہے اور اسی وجہ سے بہت سے لوگ اس معرکہ میں شرکت سے باز رہے۔

لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم اسی موقف پر ایمان رکھیں کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ، اسی طرح حضرت علیؓ اور ان حضرات کے طرفدار محض اجتہاد کی بنا پر لڑے کیونکہ صورتحال بڑی پرفتن تھی اور خاص طور پر معرکہ جمل کے لیے کوئی تیار نہ تھا اور نہ ہی وہ لڑنا چاہتے تھے۔

---

[1] فتح الباری ۳۷/۱۳۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں اسی باغی گروہ نے قتل کیا ہو جس نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا اور حضرت طلحہ وزبیرؓ کی حضرت علیؓ سے صلح کو سبوتاژ کرنے کے لیے رات کی تاریکی میں تیر برسائے تھے۔

❀ سیدنا علی المرتضیٰؓ سے بھی یہی بات مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اے کوفہ والو! میری گردن میں ایک چیز ہے، میں چاہتا ہوں کہ اسے اپنی گردن سے نکال کر تمہاری گردن میں رکھ دوں۔ جان لو کہ ایک مرتبہ میں حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور آپ کے پاس معاویہؓ بھی تھے۔ اسی دوران وحی الٰہی کا نزول ہونے لگا چنانچہ آپ نے میرے ہاتھ سے قلم لے کر معاویہؓ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اللہ کی قسم میں نے اس سے اپنے دل میں ذرہ برابر ملال نہ کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ خبردار! آگاہ رہنا کہ مسلمان وہی ہے جو میرے اور ان کے تنازعے میں اپنے آپ کو سلامت رکھے۔[طبقات حنابلہ جلد دوم: ص ۱۹۵]

[2] فتح الباری ۳۷/۱۳۔

امام ابن حزم اور امام ابن تیمیہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر جمہور علمائے امت سے نقل کیا ہے کہ اس پر بحث ہی نہ کی جائے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: ''اگر کوئی کہنے والا کہے کہ حضرت علیؓ نے ان سے لڑائی میں پہل کی تو اسے جواب دیا جائے گا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت اور ان کی اطاعت سے انکار کرنے میں پہلوتہی کی اور آپ کو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک اور ظالم ٹھہرایا اور ان کے متعلق جھوٹی شہادت قبول کی۔ کیونکہ اہل شام میں یہ بات مشہور کر دی گئی کہ حضرت علی قتل عثمانؓ پر راضی تھے۔''

اور اہل شام کے ہاں یہ جھوٹی شہادت مندرجہ ذیل چار وجوہات کی بنا پر سند قبولیت حاصل کر گئی تھی۔

① امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کے قاتلین سے انتقام نہ لینا۔
② جنگ جمل
③ مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنانا، جبکہ کوفہ، قاتلان سیدنا عثمانؓ کی چھاؤنی تھی۔
④ حضرت علی المرتضیٰؓ کے لشکر میں ان لوگوں کا موجود ہونا، جو قتل سیدنا عثمانؓ میں ملوث تھے۔

مذکورہ بالا چاروں وجوہات کی بنا پر شام کے (ان پڑھ) عوام کو شک ہو گیا کہ سیدنا عثمانؓ کے قتل میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا ہاتھ ہے، حالانکہ حضرت علیؓ کا ان کے قتل میں کوئی ہاتھ نہ تھا، بلکہ آپ قاتلین عثمان پر لعنت کرتے تھے۔

اگر کہا جائے کہ صرف اتنی بات پر (شامیوں کے خلاف) لشکر کشی جائز نہ تھی (بلکہ ان کی غلط فہمی دور کرنی چاہیے تھی) تو جواب دیا جائے گا کہ:

اہل شام کے لیے بھی جائز نہ تھا کہ وہ حضرت علیؓ سے اس بنا پر لڑتے کہ وہ سیدنا عثمان کے قاتلوں کو پکڑنے میں بے بس ہیں، بلکہ اگر حضرت علی المرتضیٰؓ قاتلان عثمانؓ

سے قصاص لینے کی طاقت رکھتے بھی ہوتے اور انہیں تاویل کی بنا پر یا خطأً چھوڑ بھی دیتے تو ان کی اس کوتاہی پر جماعت میں تفریق ڈالنے اور ان کی بیعت سے انکار کرنے کی گنجائش نہ تھی بلکہ آپ کی بیعت ، ہر حال میں دین الٰہی کے لیے درست ترین اور مسلمانوں کے لیے نفع مند تھی۔

ان معرکوں میں کون کون سے صحابہ رسول شریک ہوئے؟

جنگ جمل یا جنگ صفین میں شریک ہونے والے صحابہ کرام یہ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ ، حضرت عائشہؓ ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ، حضرت معاویہؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت قیسؓ بن سعد ، حضرت قعقاع بن عمروؓ، حضرت جریر بن عبداللہؓ، حضرت خزیمہؓ بن ثابت ، حضرت ابوقتادہؓ ، حضرت ابوالھیثم بن التیہان ، حضرت سعد بن سھلؓ ، حضرت جابر بن عبداللہؓ ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ ، حضرت عدی بن حاتمؓ ، حضرت اشعث بن قیسؓ ، حضرت جاریہ بن قدامہؓ، حضرت فضالہ بن عبیدؓ، حضرت نعمانؓ بن بشیر۔ رضی اللہ عنہم۔

اور جن صحابہ نے ان جنگوں میں حصہ نہ لیا وہ یہ تھے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص (فاتح ایران) ، حضرت سعید بن زیدؓ ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ، حضرت محمد بن مسلمہؓ ، حضرت اسامہ بن زیدؓ ، حضرت ابو ہریرہؓ ، حضرت احنف بن قیسؓ ، حضرت زیدؓ بن ثابت ، حضرت عمرانؓ بن حصین ، حضرت انسؓ بن مالک ، حضرت ابو بکرہ ثقفیؓ ، حضرت ابو ایوبؓ انصاری ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ، حضرت ابو مسعود انصاریؓ ، حضرت ولید بن عقبہؓ ، حضرت سعیدؓ بن العاص (اموی) حضرت عبد اللہؓ بن عامر (اموی) ، حضرت عبداللہؓ بن عمرو ، حضرت ابو برزہؓ اسلمی ، حضرت اھبانؓ بن صیفی ، حضرت سلمۃؓ بن اکوع۔



تحکیم (ثالثی) کا واقعہ

معرکہ صفین تحکیم (ثالثی) پر ختم ہو گیا۔ چونکہ نیزوں پر مصاحف (قرآن کے نسخے) بلند کر دیئے گئے تھے اور فریقین جنگ سے رک گئے اور یہ بات طے کر کے کہ رمضان المبارک میں تحکیم (ثالثی کونسل کا اجلاس) ہوگا، حضرت علی رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ کوفہ اور حضرت معاویہ شام چلے گئے اور حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اور حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو اپنے اپنے ثالثی نمائندے کے طور پر مقرر کر دیا۔

اور تحکیم (ثالثی کونسل) کا قصہ اس طرح مشہور ہے کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی معزولی پر اتفاق کر لیا۔

چنانچہ پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعری منبر پر چڑھے اور کہا میں حضرت علیؓ کو معزول کرتا ہوں، (اور انہیں خلافت سے یوں جدا کرتا ہوں) جس طرح اپنی اس انگوٹھی کو انگلی سے جدا کرتا ہوں، پھر انہوں نے اپنی انگوٹھی (انگلی سے) نکال دی۔

پھر عمروؓ بن العاص کھڑے ہوئے اور کہا: میں بھی حضرت علیؓ کو یوں ہی خلافت سے معزول کرتا ہوں جس طرح ابوموسیٰؓ نے کیا اور میں بھی حضرت ابوموسیٰؓ کی طرح حضرت علیؓ کو اس طرح خلافت سے جدا کرتا ہوں جس طرح اپنی اس انگوٹھی کو جدا کر رہا

ہوں اور حضرت معاویہؓ کو اس طرح برقرار رکھتا ہوں جس طرح اپنی اس انگوٹھی کو!

چنانچہ شور اٹھا اور حضرت ابو موسیٰؓ غصے ہو کر حضرت علیؓ کے پاس کوفہ جانے کی بجائے مکہ چلے گئے اور عمرو بنؓ العاص شام کی طرف لوٹ گئے۔[1]

الغرض یہ من گھڑت داستان ہے اور اسے ابو مخنف جیسے کذاب راوی نے گھڑا ہے اور ہم ایک سے زائد مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ شخص کذاب اور داستان گو ہے جبکہ صحیح واقعہ وہی ہے جو اہل حق نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ تحکیم (ثالثی) کے موقعہ پر حضرت عمرو بنؓ العاص، حضرت ابو موسیٰؓ سے ملے اور کہا:

اس قضیے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت ابو موسیٰؓ نے جواب دیا:

میرا خیال یہ ہے کہ: وہ (علیؓ بن ابی طالب) اس گروہ سے ہیں جس پر حضرت نبی کریم ﷺ تادم واپسیں راضی رہے۔[2]

حضرت عمروؓ بن العاص نے فرمایا:

آپ مجھے اور معاویہؓ کو کہاں چھوڑ رہے ہیں؟

حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا:

اگر تم دونوں سے تعاون طلب کیا جائے تو تم میں تعاون کی صلاحیت ہے اور اگر تم سے مستغنی ہوا جائے تو عرصہ تک اللہ کا دین تم سے مستغنی رہا ہے۔ پھر یہاں پر بات ختم ہو گئی اور حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت معاویہؓ کی طرف، لوٹ آئے۔ اور ان کو خبر دی

---

[1] تاریخ طبری ٤/٥١، کامل فی التاریخ ٣/١٦٨.

[2] "العواصم من القواصم بحوالہ دار قطنی (مصنف نے یہاں تاریخ کبیر امام بخاری ٥/ ٣٩٨) کا حوالہ دیا ہے جبکہ یہ روایت وہاں موجود نہیں البتہ العواصم من القواصم" میں سنن دار قطنی کے حوالے سے یہ روایت موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور محب الدین الخطیب نے اس کے حاشیے پر حضرت ابو موسیٰ اشعری کی مراد یہ بیان کی ہے کہ امر خلافت اس گروہ پر چھوڑ دیا جائے جس پر حضرت نبی کریمؐ تادم واپسیں راضی رہے۔ [ع۔ ج۔ س])

اور حضرت ابو موسیٰؓ حضرت علیؓ کی طرف لوٹ آئے۔ [1]

پہلی روایت بلاشبہ تین وجوہات کی بنا پر باطل ہے۔

① اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابو مخنف کذاب ہے۔

② خلیفۃ المسلمین کو ابو موسیٰ وغیرہ معزول نہیں کر سکتے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک اس سہولت کے ساتھ وہ معزول نہیں کیے جا سکتے اور محض دو آدمی امیر المومنین کی معزولی پر کس طرح اتفاق کر سکتے ہیں؟ اس لیے یہ بات صحیح نہیں ہے۔ جبکہ تحکیم (ثالثی کونسل) میں جو کچھ طے ہوا، وہ یہ تھا کہ ان دونوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کوفہ میں خلیفۃ المسلمین کے منصب جلیلہ پر فائز رہیں اور حضرت معاویہؓ شام میں گورنر کے منصب پر برقرار رہیں۔

③ صحیح روایت وہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

[1] تحکیم کی تفصیلات یحییٰ الیحییٰ کی کتاب مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری میں پڑھیے جو دار العاصمہ، الریاض، نے شائع کی ہے۔



جنگ نہروان [۳۷ھ]

حضرت علیؓ کوفہ کی طرف لوٹ آئے واپسی پر آپ ہی کے لشکر کے ایک باغی گروپ (خوارج) نے آپ کے خلاف خروج کر دیا اور « لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ » (فیصلے کا اختیار اللہ کے سوا کسی کو نہیں) کا نعرہ بلند کر کے تحکیم (ثالثی) کو مسترد کر دیا اور انہوں نے آپ کے خلاف اس قدر طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیا کہ وہ مسجد میں کھڑے ہو کر چیختے کہ «لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ ، لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰه »حضرت علی (یہ سن کر) فرماتے « كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ» ''کہ برحق کلمے سے باطل مراد لیا جا رہا ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن خبابؓ کو قتل کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کو قتل کر کے اس کا پیٹ چاک کر دیا حالانکہ وہ بیچاری اس ماہ زچگی کی حالت میں تھی۔ جب حضرت علیؓ کو (اس ظلم کی) خبر پہنچی تو انہوں ان کی طرف پیغام بھیج کر پوچھا کہ:

انہیں کس نے قتل کیا ہے؟

خوارج نے جواب دیا کہ: ہم سب نے اسے قتل کیا ہے۔

چنانچہ حضرت علیؓ ان کی طرف دس ہزار کا لشکر لے کر نکلے اور نہروان میں ان کے خلاف جنگ لڑی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن عیسی الطباع نے بیان کیا

اور وہ کہتے ہیں کہ مجھے یحییٰ بن سلیم نے عبد اللہ بن عثمان بن خثیم سے اور اس نے عبید اللہ بن عیاض بن عمرو القاری سے بیان کیا کہ ہم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ عبد اللہ بن شداد، اپنی عراق سے واپسی پر ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی عرصہ میں حضرت علیؓ نے عراق میں خارجیوں سے جنگ لڑی تھی اور یہ وہیں سے واپس آرہے تھے تو آپ نے اس سے کہا:

اے عبد اللہ بن شدادؓ، میں تجھ سے جو کچھ پوچھوں، اس کے متعلق سچ سچ بتاؤ گے؟ مجھے اس قوم کے متعلق بتاؤ جس کو حضرت علیؓ نے قتل کیا؟

اس نے جواب دیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ کو سچ سچ نہ بتاؤں۔

آپ نے فرمایا: تو مجھے ان کا قصہ سناؤ۔

اس نے کہا کہ: جب حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے معاہدہ کیا اور دو آدمیوں کو ثالث مقرر کیا تو آٹھ ہزار قراء نے آپ کے خلاف خروج کیا۔ چنانچہ وہ لوگ کوفہ کے ایک طرف حروراء کے مقام پر جمع ہو گئے اور آپؓ پر طعنہ زنی کرنے لگے کہ:

تو نے اس قمیص کو اتار دیا جو اللہ نے تجھے پہنائی تھی اور اس نام (امیر المومنین) سے دست برداری اختیار کی جو اللہ نے تیرا رکھا تھا، پھر تو نے مزید غلطی یہ کی کہ اللہ کے دین میں لوگوں کو حکم بنایا، جبکہ اللہ کے سوا اور کوئی حکم نہیں۔

جب حضرت علیؓ کو ان باتوں کی خبر پہنچی، جن کی بنا پر وہ آپؓ پر طعن و تشنیع کر رہے تھے اور آپ سے جدا ہو رہے تھے، تو آپ نے موذن کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دے، کہ امیر المومنین کے پاس ہر آدمی قرآن لے کر حاضر ہو۔ جب سارا گھر قراء سے بھر گیا تو آپ نے بڑا مصحف منگوا کر اپنے سامنے رکھا اور اس پر ہاتھ مارتے ہوئے کہنے لگے: اے مصحف، لوگوں کو بتا!

لوگوں نے کہا۔ اے امیر المومنین آپ اس سے کیا پوچھ رہے ہیں؟ یہ تو محض ورق

پر سیاہی ہے اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے اسے ہم بولتے ہیں (نہ کہ یہ بولتا ہے) آپ کیا چاہتے ہیں؟

آپؓ نے فرمایا، میرے اور تمہارے ان ساتھیوں (خوارج) کے درمیان، جو (کوفہ سے باہر) نکلے ہیں، اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ، اپنی کتاب میں مرد اور عورت کے جھگڑے کی صورت میں فرماتا ہے۔

﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ﴾ [النساء:٣٥]

"کہ اگر تم لوگ ان دونوں (میاں، بیوی) کے درمیان ناچاقی سے ڈرو تو ایک منصف مرد والوں کی طرف سے اور ایک منصف عورت والوں کی طرف سے بھیجو، اگر وہ دونوں ان کے درمیان صلح چاہیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت کی صورت پیدا کر دے گا۔"

غور کیجئے! محمد ﷺ کی امت کے خون کی حرمت، مرد اور عورت کی ناچاقی سے کہیں بڑھ کر ہے اور وہ مجھ پر اس لیے تنقید کر رہے ہیں کہ میں نے معاویہؓ سے معاہدہ کرتے وقت صرف كَتَبَ عَلِيُّ ابْنُ ابِیْ طالب کیوں لکھا۔ (یعنی اپنے نام کے ساتھ امیر المومنین کیوں نہیں لکھا؟)

حالانکہ جب حضرت رسول کریم ﷺ اپنی قوم قریش سے مصالحت کی غرض سے حدیبیہ میں تشریف فرما تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے تو ہمارے پاس سہیل بن عمرو (قریش کا کمشنر معاہدہ بن کر) آیا جب رسول کریم ﷺ نے (مصالحت کے معاہدے پر) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو، وہ کہنے لگا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھو، آپ نے فرمایا: ہم کیسے لکھیں؟ وہ کہنے لگا: لکھو "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" بعد ازاں حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: لکھو محمد رسول اللہ، تو وہ کہنے لگا۔ اگر میں جانتا کہ آپ اللہ کے رسول

ہیں تو میں آپ کی مخالفت نہ کرتا۔

چنانچہ آپ نے لکھا: « هٰذَا مَا صَالَحَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قُرَيْشًا»

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ [الاحزاب:۲۱]

"کہ تم میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ثواب اور آخرت کے دن اچھائی کی امید رکھتے ہیں ان کے لیے رسول اللہ (کا طرز عمل) بہترین نمونہ ہے۔"

چنانچہ حضرت علی نے ان کی طرف عبد اللہ بن عباسؓ کو بھیجا تو میں بھی ان کے ساتھ گیا جب ہم ان کے لشکر کے درمیان پہنچے تو ابن الکواء نے لوگوں کو خطبہ دینا شروع کر دیا اور کہا:

اے قرآن کے حاملین، یہ شخص عبد اللہ بن عباسؓ ہے، اگر تم میں سے کوئی اسے نہ جانتا ہو تو میں کتاب اللہ سے اس کا تعارف کرواتا ہوں، یہ وہ ہے، جس کے متعلق اور جس کی قوم کے متعلق ﴿ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ [1] کے الفاظ نازل ہوئے ہیں، اسے اس کے ساتھیوں کے پاس واپس بھیج دو، اور اس کے ساتھ کتاب اللہ سے مباحثہ نہ کرنا۔

لیکن اس کی قوم کے خطباء کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم، ہم اللہ کی کتاب کے حوالے سے اس سے گفتگو کریں گے، اگر اس نے ہمارے علم کے مطابق حق پیش کیا تو اس کی پیروی کریں گے اور اگر باطل پیش کیا تو ہم اسے لاجواب کر دیں گے۔

چنانچہ انہوں نے تین دن تک عبد اللہ بن عباسؓ سے کتاب اللہ کے حوالے سے بحث کی، تو ان میں سے چار ہزار (۴۰۰۰) افراد توبہ تائب ہو کر واپس لوٹ گئے جن میں ابن الکواء بھی تھا اور وہ انہیں لے کر کوفہ میں حضرت علی کے پاس آ گیا۔ بعد ازاں

[1] جھگڑا کرنے والی قوم۔

حضرت علیؓ نے باقی خارجیوں کی طرف پیغام بھجوایا کہ ہمارے درمیان اور ہمارے مخالفین کے درمیان جو کچھ طے ہوا ہے اس کا تمہیں پتہ چل چکا ہے لہٰذا امت محمدیہ کے درمیان اتفاق ہوجانے تک تم جہاں چاہو، سکونت اختیار کرو اور ہم اس وقت تک تم سے جنگ نہ کریں گے، جب تک تم بے گناہوں کے قتل کرنے اور ڈاکہ زنی کرنے اور ذمہ توڑنے سے باز رہے، اگر تم مذکورہ بالا جرائم کرو گے تو ہم تمہارے جرائم کے مطابق تم سے لڑیں گے کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: اے ابن شداد! کیا پھر آپ ان سے لڑے؟

تو عبداللہ بن شداد نے کہا: ''اللہ کی قسم! انہوں نے اس وقت تک ان کی طرف فوج کشی نہ کی جب تک انہوں نے راہزنی نہ کی اور ناحق خون نہ کیا اور اہل ذمہ کے مال و جان کو حلال نہ سمجھا۔

حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! کیا واقعی ایسا ہوا؟

اس نے کہا: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الہ نہیں، ایسا ہی ہوا۔

آپ فرمانے لگیں: وہ کیا بات ہے جو اہل ذمہ کی زبانی مجھ تک پہنچی ہے؟ وہ کہتے ہیں ذو الثدی ، ذو الثدی (یعنی پستان والا شخص)

اس نے کہا: میں نے اسے دیکھا اور اس وقت میں حضرت علیؓ کے ساتھ مقتولین کے درمیان کھڑا تھا، چنانچہ آپ نے لوگوں کو بلایا اور ان سے پوچھا کیا تم اسے جانتے ہو؟ تو ان میں سے ہر کوئی صرف اتنا ہی بتا رہا تھا کہ میں نے اسے فلاں فلاں قبیلے کی مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، میں نے اسے فلاں قبیلے کی مسجد میں نماز ادا کرتے دیکھا تھا، اور اس کے متعلق کوئی یقینی خبر بیان نہیں کر رہا تھا۔

حضرت عائشہ نے فرمایا: اہل عراق کے بقول وہ کیا بات تھی جو حضرت علیؓ نے ارا...

شخص پر کھڑے ہو کر کہی؟

عبداللہ بن شداد نے کہا: میں نے آپ کو وہاں پر کہتے ہوئے سنا: " صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ"(اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا)

ام المومنین نے کہا: "کیا تم نے اس کے علاوہ بھی کچھ کہتے ہوئے سنا؟

عبداللہ بن شداد نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم!

ام المومنین نے فرمایا: اللہ حضرت علیؓ پر رحم فرمائے۔ "صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ" ان کا تکیہ کلام تھا کہ وہ جب کسی تعجب انگیز چیز کو دیکھتے تو فرماتے تھے:"صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ"لیکن اہل عراق ان کے نام پر جھوٹ بولتے ہیں اور ان کے کلام میں اپنی طرف سے اضافہ کر لیتے ہیں۔[1]

اور خارجیوں کی تعداد ایک ہزار (۱۰۰۰) تھی جو موت کے گھاٹ اتر گئی جبکہ حضرت علی کے لشکر میں صرف چار اور بعض روایات میں سات افراد شہید ہوئے۔[2] اور ان کے درمیان وہ پستانوں والا ٹنڈا (حرقوص بن زہیر) بھی تھا جسے حضرت علیؓ نے مقتولین میں تلاش کیا تھا۔

اور یہ واقعہ بعینہٖ اسی طرح ہوا جس طرح حضرت رسول مقبول ﷺ نے پیشگی بتایا تھا، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے، کہ آپ نے فرمایا تھا:

«أَنَّهٗ تَخْرُجُ فِرْقَةٌ عَلٰى حِيْنِ اخْتِلَافٍ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ تَقْتُلُهُمْ أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ»[3]

"کہ وہ فرقہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کے وقت نکلے گا، اسے وہ گروہ قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا۔"

---

[1] مسند احمد تحقیق احمد شاکر ٦٥٦ و قال اسنادہ صحیح۔ [2] البداية والنهاية ٧/٢٩٨۔

[3] مسلم کتاب الزکوۃ ١٤٨ وما بعد دیکھئے صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ:٣٦٠١۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ «اِنَّ فِیْهِمْ ذُو الثُّدَیَّةِ»[1] کہ ان کے مقتولین میں پستانوں والا بھی ہوگا۔" چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ اسے مقتولین میں تلاش کر رہے تھے، جب وہ مل گیا تو آپ نے شکرانے کے طور پر اللہ کو سجدہ کیا۔[2] کیونکہ وہ جان گئے کہ آپ حق پر ہیں۔

[1] مسلم کتاب الزکوۃ ۱٤۸ ، صحیح بخاری کتاب المناقب:۳٦۰۱.

[2] مسند احمد تحقیق احمد شاکر ۱۵٤/۲ اسنادہ صحیح:۷٤۸.



شہادت امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب [۴۰ھ]

جنگ نہروان کے تقریباً دو سال بعد جبکہ حالات قدرے معمول پر آ رہے تھے، کہ تین خارجی (کوفہ سے نکل کر) مکہ میں جمع ہوئے اور باہمی معاہدہ کیا کہ وہ علیؓ بن ابی طالب اور معاویہؓ بن ابوسفیان اور عمروؓ ابن العاص کو قتل کر دیں۔

وہ اپنے (فاسد عقیدے کے مطابق) کہنے لگے کہ ہم ان تینوں کو قتل کر کے اللہ کا قرب حاصل کریں گے اور پھر لوگوں کو ان کے قتل سے سکون مل جائے گا۔

چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی کہنے لگا کہ میں علی بنؓ ابو طالب کا قتل اپنے ذمہ لیتا ہوں۔

برک تمیمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''میں معاویہؓ کا قتل اپنے ذمہ لیتا ہوں۔

عمرو بن بکر تمیمی کہنے لگا: ''میں عمروؓ بن العاص کو ٹھکانے لگاؤں گا۔

چنانچہ یہ تینوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ سترہ (۱۷) رمضان المبارک کی رات کو اس پلان پر عمل کیا جائے۔

حضرت عمروؓ بن العاص، مصر میں تھے اور حضرت معاویہؓ شام میں تھے اور حضرت علیؓ کوفہ میں تھے۔ چنانچہ ابن ملجم نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کو نماز فجر کے لیے نکلتے وقت اس خنجر سے قتل کیا جسے وہ ہفتہ بھر زہر میں بجھاتا (پان دیتا) رہا تھا۔

جب حضرت علیؓ زخمی تھے تو آپ نے فرمایا: اگر میں بچ گیا تو میں اس پر قتل سے

غالب آؤں گا اور اگر میں شہید ہو گیا، تو اسے میرے بدلے میں قتل کر دینا، یہ سن کر یہ ملعون کہنے لگا: ''اللہ کی قسم یہ بچ نہ سکے گا کیونکہ میں نے اس خنجر کو ایک جمعہ تک زہر میں بجھایا ہے۔(یعنی یہ ملعون پورا ہفتہ اپنے خنجر کو زہر کی پان دیتا رہا)

جب حضرت علیؓ شہید ہو گئے اور تو لوگوں نے اس کے ہاتھ کاٹنے شروع کر دیئے اور اس کی آنکھوں میں انگاروں جیسی سلائیاں پھیر دیں، لیکن یہ بے حس وحرکت پڑا رہا اور کسی طرح کی آہ وبکا اور گریہ زاری نہ کی۔ جب انہوں نے اس کی زبان، کاٹنے کا ارادہ کیا تو یہ ڈر گیا۔

انہوں نے کہا: کیوں؟ کیا وجہ ہے اب کیوں رو رہے ہو، کیا اب تکلیف ہو گی؟

کہنے لگا: میں ڈرتا ہوں کہ میں ایسی گھڑی بسر کروں جس میں اللہ کا ذکر نہ کر سکوں۔ سبحان اللہ! اس صریح گمراہی پر غور کرو کہ (عیاذا باللہ) یہ اللہ کے ولیوں میں سے ایک ولی کے خون کو مباح سمجھتا ہے پھر اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس پر کوئی ایسا لمحہ نہ گذرے جس میں وہ اللہ کا ذکر نہ کر رہا ہو!۔

دوسری طرف برک تمیمی بھی فجر کی نماز کے وقت حضرت معاویہؓ کی طرف نکلا اور آپ کو تلوار سے زخمی کر دیا، لیکن آپ علاج کے بعد تندرست ہو گئے، البتہ آپ کی رگ تناسل کٹ گئی۔

جبکہ عمرو بن بکر تمیمی، عمروؓ بن العاص کے ارادے سے نکلا لیکن اس روز وہ پیٹ میں خرابی کی وجہ سے نماز کے لیے مسجد میں نہ آئے تو اس نے قائم مقام امام خارجہ بن ابی حبیب کو عمروؓ بن العاص سمجھ کر نماز میں شہید کر دیا۔

جب وہ پکڑا گیا تو لوگوں نے کہا: تو نے کیا کیا؟

اس نے کہا: ''میں نے لوگوں کو عمرو بنؓ العاص سے آرام پہنچایا ہے۔''

انہوں نے کہا: ''تو نے عمرو کو نہیں بلکہ خارجہ کو قتل کیا ہے۔''

وہ کہنے لگا: ''میں نے تو عمرو کا کام تمام کرنا تھا، لیکن اللہ نے خارجہ کا کام تمام کر دیا۔''[1]

چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی کی طرح عمرو بن بکر تمیمی اور برک تمیمی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔[2]

---

[1] اس کی یہ بات ضرب المثل بن گئی۔

[2] الطبقات الکبریٰ ۳/۳۵، البدایة والنھایة: ۳۳۸/۷۔



صحابہؓ کے درمیان اختلاف کے اسباب

حضرت علی بن ابو طالب اور حضرت طلحہ، زبیر، اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف کا مشہور سبب یہ ہے:

حضرت طلحہ اور زبیرؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ تو حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کے لیے نکلے تھے، جبکہ حضرت معاویہؓ نے اس غرض سے خروج نہیں کیا تھا بلکہ ان کے خروج کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت سنبھال لی تو انہوں نے حضرت عثمان کے مقرر کیے ہوئے بعض گورنروں کو معزول کردیا جن میں حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ اور حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان بھی شامل تھے۔

جب حضرت معاویہؓ کو معزولی کا حکم پہنچا تو انہوں نے معزولی کے حکم کو مسترد کردیا اور کہا میں کس کی طرف سے معزول سمجھا جاؤں؟

انہوں نے کہا: حضرت علیؓ کی طرف سے۔

حضرت معاویہؓ نے کہا: میرے چچا زاد بھائی کے قاتل کہاں ہیں؟ حضرت عثمانؓ کے قاتل کہاں ہیں؟

انہوں نے کہا: پہلے ان کی بیعت کرو پھر حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا مطالبہ کرو۔

آپ نے کہا: نہیں! بلکہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو میرے سپرد کریں پھر میں ان کی بیعت کروں گا۔

شائد اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ سمجھتے تھے کہ ان کے پاس شام کے صوبہ کی قوت ہے اور اس قوت کے بل بوتے پر حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لیے دباؤ بڑھایا جا سکتا ہے۔

اس لیے آپ نے فرمایا: ''میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لیا جائے۔ لیکن حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ پہلے بیعت کرو اور پھر عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام پر غور کیا جا سکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اس بات پر اختلاف تھا کہ بیعت پہلے کی جائے یا حضرت عثمانؓ کا قصاص پہلے لیا جائے۔

حضرت علیؓ سمجھتے تھے کہ پہلے وہ بیعت کریں پھر جب حالات پرسکون ہو جائیں گے اور امن و امان بحال ہو جائے گا تو پھر قاتلان عثمان کے مسئلہ پر غور کیا جائے گا۔

جبکہ حضرت معاویہؓ کی رائے اس کے برعکس تھی، ان کا خیال تھا کہ منصب خلافت پر فائز ہونے والوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ قاتلان عثمان سے قصاص لیں، اس کے بعد خلافت کے معاملے پر غور کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اوّلیت پر اختلاف تھا کہ پہلے کون سا کام کیا جائے۔ قاتلان عثمان سے قصاص یا خلافت کو تسلیم کرنا۔

حضرت طلحہ اور زبیرؓ کی رائے بھی حضرت معاویہؓ کے موافق تھی کہ قاتلان عثمانؓ سے جلد از جلد قصاص لیا جائے۔ البتہ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان فرق یہ تھا کہ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے تھے جبکہ حضرت معاویہؓ نے ابھی تک ان کی بیعت نہ کی تھی۔



ان جنگوں کے متعلق صحابہ کرام کا موقف

صحابہ کرام اس مسئلہ پر تین گروہوں میں بٹ گئے۔

پہلا گروہ: حضرت طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ صدیقہ اور حضرت معاویہؓ یہ گروہ سمجھتا تھا کہ قاتلان عثمان سے جلدی قصاص لیا جائے۔

دوسرا گروہ: حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کے رفقائے کرام، اس گروہ کا خیال تھا کہ پہلے منصب خلافت کو مستحکم کرنا ضروری ہے۔

تیسرا گروہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرۃؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ، احنف بن قیسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت ابو بکرۃ ثقفیؓ (رضی اللہ عنہم) جیسے صحابہ پر مشتمل تھا یہ طبقہ سمجھتا تھا کہ اس موقع پر دونوں گروہوں سے علیحدگی اختیار کی جائے۔

ان جنگوں اور اختلافات کا سبب یہ تھا کہ معاملات مشتبہ تھے اور فتنہ کا دور دورہ تھا۔ اس لیے کوئی بھی اس مسئلے پر تسلی بخش غور نہیں کر سکتا تھا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

امام طبریؒ صحیح سند کے ساتھ احنف بن قیس سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: کہ حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے بعد، حضرت طلحہ اور زبیرؓ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان دونوں سے کہا:

تم دونوں مجھے کیا حکم دیتے ہو، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قتل ہو جائیں گے؟

دونوں نے کہا کہ حضرت علیؓ سے مل جانا،!

اور پھر جب حضرت عثمان شہید ہو گئے تو میں مکہ مکرمہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے ملا، تو ان سے پوچھا: کہ آپ مجھے کیا حکم دیتی ہیں؟

آپؓ نے فرمایا: ''حضرت علیؓ کے ساتھ مل جاؤ۔''

(اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت طلحہ اور زبیر اور حضرت عائشہ طاہرہؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت پر کبھی معترض نہ ہوئے، کیونکہ وہ خلافت پر ان کی بیعت کر چکے تھے۔ حتّٰی کہ حضرت احنف کو ان کی پیروی کا حکم دے رہے ہیں۔ مگر اس مسئلہ (قصاص قتل عثمانؓ) میں انہوں نے اجتہاد کیا کہ اس کو اولیت دی جانی چاہیے۔

اور جب صحابہ کرام معرکہ جمل کی طرف نکل رہے تھے، تو حضرت !حنف بن قیسؓ ان سے ملے اور ان سے کہا: ''اللہ کی قسم میں تم سے نہیں لڑوں گا کیونکہ تمہارے ساتھ ام المومنین ہے، اور نہ ہی اس آدمی (حضرت علیؓ) سے لڑوں گا جس کی بیعت کا حکم ،آپ نے ہی مجھے دیا تھا۔[1]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ

''اے علیؓ: ''تیرے اور عائشہؓ کے درمیان تنازعہ ہو گا، لہٰذا اس سے نرمی کرنا۔''

حضرت علیؓ نے عرض کیا: '' پھر تو میں بد بخت انسان ہوں گا، اے اللہ کے رسول (ﷺ)۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! البتہ جب ایسا ہو تو اسے امن والی جگہ پہنچا دینا۔''[2]

[1] فتح الباری ۱۳/۳۸، نیز دیکھئے تاریخ طبری.

[2] فتح الباری ۱۳/۶۰.

قاتلانِ صحابہ کے متعلق اہل سنت کا موقف

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''کہ ہمارے نزدیک ابن ملجم (ملعون) ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق ہم جہنم کی امید رکھتے ہیں۔ اور اس بات کو بھی جائز سمجھتے ہیں کہ اللہ اس سے درگذر کرلے۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ پر اپنا کوئی فیصلہ بھی نہیں ٹھونس سکتے اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو قاتل عثمانؓ اور قاتل زبیرؓ ور قاتل طلحہؓ اور قاتل سعید بن جبیرؒ اور قاتل عمارؓ اور قاتل خارجہؓ اور قاتل حسینؓ کا ہے۔[1]

ہم ان سب سے برأت کرتے ہیں اور اللہ کی خاطر ان سے نفرت رکھتے ہیں اور ان کے معاملے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔[2]

صحابہ کے درمیان اختلافی معاملات میں حق کہاں ہے؟

حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت عمارؓ کے بارے فرمایا تھا: ''کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور آپ نے خارجیوں کے متعلق فرمایا: کہ وہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کے وقت نکلیں گے اور انہیں وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہوگی۔

چنانچہ یہ دونوں حدیثیں صریح ہیں کہ حق، حضرت علیؓ کے قریب تھا کیونکہ حدیث میں دو طرح کے الفاظ آئے ہیں:

« تَقْتُلُهُمْ اَقْرَبُ الطَّائِفَتَيْنِ اِلَى الْحَقِّ»

''ان (خارجیوں) کو دونوں میں سے وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کی طرف زیادہ قریب ہوگی۔''...... اور ایک روایت میں ہے:

[1] ان سب کے متعلق ایک ہی حکم ہے کہ یہ ملت سے خارج نہیں، اور ہم جزم کے ساتھ انہیں کفار بھی نہیں کہہ سکتے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مجرم اور فاسق ہیں الا یہ کہ ان میں کوئی توبہ کر گیا ہو۔

[2] تاریخ اسلام، عصر خلفاء راشدین ٦٥٤، ترجمہ عبد الرحمن بن ملجم۔

«اَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ اِلَى الْحَقِّ»

''دونوں جماعتوں میں سے جو حق کے زیادہ لائق ہوگی۔''

لہٰذا یہ دونوں حدیثیں اس بات پر نص ہیں کہ حضرت علیؓ جنگ جمل اور جنگ صفین میں اپنے مخالفین سے حق کے زیادہ قریب تھے۔ لیکن مکمل طور پر حق پر نہ تھے۔ کیونکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا: «اَلْاَقْرَبُ اِلَى الْحَقِّ» (حق کے زیادہ قریب) «اَلْاَوْلَى بِالْحَقِّ» (حق کے زیادہ لائق) یہ نہیں فرمایا کہ وہ جماعت مکمل طور پر برحق ہوگی۔

یہ تجزیہ کوئی حضرت علیؓ پر تنقید وطعن نہیں ہے بلکہ اس بات سے وضاحت کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ اس فتنہ میں الگ تھلگ تھے دراصل وہی حق پر تھے، جبکہ حضرت علی کے لیے بھی سلامتی اسی بات میں تھی کہ وہ لڑائی سے رک جاتے کیونکہ نتائج دیکھ کر ہی رائے قائم کی جاتی ہے، اسی لیے جب حضرت علیؓ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کو مقتول پایا تو پھوٹ پھوٹ کر رو دیے اور پشیمان ہوتے ہوئے فرمایا:

''کاش کہ میں بیس سال قبل مر گیا ہوتا!''

اور جب جنگ صفین کے بعد حضرت حسن نے کشت وخون کی تفصیل سنائی تو حضرت علیؓ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا، اس لیے وہ ان معرکوں میں شریک ہونے پر شرمندہ ہوئے۔

دوسری طرف حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت حسنؓ کے صلح جویانہ کردار کی پیش گوئی فرماتے ہوئے ان کی تعریف بیان کی تھی اور فرمایا تھا:

«اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَ لَعَلَّ اللّٰهُ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ طَائِفَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ» [1]

[1] صحیح بخاری، باب مناقب الحسن والحسین حدیث نمبر: ٣٧٤٦.

''کہ میرا یہ بیٹا سید ہے، اور شاید کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرادے۔''

چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ نے صلح کرانے کی پیش گوئی فرماتے ہوئے حضرت حسنؓ کی تعریف بیان کی جبکہ ان کے باپ حضرت علیؓ کی تعریف بیان نہیں کی کیونکہ انہوں نے جنگ کی تھی۔ البتہ نہروان میں خارجیوں سے لڑائی کی وجہ سے ان کی تعریف بیان کی، کیونکہ اس وقت آپؓ مکمل طور پر حق پر تھے اور آپؓ نے ان سے لڑائی پر کسی طرح کا غم بھی نہیں کیا، بلکہ عام طور پر مسلمان، خارجیوں کے اس قتل پر خوش ہوئے اور حضرت علیؓ نے جب انہیں قتل کیا تو خود سجدہ شکر ادا کیا۔ لیکن جب اہل جمل سے لڑائی لڑی تو رو پڑے اور اسی طرح جب صفین میں جنگ لڑی تو بھی سخت غمگین ہوئے۔



خلافت امیر المومنین سیدنا حسن بن علیؓ [۴۰ھ]

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کوفیوں نے حضرت حسن بن علیؓ کی بیعت کر لی اور آپ اپنی بیعت کے بعد شامیوں سے لڑنے کے لیے کوفہ سے شام کی طرف چل پڑے کیونکہ اہل شام ابھی تک امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب اور ان کے بعد امیر المومنین حسن بن علیؓ کی اطاعت تسلیم کرنے سے روگرداں تھے۔ حضرت حسن بن علیؓ جب کوفہ سے نکلے تو آپ کی نیت میں صلح کی خواہش تھی اور آپ کشت وخون کو پسند بھی نہ کرتے تھے بلکہ آپ اس بات کے حق میں بھی نہ تھے کہ ان کے باپ حضرت علیؓ اہل شام سے جنگ کریں۔[1]

اور آپ کی نیت صلح کی علامات میں سے یہ بات بھی نمایاں تھی کہ آپ نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کو لشکر کی قیادت سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عبد اللہ بن عباس کو سپہ سالار بنا دیا۔[2]

حضرت حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن بن علیؓ فوجی دستوں کو لے کر حضرت معاویہؓ کی طرف چل پڑے تو حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہؓ سے کہا:

"میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو اس وقت تک نہیں پھرے گا جب تک اس کا آخری حصہ میدان سے نہ پھرے گا۔

تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا: کہ مسلمانوں کی اولاد کی ذمہ داری کون سنبھالے گا؟

[1] البدایة والنهایة ۲٤٥/۷۔ [2] فتح الباری ۶۷/۱۳۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: میں!

حضرت عبد الرحمٰن بن عامر اور عبد الرحمٰن بن سمرہؓ فرمانے لگے: کہ ہم ان سے ملاقات کرتے ہیں اور صلح کی درخواست کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکرہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت رسول کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حسنؓ آئے، تو آپ نے فرمایا:

«اِبْنِی ھٰذَا سَیِّدٌ وَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ»[1]

"کہ میرا یہ بیٹا سیّد ہے اور شاید کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرادے۔"

مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے سفید کاغذ کے نیچے مہر لگا کر اسے حضرت حسن کی طرف بھیج دیا اور فرمایا:

اس پر آپ جو چاہیں لکھ دیں وہ آپ کو ملے گا۔

عمروؓ بن العاص کہنے لگے: "بلکہ ہم جنگ کریں گے، تو حضرت معاویہ نے فرمایا: ٹھہریئے اے ابو عبد اللہ:" (زہری کہتے ہیں اور آپؓ دونوں میں سے بہتر آدمی تھے) آپ ان کے قتل سے اس وقت تک خلاصی حاصل نہ کریں گے جب تک، اتنے اہل شام قتل نہ ہو جائیں۔ ان کے بعد جینے میں کوئی خیر نہ ہوگی، اور اللہ کی قسم میں تو اس وقت تک لڑائی سے گریز کروں گا جب تک اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔[2]

اس موقعہ پر حضرت معاویہؓ حضرت حسنؓ سے ملے تو آپ حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے، اس طرح حضرت معاویہؓ امیر المومنین بن گئے اور اس سال کا نام عام الجماعۃ پڑ گیا۔

[1] صحیح بخاری کتاب الفتنۃ حدیث: ۷۱۰۹۔ [2] مصنف عبد الرزاق ۵/۴۶۲۔



خلافت امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۴۰ھ تا ۶۰ھ

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالا تو معاملہ خلافت سے ملوکیت میں تبدیل ہو گیا۔

سنن ابی داؤد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے خادم ابو عبد الرحمٰن سفینہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

« خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ »

"کہ خلافت نبوت تیس سال رہے گی پھر اللہ جسے چاہے گا اسے بادشاہی عطا کرے گا۔"

پھر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دس سال، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارہ سال، حضرت علی کی چھ سال (یعنی خلافت کے یہی کل تیس سال بنتے ہیں)، اس روایت کو ابو داؤد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔[1]

مگر جب ہم کتب تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان میں لکھا نظر آتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دو سال تین ماہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس سال اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چار سال نو ماہ اور حضرت حسن نے چھ ماہ خلافت فرمائی (یعنی اس طرح

---

[1] ابو داؤد، کتاب السنة باب فی الخلفاء حدیث ٤٦٤٦، مسند احمد ٤/٢٧٣،٥/٢٤٤،٥٠.

خلافت کل ساڑھے انتیس سال ہوئی)

حضرت ابوعبیدہؓ عامر بن جراح بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

« اَوَّلُ دِیْنِکُمْ نُبُوَّةٌ وَ رَحْمَةٌ۔ ثُمَّ مُلْكٌ وَ رَحْمَةٌ ثُمَّ مُلْكٌ اَعْفَرُ ثُمَّ مُلْكٌ وَ جَبَرُوْتٌ »[1]

''کہ تمہارے دین کا ابتدائی دورِ نبوت اور رحمت کا دور ہے۔ پھر بادشاہت اور رحمت کا دور ہوگا۔ پھر پست درجہ کی بادشاہت۔ پھر بے رحم بادشاہت۔''

آپ کا یہ فرمان کہ اَوَّلُ دِیْنِکُمْ نُبُوَّةٌ وَ رَحْمَةٌ (تمہارے دین کا ابتدائی دورنبوت اور رحمت کا دور ہے) سے مراد مومنین کے لیے حضرت نبی کریمؐ کی امامت اور پھر ابوبکر، عمر، عثمان، علیؓ کی امامت مراد ہے۔

پھر فرمایا: « ثُمَّ مُلْكٌ وَ رَحْمَةٌ » (پھر بادشاہت اور رحمت کا دور ہوگا) اس سے مراد حضرت معاویہؓ کا دور حکومت ہے۔

پھر ملك اعفر فرمایا، اس سے مراد پست درجہ کی بادشاہت ہے۔(اَعْفَر کا لفظ تعفیر سے نکلا ہے اور اس کا مٹی سے لت پت ہونا ہے اور یہ کلمہ اس بادشاہت کی مذمت پر منطبق ہے جیسے عرب لوگ محاورۃً بولتے ہیں تَرِبَتْ یَدَاكَ کہ تیرے ہاتھ خاک آلود ہو ہوں اور یہ کلمہ رفعت و علو کا متضاد ہے۔)اور اس کا اطلاق حضرت معاویہ کے بعد کا دور ہے خواہ وہ یزید کا دور ہو یا اس کے بعد والوں کا یعنی اموی دور خلافت۔

پھر فرمایا:« ثُمَّ مَلِكٌ وَ جَبَرُوْتٌ » اس سے مراد بے رحم بادشاہت ہے۔

حضرت معاویہؓ مسلمانوں کے سربراہ بن گئے اور تقریباً ۲۰ سال خلیفۃ المسلمین

[1] سنن دارمی کتاب الاشربه ۲/۱۱٤ باب ما قِیلَ فی المُسْکِرِ، رجاله ثقات اِلّا انه قیل ان مکحولا لم یسمع من ابی ثعلبة الخُشَنِیّ.

کے منصب پر فائز رہے۔ اور آپ کے دور امارت میں جو ۴۰ ہجری سے لے کر ۶۰ ہجری تک جاری رہا، امن وامان کی حالت تسلی بخش رہی اور فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اور اسی عرصے میں سیدنا حسن بن علیؓ وفات پا گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے زہر سے وفات پائی اور بعض لوگوں نے دیگر وجوہات ذکر کی ہیں۔ اصل علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کیونکہ اس سلسلے میں صحیح سند سے کوئی خبر منقول نہیں، کہ جس سے پتہ چل سکے کہ زہر والی بات صحیح ہے یا دوسری باتیں درست ہیں، لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ ۴۹ ھ میں فوت ہوئے۔ رضي الله تبارك و تعالىٰ عنه و عن ابيه.

یزید بن معاویہ کی بیعت:

۵۶ ہجری میں حضرت معاویہؓ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے بعد ان کے بیٹے یزید کی بیعت کریں۔

حضرت معاویہ نے اس موقعہ پر اپنے پیش رو خلفاء کی سنت سے عدول کیا کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد خلافت کے معاملے کو لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا، یا حضرت ابوبکرؓ کو خلیفۃ المسلمین نامزد کر گئے۔

پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کر دیا۔

پھر حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے چھ افراد کو نامزد کر دیا اور اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ اور چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ کو خارج کر دیا۔

پھر حضرت عثمانؓ آئے اور انہوں نے کسی کو نامزد نہ کیا۔

پھر حضرت علیؓ آئے اور انہوں نے کسی کو نامزد نہ کیا۔

اور حضرت حسنؓ، حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ سے کہا گیا کہ یا تو آپ امر خلافت کو اس طرح رہنے دیں جس

طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے رہنے دیا تھا۔

یا پھر ایسے کرو جیسے ابو بکر صدیقؓ نے کیا تھا کہ اپنے بعد اس شخص کو خلیفہ بناؤ جو آپ کے گھرانے سے نہ ہو۔

یا پھر حضرت عمرؓ کی طرح کردو کہ انہوں نے معاملہ چھ آدمیوں پر چھوڑ دیا تھا جو ان کے گھرانے سے نہ تھے۔

یا پھر اس معاملے کو (حضرت عثمانؓ کی طرح) یوں ہی رہنے دیں۔ تاکہ مسلمان جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں۔

لیکن انہوں نے اسی بات پر اصرار کیا کہ یزید ہی ان کے بعد خلیفہ ہوگا۔ اس طرح آپ نے اس موقعہ پر افضل طریقہ چھوڑ دیا۔ شاید آپ ڈرتے تھے کہ اس مسئلہ کو شوریٰ پر چھوڑنے سے دبے ہوئے فتنے کی چنگاری پھر بھڑک اٹھے گی نیز آپ کو اندازہ تھا کہ اطاعت، امن اور قوت اس گروہ کے پاس ہے جس میں ان کا بیٹا یزید ہے۔[1]

یزید بن معاویہ کی بیعت کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ یہ بیعت صحیح تھی لیکن انہوں نے دو چیزوں کی بنا پر اس بیعت کو ناپسند کیا ہے۔

1 وہ کہتے ہیں کہ یہ جدید بدعت تھی کیونکہ انہوں نے خلافت کو اپنی اولاد (کی تحویل میں) دے دیا۔ گویا اب وہ وراثت بن گئی حالانکہ اس سے پہلے وہ شوریٰ کی صوابدید پر تھی، اور اس بات پر نص تھی کہ یہ اس کے سپرد کی جائے جو قریبی رشتہ دار نہ ہو، تو پھر بیٹے جیسے قریبی رشتہ دار کو کس طرح خلافت سونپ دی جائے۔ اس قاعدے کی بنا پر بیٹے کی شخصیت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، اس منصب کے لیے اس کی بیعت لینا ٹھیک

[1] دیکھئے مقدمہ ابن خلدون، فصل ولی عہد کے بارے میں، ص:۱۶۶.

نہیں۔اس لیے اہل سنت بنیادی طور پر خلافت کو وراثت تسلیم نہیں کرتے۔

۲ اس وقت وہ لوگ بھی موجود تھے جو یزید سے زیادہ اہل اور خلافت کے حق دار تھے۔ جیسے حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق، عبد اللہ بن زبیر اور حضرت حسین بن علی اور اس طرح کے دیگر صحابہ کرام۔

یہ تو ہے اہل السنۃ کا نقطۂ نظر جیسے کہ امام ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے افضل طریقہ کو چھوڑ دیا (انہیں چاہیے تھا) کہ وہ اسے شوریٰ کی صوابدید پر چھوڑتے اور اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو یہ منصب نہ سونپتے۔لیکن جب آپ نے اپنے بیٹے کے لیے بیعت لے لی اور لوگوں نے اس کی بیعت کر لی لہٰذا یہ شرعاً منعقد ہوگئی۔[1]

رہے شیعہ صاحبان تو وہ امامت اور خلافت کو صرف حضرت علی اور ان کی اولاد کا حق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ صرف یزید کی بیعت کو ہی برا نہیں سمجھتے، بلکہ ہر اس بیعت کو برا سمجھتے ہیں، جو حضرت علی اور ان کی اولاد کے علاوہ دوسروں کے ہاتھ پر ہو۔لہٰذا وہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہم سب کی بیعت کو برا جانتے ہیں۔قطع نظر اس بات کے کہ مُبَایَعٌ لَهٗ (بیعت کیا جانے والا شخص) کیسا ہی صاحب کمال کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ نص کے اعتبار سے حضرت علی اور ان کی اولاد ہی قیامت تک کے لیے خلافت کی حقدار ہے۔

امیر یزید بن معاویہ، خلافت کے لیے موزوں تھا یا نہیں؟

امام ابن کثیر ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی، سیدنا محمد بن علی المرتضیٰ بن ابی طالب (ابن الحنفیۃ برادر سیدنا حسن وحسین) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ یزید کی بیعت توڑ دیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

[1] العواصم من القواصم: ۲۲۸.

عبداللہ بن مطیع کہنے لگا: ''یزید بن معاویہ شراب پیتا ہے اور نماز چھوڑ دیتا ہے۔''

محمد بن علی المرتضیٰ فرمانے لگے: ''جو کچھ تم بیان کرتے ہوں، میں نے اس میں نہیں دیکھا۔ میں اس کے پاس گیا اور وہاں قیام کیا میں نے اسے نماز کا پابند اور خیر کا متلاشی پایا ہے، وہ دین کے مسائل پوچھتا ہے اور سنت کی پیروی کرتا ہے۔

وہ کہنے لگے: ''وہ آپ کو دکھلانے کے لیے یہ سب کچھ کرتا تھا۔''

محمد بن علی المرتضیٰ نے جواب دیا: اسے میرا کیا ڈر تھا، یا مجھ سے کیا لالچ تھا؟''

بھلا جو کچھ تم بتا رہے ہو، وہ تمھیں اطلاع دے کر کرتا ہے؟

وہ کہنے لگے: ''اگرچہ ہم نے اسے یہ سب کچھ کرتے نہیں دیکھا لیکن ہمارے نزدیک یہ سچ ہے۔

حضرت محمد بن علی المرتضیٰ فرمانے لگے:

'' اللہ تعالیٰ نے شہادت والوں کی ایسی شہادت کو رد کر دیا ہے پھر آپ نے حق تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا:

﴿ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾[الزخرف:٨٦] [1]

''ہاں! مگر جو حقیقی شہادت دیں اور انہیں معلوم ہو۔''

لہٰذا یزید کی شخصیت پر چیتوں، بندروں سے کھیلنے اور شراب نوشی یا دیگر فسق و فجور کے الزامات صحیح سند سے ثابت نہیں ہو سکے، اس لیے ہم ان کی تصدیق نہیں کر سکتے (اور ہر مسلمان کے متعلق) اصل یہ ہے کہ (اسے) بے گناہ سمجھا جائے، جب تک کہ اس کے متعلق یقینی شہادت سامنے نہ آ جائے، لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اس کا علم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پاس ہے۔ لیکن محمد بن علی المرتضیٰ (ابن الحنفیہ) کی مذکورہ روایت سے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس میں یہ عیب نہ تھے۔

[1] البداية والنهاية:٨/٢٣٦.

یزید کے حالات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور ہمیں اس بات کی فکر بھی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس نے اپنے ذاتی افعال کا جواب اپنے رب کو دینا ہے، اگر ہم فرض کر لیں کہ یزید واقعی فاسق تھا تو پھر بھی اس طریقے سے اس کے خلاف خروج کرنا واجب نہ تھا، (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)



خلافت امیر یزید بن معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ

۶۰ ھ تا ۶۴ ھ

۶۰ ھ میں امیر یزید کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی، اس وقت اس کی عمر چونتیس (۳۴) برس تھی۔ البتہ حضرت حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی بیعت نہ کی، یہ دونوں بزرگ اس وقت مدینہ میں تھے اور جب ان دونوں کو یزید کی بیعت کے لیے طلب کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اس رات غور کر کے تمہیں اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔''

انہوں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔''

جب رات ہوئی تو آپ مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلے آئے اور بیعت نہ کی۔ جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور انہیں کہا گیا کہ آپ بیعت کر لیں۔

آپ نے فرمایا: ''میں چھپ کر بیعت نہیں کروں گا، بلکہ لوگوں کے سامنے علانیہ بیعت کروں گا۔''

انہوں نے کہا: ''ٹھیک ہے، لیکن رات ہوئی تو آپ بھی حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پیچھے چلے گئے۔

عراقی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے خط و کتابت کرتے ہیں:

عراقیوں کو خبر پہنچی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کی اور عراقی

خود بھی یزید بن معاویہ کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ تو حضرت معاویہؓ کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ تو صرف حضرت علی اور ان کی اولاد کو خلیفہ بنانا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت حسین بن علیؓ کو خطوط لکھے اور ان میں یہ لکھا کہ ہم نے آپ کی بیعت کی ہے اور ہم آپ کے علاوہ کسی کو پسند نہیں کرتے اور ہماری گردنوں میں یزید کی بیعت نہیں ہے، بلکہ آپ کی ہے۔ اور ان کی طرف سے اس قدر خطوط آئے کہ ان کی تعداد پانچ صد (۵۰۰) سے بڑھ گئی۔ یہ سارے خطوط کوفہ والوں کی طرف سے تھے اور وہ آپ کو اپنی طرف آنے کی دعوت دے رہے تھے۔

اس موقعہ پر سیدنا حسین بن علیؓ نے اپنے چچا زاد مسلم بن عقیل کو بھیجا، کہ وہ وہاں جا کر حالات کا مکمل جائزہ لیں اور حقیقت حال سے آگاہ کریں۔ جب مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں کے متعلق پوچھنا شروع کر دیا، جب آپ کو مکمل طور پر یقین ہو گیا کہ وہاں کے لوگ یزید کی بجائے حضرت حسین بن علی کو پسند کرتے ہیں تو وہ ہانی بن عروہ کے پاس ٹھہر گئے اور لوگ یکے بعد دیگرے آپ کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کی بُیعت کرنے لگے۔ چنانچہ بیعت مکمل ہو گئی۔

اور (ان دنوں) حضرت نعمان بن بشیرؓ، یزید کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ جب انہیں اطلاع پہنچیکہ یہاں کوفہ میں مسلم بن عقیل موجود ہیں اور لوگ ان کے پاس آ کر حضرت حسین کی بیعت کر رہے ہیں، تو انہوں نے اس سے چشم پوشی کا اظہار کیا اور اس معاملے کو اہمیت نہ دی، یہاں تک کہ اس کے چند حاشیہ بردار کوفی، شام میں یزید بن معاویہ کے پاس شکایت لے کر گئے اور اسے کوفہ کی صورت حال سے آگاہ کیا، کہ لوگ مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں اور نعمان بن بشیرؓ اس معاملے کو اہمیت نہیں دے رہے، تو یزید نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو کوفے پر گورنر مقرر کر دیا۔ اور یہ اس سے پہلے بصرے پر گورنر تھا۔ یزید نے اس

صورتحال سے نپٹنے کے لیے اسے کوفہ کی گورنری بھی سونپ دی۔

چنانچہ عبید اللہ بن زیاد منہ پر کپڑا لپیٹ کر رات کو کوفہ میں داخل ہوا، جب وہ لوگوں پر گذرتا تو انہیں سلام کہتا اور وہ اسے یوں جواب دیتے وعلیك السلام یا ابن بنت رسول اللہ ﷺ (اے نواسۂ رسول، آپ پر سلام ہو)

دراصل وہ اسے حضرت حسینؓ سمجھ رہے تھے کیونکہ وہ رات کو چھپ کر داخل ہو رہا تھا اور منہ پر عمامہ لپیٹے ہوئے تھا، جب عبید اللہ بن زیادہ کو معلوم ہوا کہ معاملہ خطرناک ہے اور لوگ حضرت حسینؓ کا انتظار کر رہے ہیں، تو وہ قصر امارت میں داخل ہو گیا اور اس نے اپنے معقل نامی غلام کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ جائے اور اس معاملے کا پتہ چلائے اور یہ بھی بتلائے کہ اس معاملے میں کون سی شخصیت اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

چنانچہ وہ گیا اور اپنے آپ کو حمص کا باشندہ ظاہر کر کے لوگوں سے آپ کے متعلق پوچھنے لگا اور بتانے لگا کہ وہ حضرت حسینؓ کی مدد کے لیے تین ہزار دینار لایا ہے۔ کچھ عرصہ پوچھ گچھ کے بعد اسے ہانی بن عروہ کے گھر کا پتہ بتایا گیا۔ چنانچہ وہ اس کے گھر میں داخل ہوا اور اس نے حضرت مسلم بن عقیل سے ملاقات کر کے ان کی بیعت کی اور انہیں تین ہزار دینار دیئے اور کئی دن ان کے پاس آتا جاتا رہا، چنانچہ وہ معاملے کا مکمل پتہ چلا کر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لوٹ گیا اور اسے پوری پوری خبر دی۔

حضرت حسینؓ کی مکہ سے کوفہ کی طرف روانگی:

جب حالات سازگار ہو گئے اور بہت سے لوگوں نے مسلمؒ بن عقیل کی بیعت کر لی تو انہوں نے حضرت حسینؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ حالات سازگار رہیں لہٰذا اب آپ تشریف لے آئیں، تو حضرت حسین بن علیؓ ترویہ (آٹھ ذی الحجہ) کے دن، مکہ سے نکل پڑے۔

ادھر عبید اللہ بن زیاد کو مسلم بن عقیل کے پروگرام کا پتہ چل چکا تھا۔ اس نے حکم دیا: کہ ہانی بن عروہ کو میرے پاس لاؤ۔

جب اسے لایا گیا تو عبید اللہ نے پوچھا۔

مسلم بن عقیل کہاں ہے؟

ہانی بن عروہ نے کہا: ''میں نہیں جانتا۔''

عبید اللہ بن زیاد نے اپنے غلام عقیل کو بلایا، جب وہ آیا تو اس سے کہا: کیا تو اسے جانتا ہے؟

اس نے کہا: ''ہاں۔''

تو ہانی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کیونکہ یہ غلام اسے جانتا تھا اور اس نے اس کے گھر، مسلم بن عقیل کی بیعت بھی کی تھی۔ اور ہانی کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ (اس کی بیعت اور دیناروں کا معاملہ) تو عبید اللہ بن زیاد کا دھوکہ تھا۔

چنانچہ ابن زیاد نے پھر پوچھا کہ مسلم بن عقیل کہاں ہے؟

ہانی نے کہا: ''اللہ کی قسم! اگر وہ میرے قدم کے نیچے بھی ہوتا تو میں اسے نہ اٹھاتا۔''

یہ سن کر عبید اللہ بن زیاد نے اسے پیٹا اور اسے قید کرنے کا حکم دے دیا۔

جب مسلم بن عقیل کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے چار ہزار افراد کا لشکر لے کر عبید اللہ بن زیاد کے محل کا محاصرہ کر لیا اور اہل کوفہ بھی اس کے ساتھ نکل پڑے۔ اس وقت عبید اللہ بن زیاد کے پاس کوفہ کے سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ان سے کہا کہ لوگوں کو مسلم بن عقیل کا ساتھ دینے سے باز رکھو، مزید برآں انہیں روپے پیسے کا لالچ بھی دیا اور انہیں شام کے لشکر کا ڈراوا بھی دیا۔

چنانچہ کوفی سردار لوگوں کو مسلم بن عقیل سے جدا کرنے لگے۔

مسلم بن عقیل کے ساتھ چار ہزار کا لشکر تھا اور ان کا شعار (کوڈ ورڈ Code

Word) تھا یَا مَنْصُوْرُ اَمِتْ (اے منصور ماردو!)

چنانچہ کوئی سرداروں کے ڈرانے دھمکانے اور لالچ دینے کی بنا پر عورتیں آتیں اور اپنے بیٹوں کو لے جاتیں اور مرد آ کر اپنے بھائیوں کو لے جاتے اور قبائل کے سربراہ اپنے اپنے لوگوں کو اس شورش میں حصہ لینے سے روکنے لگے۔ حتیٰ کہ مسلم بن عقیل کے ساتھ چار ہزار میں سے صرف تیس (۳۰) آدمی باقی رہ گئے اور سورج ابھی غروب نہ ہونے پایا تھا، کہ وہ بھی چلے گئے اور مسلم بن عقیل اکیلے رہ گئے، اور آپ کوفہ کی گلیوں میں بے یارو مددگار پھرنے لگے، آپ کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کدھر جائیں۔ چنانچہ آپ نے بنو کندہ کی کسی عورت کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اسے کہا کہ میں پانی پینا چاہتا ہوں۔

اس نے آپ کو اجنبی سمجھ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟

آپ نے فرمایا: ''میں مسلم بن عقیل ہوں اور اسے یہ بھی خبر دی کہ لوگوں نے مجھے بے یارو مددگار چھوڑ دیا ہے اور یہ کہ حضرت حسینؓ بھی آ رہے ہیں کیونکہ میں نے انہیں پیغام بھجوایا ہے کہ وہ آ جائیں۔

چنانچہ اس عورت نے آپ کو اپنے گھر کے ساتھ والے گھر میں داخل کر لیا اور انہیں روٹی اور پانی دیا۔ لیکن اس کے بیٹے نے عبید اللہ بن زیاد کو مسلم بن عقیل کے ٹھکانے کی اطلاع دے دی، تو اس نے ستر آدمیوں کو بھیج کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا چنانچہ آپ بھی ان کے ساتھ لڑے۔ بالآخر انہوں نے آپ کو امان کے وعدے پر گرفتار کر لیا اور عبید اللہ کے محل میں لے گئے۔

چنانچہ اس نے مسلم بن عقیل سے سوال کیا، کہ بتاؤ تم نے کس وجہ سے ہمارے خلاف چڑھائی کی؟

آپ نے فرمایا: حضرت حسینؓ بن علی کی بیعت کی وجہ سے، جو ہماری گردنوں میں ہے۔

اس نے کہا: ''میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔''

آپ نے فرمایا: ''مجھے وصیت کر لینے دو۔''

اس نے کہا: ''ہاں وصیت کر لو۔

آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کھڑے تھے آپ نے فرمایا تم ان تمام لوگوں سے بڑھ کر میرے قریبی رشتہ دار ہو، آؤ، میں تمہیں وصیت کر لوں۔

چنانچہ مسلم بن عقیل، عمر بن سعد کو گھر کے ایک کونے میں لے گئے اور وصیت کی کہ حضرت حسین کو پیغام پہنچا دیں کہ وہ واپس چلے جائیں۔ حضرت مسلم بن عقیل نے اس موقعہ پر اپنی وصیت میں مشہور فقرہ ارشاد فرمایا:

''اپنے اہل وعیال سمیت واپس لوٹ جاؤ! اور اہل کوفہ سے دھوکہ نہ کھاؤ!، کیونکہ کوفہ والوں نے مجھ سے اور آپ سے کذب بیانی کی اور جھوٹے کا کوئی اعتبار نہیں!''

چنانچہ عمر بن سعد نے ایک آدمی کو ان کا پیغام دے کر بھیجا کہ منصوبہ ناکام ہو گیا ہے اور کوفہ والوں نے اسے (عین موقعہ پر) دھوکہ دے دیا!

چنانچہ مسلم بن عقیل کو عرفہ والے دن اسی وقت قتل کر دیا گیا!!

ادھر حضرت حسین بن علیؓ ان کے قتل سے ایک دن قبل یعنی آٹھ ذی الحجہ کو مکے سے نکل چکے تھے!!!



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکنا

بہت سے صحابہ کرام نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکنے کی کوشش کی (لیکن وہ آپ کو روکنے میں ناکام رہے) جن صحابہ نے آپ کو روکنے کی کوشش کی ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور آپ کے برادر حضرت محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ۔ (ابن الحَنَفِیَّۃ)

ان سب نے آپ کے ارادے کا پتہ چلنے پر آپ کو کوفہ جانے سے روکا، ان میں سے چند ایک کے اقوال یہ ہیں۔

ا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہاشمی قریشی:

جب انہیں پتہ چلا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ جانے والے ہیں تو آئے اور کہا، کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہو کہ لوگ مجھے اور آپ کو برا کہیں گے تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے ہاتھوں میں آپ کے سر کے بال پکڑ لوں اور اس وقت تک نہ چھوڑوں جب تک آپ اپنا پروگرام ملتوی نہ کر دیں۔[1]

[1] البدایة والنهایة:٨/١٦١.

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

امام عامر بن شرحبیل شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر مکہ میں تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت حسین عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تو آپ نے تین راتوں کی مسافت طے کر کے آپ کو راستہ میں جالیا اور پوچھا:

''کہاں جا رہے ہو؟''

آپ نے فرمایا: عراق جا رہا ہوں اور آپ نے ان کو عراقیوں کے بھیجے ہوئے خطوط دکھا کر فرمایا کہ یہ ہیں ان کے خطوط اور ان کی بیعت!

اور ان خطوط میں حضرت حسینؓ کی حمایت کا اعلان تھا (آہ! ظالموں نے آپ کو کس طرح دھوکا دیا!)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا:

''آپ ان کے پاس نہ جائیں۔''

لیکن حضرت حسینؓ نے وہاں جانے پر اصرار کیا (اور اپنی رائے نہ بدلی)

چنانچہ حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا:

میں آپ کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں کہ:

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو دنیا و آخرت میں سے ایک چیز پسند کرنے کا اختیار دیا تو آپؐ نے آخرت کو پسند کیا اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔

اور آپ بھی ان کا ٹکڑا ہیں اور اللہ کی قسم! آپ میں سے کوئی شخص بھی سلطنت کو ہاتھ میں نہیں لے سکے گا اور اللہ نے محض اس لیے آپ کو دنیا سے دور دور رکھا ہے کہ وہ آپ کو اس سے بہتر چیز (یعنی آخرت کا گھر) عطا فرمانے والا ہے۔

لیکن آپ نے واپس لوٹنے سے انکار کر دیا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر آپ سے گلے لگ کر رونے لگے۔

اور فرمایا:

''میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ایک مقتول ہونے والے کی صورت میں''[1]

۳۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما:

آپ نے حضرت حسینؓ سے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ کیا اس قوم کی طرف جارہے ہو جس نے آپ کے باپ کو قتل کیا اور آپ کے بھائی کو نیزہ مارا، حسین! ان کے پاس نہ جاؤ![2]

لیکن حضرت حسینؓ نے جانے پر اصرار کیا۔

۴۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

آپ نے فرمایا: اے ابوعبداللہ! میں آپ کو نصیحت کرنے والا ہوں اور مجھے آپ سے بڑی شفقت ہے، مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ کے ساتھ کوفی شیعوں نے خط وکتابت کی ہے اور وہ آپ کو ادھر اپنے پاس آنے کی دعوت دے رہے ہیں، لیکن آپ ان کی طرف نہ جائیں کیونکہ میں نے کوفہ میں آپ کے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ:

''اللہ کی قسم! میں ان سے اکتا گیا ہوں اور مجھے ان سے نفرت ہوگئی ہے۔

اور یہ بھی مجھ سے اکتا گئے ہیں اور مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں اور ان میں وفاداری کبھی نہ ہوگی۔اور جس کسی نے ان کے ذریعے کامیابی کی منزل حاصل کرلی، اسے تیر نیم کش کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، اللہ کی قسم! نہ تو ان کی نیتیں (صحیح) ہیں اور نہ کسی مسئلہ پر فیصلہ کن عزم ہے اور نہ ہی یہ تلوار پر صبر کرسکتے ہیں۔[3]

[1] البدایة والنھایة ۸/۱۶۲۔ [2] البدایة والنھایة:۸/۱۶۳۔

[3] البدایة والنھایة ۸/۱۶۳۔

۵۔ مشہور شاعر فرزدق:

حضرت حسینؓ کوفہ کی راہ میں آلِ رسول کے مداح شاعر فرزدق سے ملے اور اس سے پوچھا: ''کہاں سے آرہے ہو؟۔''

اس نے کہا: ''عراق سے۔''

آپ نے پوچھا: ''عراقیوں کا کیا حال ہے؟۔''

اس نے جواب دیا: ''ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنوامیہ کے ساتھ ہیں۔''

تو آپ نے فرمایا: «وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ» '' (اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے) اور اپنا ارادہ ملتوی نہ کیا۔[1]

ابھی آپ راستے میں ہی تھے کہ آپ کو عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کے قاصد کے ذریعے مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر مل گئی، تو آپ نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں مسلم بن عقیل بن ابو طالب کے بیٹوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! ہم اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لیے بغیر نہ لوٹیں گے، تو آپ نے ان کی رائے کا احترام کیا۔

جب عبید اللہ بن زیاد کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نکلنے کی اطلاع ملی تو اس نے حر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار (۱۰۰۰) سپاہیوں کا دستہ دے کر بھیجا کہ وہ راستے میں حضرت حسینؓ سے ملے۔ چنانچہ وہ قادسیہ کے قریب آپ سے ملا اور آپ سے پوچھا۔

اے رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے لخت جگر کہاں جا رہے ہو؟

آپ نے فرمایا: ''عراق کی طرف۔''

اس نے کہا: ''میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ لوٹ جائیں اور اللہ تعالیٰ مجھے آپ

[1] البدایة والنهایة ۸/۱٦۸۔

کے متعلق کسی آزمائش میں نہ ڈالے۔آپ جہاں سے آئے ہیں وہاں لوٹ جائیں یا شام چلے جائیں جہاں یزید بن معاویہ ہے لیکن کوفے نہ جائیں۔

لیکن حضرت حسینؓ نے اس کا حکم ماننے سے انکار کردیا اور آپ نے عراق کی طرف چلنا شروع کردیا جبکہ حر بن یزید آپ کے سامنے آتا اور آپ کو منع کرتا رہا، آخر حضرت حسینؓ نے اسے کہا:" ابتعد عني، ثكلتك امّك!"

"مجھ سے دور ہو جا، تیری ماں تجھے گم پائے۔"

حر بن یزیدؒ نے کہا:" اللہ کی قسم اگر آپ کے علاوہ کوئی اور عرب مجھے یہ بات کہتا تو میں اس سے اور اس کی ماں سے قصاص لیتا، لیکن میں کیا کہوں؟ کیونکہ آپ کی ماں، پوری دنیا کی عورتوں کی سردار ہے۔

کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا داخلہ

یہاں پہنچ کر حضرت حسینؓ نے عراق جانے کا ارادہ ملتوی کردیا، اس کے بعد عمر بن سعد (بن ابی وقاص) کی قیادت میں چار ہزار کی تعداد میں کوفی سپاہ کا آخری دستہ بھی آن پہنچا۔ اس وقت سیدنا حسین بن علیؓ کربلا نامی جگہ پر قیام پذیر تھے۔

آپ نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے؟

لوگوں نے بتایا، کربلا۔

آپ نے فرمایا: " كَرْبٌ وَ بَلاءٌ " (یعنی دکھ اور آزمائش۔)

جب عمر بن سعد کا لشکر آیا اور اس نے حضرت حسینؓ سے گفتگو کی اور انہیں اپنے ساتھ کوفہ میں عبید اللہ بن زیاد کے پاس چلنے کا حکم دیا۔ تو آپ نے انکار کردیا، جب آپ کو معاملہ سنگین نظر آیا تو آپ نے عمر بن سعد بن ابی وقاص سے کہا کہ:

میں تجھے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتا ہوں، لہٰذا ان میں سے جو بات

تمہیں پسند ہو اس کے متعلق مجھے اپنی رائے سے آگاہ کرو۔

اس نے پوچھا وہ کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا:

① ایک تو یہ ہے کہ مجھے واپس جانے دو۔

② یا پھر مجھے مسلمانوں کی سرحدوں میں سے کسی سرحد پر جانے دو۔

③ یا پھر مجھے شام میں یزید کے پاس جانے دو تا کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دوں۔

عمر بن سعد نے کہا: ہاں! آپ یزید کی طرف پیغام بھیجیں اور میں عبید اللہ بن زیاد کی طرف اطلاع بھیجتا ہوں، اور ہم انتظار کرتے ہیں کہ کیا جواب ملتا ہے۔ لیکن حضرت حسین نے یزید کی طرف پیغام نہ بھیجا جبکہ عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کی طرف پیغام بھیج دیا۔

جب قاصد عبید اللہ کے پاس پہنچا اور اسے خبر دی کہ حضرت حسین؄ تمہیں تین باتوں میں سے کوئی ایک بات قبول کرنے کا اختیار دیتے ہیں تو عبید اللہ بن زیاد راضی ہو گیا اور کہا کہ حضرت حسین جو بات بھی پسند کریں وہ مجھے قبول ہے۔

اس وقت اس کے پاس شمر بن ذی الجوشن (نامی ملعون و مردود) بیٹھا ہوا تھا اور وہ ابن زیاد کا بڑا مقرب تھا۔ اس نے کہا: ''اللہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو تمہارے سپرد کر دے۔

چنانچہ ابن زیاد اس ملعون کی (خوشامدانہ) بات سے دھوکا کھا گیا اور کہنے لگا: ہاں وہ اپنے آپ کو میرے سپرد کرے۔ (یعنی وہ میرے پاس کوفہ میں حاضر ہو اور میں اسے شام بھیجوں یا سرحدوں پر روانہ کروں یا مدینہ واپس بھیج دوں)

چنانچہ عبید اللہ بن زیاد کھڑا ہو گیا اور شمر بن ذی الجوشن کو کربلا کی طرف روانہ کر کے کہنے لگا کہ:

تو جا اور حضرت حسین کو اپنا آپ میرے سپرد کرنے (یعنی گرفتاری دینے) کا حکم سنا دے۔ اگر عمر بن سعد (اسے گرفتار کرنے) پر آمادہ ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تو اس کی جگہ فوج کا افسر ہے۔

عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد بن ابی وقاص کو چار ہزار فوجیوں کا یہی لشکر دے کر رے بھیجنا تھا۔ چنانچہ اس نے عمر بن سعد کو حکم دیا کہ وہ حضرت حسین کے معاملے سے فارغ ہو کر رے چلا جائے کیونکہ اس نے عمر بن سعد سے رے کی گورنری کا وعدہ کر رکھا تھا۔

چنانچہ شمر بن ذی الجوشن اس جگہ پر جا پہنچا جہاں حضرت حسین بن علیؓ اور حر بن یزید تمیمی اور عمر بن سعد موجود تھے۔

جب حضرت حسینؓ کو خبر پہنچی کہ ان کی قسمت کا فیصلہ عبید اللہ بن زیاد نے کرنا ہے۔ اور ان پر لازم ہے کہ وہ اسے گرفتاری دے دیں تو آپؓ اسے مسترد کر دیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں کبھی بھی عبید اللہ بن زیاد کی کو گرفتاری نہ دوں گا۔ حضرت حسین کے پاس بہتر (۷۲) شہسوار تھے اور کوفی لشکر پانچ ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو حضرت حسینؓ نے ابن زیاد کے کوفی لشکر سے کہا۔

”اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچو! کیا میرے جیسے انسان سے تمہارا لڑائی لڑنا درست ہے؟ اور میں تمہارے رسولؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اور اس وقت روئے زمین پر میرے علاوہ کوئی شخص نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہے اور اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا:

کہ یہ دونوں جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔[1]

اور آپ نے انہیں ابن زیاد کے حکم کو تسلیم نہ کرنے اور اپنے ساتھ ملنے کی ترغیب

---

[1] ترمذی کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسین:۳۷٦۸۔

دینا شروع کر دی۔ چنانچہ تیس افراد آپ کے ساتھ مل گئے۔ ان میں ابن زیاد کے لشکر کے ہراول دستے کا امیر حُر بن یزید بھی تھا۔

حُر بن یزید سے کہا گیا: ''یہ کیا کر رہے ہو؟ تم ہمارے ساتھ ہراوّل دستے کا امیر بن کر آئے ہو اور اب حضرت حسینؓ کی طرف جا رہے ہو؟

اس نے کہا: ''تم پر افسوس، اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو جنت اور جہنم کے درمیان دیکھ رہا ہوں، اللہ کی قسم! میں کسی قیمت پر جنت کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا اگرچہ میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاؤں یا جلا دیا جاؤں۔

اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں اور ابن زیاد کے سپاہیوں کو جمعرات کے روز ظہر اور عصر کی نمازیں پڑھائیں، آپ نے انہیں کہا تھا کہ تمہارا امام تم سے ہو اور ہمارا امام ہم سے، لیکن انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ ہم آپ کی امامت میں نماز ادا کریں گے۔

چنانچہ انہوں نے ظہر اور عصر کی نمازیں سیدنا حسینؓ کے پیچھے ادا کیں، جب مغرب کا وقت قریب ہوا تو وہ اپنے گھوڑوں کو لے کر حضرت حسینؓ کی طرف بڑھنے لگے۔

اور اس وقت حضرت حسین اپنی تلوار کی ٹیک پر آرام حاصل کر رہے تھے۔ جب آپ نے انہیں دیکھا تو اپنے ہمراہیوں سے پوچھا: یہ کیا ہے؟

ساتھیوں نے عرض کیا کہ وہ آگے بڑھ رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ان کی طرف جاؤ اور ان سے پوچھو! کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

چنانچہ بیس شہسوار ان کی طرف گئے، ان میں حضرت عباسؓ بن علیؓ بن ابی طالب بھی تھے، انہوں نے ان سے گفتگو کی اور پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟

وہ کہنے لگے کہ:

یا تو حضرت حسین، ابن زیاد کی مرضی قبول کریں (یعنی گرفتاری دے دیں) یا پھر وہ لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں۔

انہوں نے کہا ہم ابو عبد اللہ (حسین) کو خبر دینے تک کچھ نہیں کہہ سکتے، چنانچہ وہ حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں خبر دی، تو آپ نے فرمایا کہ انہیں کہو کہ وہ ہمیں اس رات مہلت دیں اور ہم کل کو انہیں بتائیں گے تاکہ میں اپنے رب کے لیے نماز پڑھ لوں کیونکہ میں اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھنا پسند کرتا ہوں۔

چنانچہ آپ اور آپ کے تمام جانثار اس رات اللہ کے لیے نماز پڑھتے رہے اور اللہ سے استغفار کرتے رہے اور دعا مانگتے رہے۔ [رضی اللہ عنہم]



سانحہ کربلا

جمعۃ المبارک کے روز صبح سویرے فریقین کے درمیان گھمسان کا رن پڑا، کیونکہ حضرت حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابن زیاد گورنر کوفہ کو گرفتاری دینے سے انکار دیا تھا۔ فریقین کی عددی اور فوجی طاقت میں بڑا فرق تھا، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے جانثاروں نے اندازہ لگا لیا کہ ان میں اس خونخوار لشکر کو فتح کرنے کی طاقت نہیں ہے، اس لیے انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے شہید ہونے کا عزم صمیم کر لیا۔ چنانچہ وہ یکے بعد دیگرے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے مردانہ وار مقابلے کے بعد شہید ہوتے رہے۔ حتّٰی کہ وہ سب کے سب شہید ہو گئے۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) اور سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ بچا۔

بعد ازاں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ دن کے طویل عرصے تک میدان میں گھومتے رہے اور کوئی شخص آپ کو قتل کرنے کی جسارت پر آمادہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ شمر بن ذی الجوشن آ گیا اور اس نے کوفی جنگجوؤں سے چیخ کر کہا:

افسوس! تمہاری مائیں تمہیں گم پائیں، اسے گھیرے میں لے لو اور قتل کر دو! چنانچہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا۔ آپ اپنی تلوار سونت کر شیر کی طرح ان پر یلغاریں کرتے رہے اور ان غداروں کے سر اڑاتے رہے، بسا اوقات عددی کثرت شجاعت پر غالب آ جاتی ہے۔ (اور ہزاروں کتے، بالآخر شیر کو نڈھال کرنے میں

کامیاب ہو جاتے ہیں)

اسی دوران شمر بن ذی الجوشن (سیدنا حسین کا سوتیلا ماموں) اپنے فوجیوں سے چلا کر کہنے لگا:

تم پر افسوس! تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟!! آگے بڑھو!

چنانچہ وہ آگے بڑھے اور انہوں نے سیدنا حسینؓ کو شہید کر ڈالا۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ) اور جس شخص نے آپ کو قتل کیا اور آپ کا سر تن سے جدا کیا وہ (اشتر نخعی کے قبیلے سے تعلق رکھنے والا) ملعون سنان بن انس نخعی تھا اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو شمر بن ذی الجوشن لعین نے قتل کیا تھا۔ (قَبَّحَهُ اللّٰهُ وَ لَعَنَهٗ)

حضرت حسین کی شہادت کے بعد ان کا سر مبارک کوفہ میں ابن زیاد کی طرف بھیجا گیا۔ جب آپ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے رکھا گیا تو ملعون ابن زیاد آپ کے منہ میں چھڑی داخل کر کے کہنے لگا:

کہ یہ بہت خوبصورت دانتوں والا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ وہاں بیٹھے ہوئے تھے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

اللہ کی قسم! میں تجھے قباحت وخرابی کا داغ لگاؤں گا، میں نے حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس منہ کی وہ جگہ چومتے دیکھا ہے جہاں تو نے چھڑی رکھی ہے۔[1]

طبرانی میں سند صحیح سے مروی ہے کہ امام ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ اگر میں ان لوگوں میں ہوتا، جنہوں نے حضرت حسین کو شہید کیا ہے، پھر میں جنت میں بھی داخل ہو جاؤں، تو مجھے حضرت رسول مقبول ﷺ کے چہرے کو دیکھتے وقت حیا آئے گی۔[2]

(لیکن کوفیوں میں حیا کہاں جو انہیں شہید کر کے بھی ان کی محبت کا دم بھرتے تھے)

---

[1] طبرانی ٥/٢٠٦، حدیث نمبر ٥١٠٧، صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابة: باب مناقب الحسن والحسین، رقم: ٣٧٤٨۔ [2] معجم الکبیر ٣/١١٢۔٢٨٢٩۔

سانحہ کربلا میں حضرت حسینؓ کے ساتھ کون کون شہید ہوئے؟

حضرت حسینؓ کے ساتھ آپ کے بہت سے اہل بیت شہید ہوئے جن کی تعداد اٹھارہ بنتی ہے:

چنانچہ اولاد علیؓ بن ابی طالب میں سے مندرجہ ذیل سادات کرام شہید ہوئے۔

(۱)سیدنا حسین ، (۲)سیدنا جعفر، (۳)سیدنا عباس، (۴)سیدنا ابوبکر ، (۵)سیدنا محمد ، (۶)سیدنا عثمان، (صلوٰت اللہ علیہم ورحمتہ)

حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے۔

(۷)سیدنا علی الاکبر، (۸)سیدنا عبداللہ (جبکہ امام زین العابدین علی الاصغر کو اللہ نے سلامت رکھا)

حضرت سیدنا حسن بن علیؓ کی اولاد میں سے۔

(۹)سیدنا عبداللہ، (۱۰)سیدنا قاسم، (۱۱)سیدنا ابوبکر۔ (صلوٰت اللہ علیہم ورحمتہ)

حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے۔

(۱۲)سیدنا جعفر، (۱۳)سیدنا عبد اللہ، (۱۴)سیدنا عبد الرحمٰن، (۱۵)سیدنا مسلم ،[1] (۱۶)سیدنا عبداللہ بن مسلم۔ (صلوٰت اللہ علیہم ورحمتہ)

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے۔[2]

(۱۷)سیدنا عون ، (۱۸)سیدنا محمد رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

آل رسول کریم ﷺ سے تعلق رکھنے والے مذکورہ اٹھارہ افراد اس بے جوڑ معرکہ میں شہید ہوئے۔

سیدنا حسینؓ کے سامنے شہادت پانے والوں میں سیدنا ابوبکر بن علیؓ (۴)، (۶)سیدنا

[1] تاریخ خلیفه بن خیاط: ۲۲٤.

[2] آپ کوفہ میں ہی شہید کردیے گئے تھے۔

عثمان بن علیؓ، اور (۱۱)سیدنا ابوبکر بن حسنؓ بن علیؓ بھی تھے۔ لیکن آپ کبھی بھی ان کے نام شیعہ کی آڈیو کیسٹوں میں نہ سنیں گے اور نہ ہی ان سادات کرام کے نام ان کتابوں میں مذکور ہیں جو شیعہ صاحبان نے مقتل حسین کے متعلق تصنیف کی ہیں، اس کی آخر وجہ کیا ہے؟

شاید اس لیے کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ سیدنا علی المرتضیٰ بن ابی طالب نے اپنی اولاد کے نام بھی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے نام پر رکھے تھے۔ یا یہ کہ حضرت حسینؓ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق کے نام پر اپنے بیٹے کا نام ابوبکر (یا عمر) رکھا تھا۔ ان کی یہ سرد مہری اور علمی خیانت بڑی عجیب ہے۔

فضائل صحابہ میں امام احمد بن حنبلؒ نے حسن سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ ام المومنینؓ سے روایت ہے کہ:

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس تھے۔ اس وقت حسین میرے پاس تھے وہ رونے لگے تو جب میں نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس چلے گئے، حضرت جبرائیل نے پوچھا:

اے محمد (ﷺ)! تو اس سے محبت کرتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں۔''

اس نے کہا: '' تیری امت عنقریب اسے قتل کردے گی، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس سرزمین کی مٹی نہ دکھاؤں جہاں یہ قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے مٹی دکھائی تو وہ اس جگہ کی مٹی تھی جسے کربلا کہا جاتا ہے۔[1]

حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے شہادت حسین پر

[1] احمد، فضائل الصحابہ ۲/۷۸۲، نمبر: ۱۳۹۱۔

جنات کو نوحہ کرتے ہوئے سنا۔[1]

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس روز آسمان خون برسانے لگا تھا، یا یہ کہ دیواروں پر خون ہی خون نظر آنے لگا تھا، یا جس پتھر کو اٹھایا جاتا اس کے نیچے خون پایا جاتا، یا جس اونٹ کو بھی ذبح کیا جاتا وہ خون بن جاتا، یہ سب بے سروپا حکایات اور شیعی خرافات ہیں۔ جو صرف جذبات کو ابھارنے کے لیے وضع کی گئی ہیں ان کی صحیح سند تو کجا کہیں ضعیف سند بھی نہیں ملتی۔

البتہ طبرانی میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ابورجاء عطاردی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:
ہمارا ایک پڑوسی بَلْھُجین سے تعلق رکھتا تھا، وہ کوفہ آیا اور اس نے کہا تم اس فاسق بن فاسق کو کیا سمجھتے ہو جسے اللہ نے قتل کیا ہے؟ (اس بلھجینی ملعون فاسق نے یہ بات سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بابت کہی تھی۔)

ابو رجاء عطاردی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: اچانک اللہ نے اس پر آسمانوں سے دو تارے سے برسائے جن سے اس کی بصارت ختم ہو گئی۔[2]

فضائل صحابہ میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے دوپہر کے وقت حضرت نبی کریم ﷺ کو خواب میں گرد آلود دیکھا اور اس وقت آپ کے پاس ایک شیشی تھی جس میں آپ خون کے قطرے ڈال رہے تھے۔ میں نے کہا: "اے اللہ کے رسول یہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: "یہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔ میں آج سارا دن یہی کام کرتا رہا ہوں۔

اس حدیث کے راوی عمار فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے خواب کے دن کا تاریخ

---

[1] احمد، فضائل الصحابہ ۲/۷٦٦، / حدیث نمبر: ۱۳۷۳۔و سندہ حسن.

[2] معجم الکبیر ۳/۱۱۲ برقم ۲۸۳۱.

سے موازنہ کیا تو وہ خواب اسی تاریخ کے مطابق ہوا جس دن آپ شہید ہوئے تھے۔[1]

جبکہ حضرت رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ:

«مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي».[2]

''کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے دیکھا۔''

اور یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول کریم کے حلیے کو خوب جانتے تھے!

المختصر یہ کہ سیدنا حسین رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ اس طور سے شہید ہوئے۔

اور جس شخص نے آپ کے قتل کا حکم دیا وہ عبید اللہ بن زیاد تھا لیکن یہ ملعون بھی تھوڑے عرصہ بعد قتل ہو گیا۔ اسے مختار بن ابی عبید ثقفی نے حضرت حسینؓ کے انتقام میں قتل کر دیا تھا حیرت کی بات یہ ہے کہ مختار بن ابی عبید ثقفی خود بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ جنہوں نے مسلم بن عقیل کو کوفہ بلوا کر بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔

یہ تھا حال اہل کوفہ کا، بلکہ سبھی شیعوں کا یہ حال ہے کہ

① اولاً تو وہ اپنے آپ سے اس بات کا انتقام لیتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو بے یار و مددگار کیوں چھوڑا حتٰی کہ وہ شہید کر دیئے گئے اور ان کے اپنے جسموں پر خراش تک نہ آئی۔

② جب حضرت حسینؓ نکلے تو سوائے حر بن یزید اور اس کے چند ساتھیوں کے کسی نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔

چونکہ اہل کوفہ نے آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، اس لیے وہ حسرت سے اپنے سینے پیٹتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اس گناہ کے کفارے کے طور

---

[1] فضائل الصحابه ۲/۷۷۸ نمبر ۱۳۸۰.

[2] بخاری: كتاب التعبير، باب من رأى النبي في المنام برقم: ٦٩٩٤، مسلم، كتاب الرؤيا برقم: ١٠.

پر کرتے ہیں جوان کے بقول ان کے بڑوں نے کیا تھا۔[1]

جامع ترمذی میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عمارہ بن عمیر بیان کرتے ہیں:

کہ جب عبیداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر مسجد میں ترتیب سے رکھے گئے تو میں بھی وہاں گیا، تو وہاں موجود لوگ شور مچا رہے تھے وہ آ گیا! وہ آ گیا! (میں نے دیکھا) کہ ایک سانپ آیا جو سروں کے درمیان سے گذر کر ابن زیاد (ملعون) کے نتھنوں میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد نکل کر غائب ہو گیا اچانک لوگوں نے پھر کہا کہ وہ آ گیا، وہ آ گیا! اس طرح سے اس سانپ نے دو یا تین مرتبہ ایسا کیا![2]

(غور کیجئے) سیدنا حسین بن علیؓ کی شہادت میں گھناؤنا کردار ادا کرنے والے ملعون عبیداللہ بن زیاد سے اللہ تعالیٰ نے کس طرح انتقام لیا (کہ اس کے ساتھیوں سمیت اس کا سر بھی قلم ہوا اور اس کی لاش عبرت کا نشانہ بن گئی اور سانپ والی عبرت ناک سزا اس فرعون صفت کو خصوصی طور پر شاید اس لیے دی گئی کہ اس ظالم نے سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بعد آپ کے منہ مبارک میں چھڑی ڈال کر ان کی بے حرمتی کی تھی۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کی شرعی حیثیت:

حضرت حسینؓ کے خروج سے بظاہر کوئی دینی یا دنیاوی اصلاح نہ ہوئی۔ شائد اسی لیے صحابہ کرام نے آپ کو بروقت روکا تھا۔[3] جبکہ اس خروج کی وجہ سے ان کوفی

[1] مختار بن ابی عبید ثقفی کے اس لشکر کا نام ہی توابین (توبہ کرنے والے) تھا جس نے حضرت حسین کا انتقام لیا تھا۔ یہ نام اس سردمہری اور مجرمانہ غفلت کو تسلیم کرنے کی وجہ سے رکھا گیا، جو اہل کوفہ نے حضرت حسین سے برتی تھی۔ یہاں سے سیاسی طور پر شیعہ کی ابتداء ہوئی البتہ مذہبی طور پر شیعہ بنو امیہ کے دور کے بعد وجود میں آئے۔

[2] ترمذی کتاب المناقب۔ باب مناقب الحسن والحسین۔ ص: ۳۷۸۰.

[3] دیکھیے کتاب ھذا، باب صحابہ کرام کا حسینؓ کو کوفہ جانے سے روکنا صفحہ: ۱۷۲.

ظالموں کو نواسہ رسول سے بدسلوکی کا موقعہ ملا اور انہوں نے آپ کو ظلماً شہید کر دیا۔ اور آپ کے خروج اور قتل سے اتنا نقصان ہوا کہ اگر آپ گھر بیٹھ جاتے تو اتنا نقصان نہ ہوتا لیکن یہ اللہ کی تقدیر تھی جو نافذ ہو کر رہی اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اگرچہ وہ لوگوں کی مرضی کے خلاف ہی ہو۔

شہادت حسینؓ تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم میں ایک المناک حادثہ ہے اور مسلمان قیامت تک اس کی ٹیس اپنے دلوں میں محسوس کرتے رہیں گے۔ تاہم حضرت حسینؓ کی شہادت انبیاء کرام کی شہادت سے بڑی نہیں ہے، حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما الصلوۃ والسلام کا سر ایک رقاصہ کے کہنے پر کاٹ دیا گیا اور حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے قتل کی تدابیر کی گئیں اور حضرت حمزہ اور حضرت عمر فاروق اور عثمان اور علی بن ابی طالبؓ کو خنجروں، نیزوں تلواروں سے گھائل کر دیا گیا۔ اور یہ سب کے سب حضرت حسینؓ سے افضل تھے۔ (اللہ تعالیٰ انہیں ان شہادتوں کی بدولت خوش کر دے)

پھر رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے تذکرے پر گریبان پھاڑے اور چہرے کو پیٹنا شروع کر دے کیونکہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے اس طرح کے افعال سے روک دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُیُوْبَ»[1]

”کہ وہ شخص ہم سے نہیں جو (شدت غم میں) رخسار پیٹے اور گریبان چاک کرلے“

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب لیس منا من شق الجیوب ۱۲۹۴۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا بَرِیٌّ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ» [1]

”میں چیخنے چلانے اور بال منڈوانے اور گریبان چاک کرنے والی سے بری ہوں۔“

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ النَّائِحَةَ إِذَا لَمْ تَتُبْ فَإِنَّهَا تُلْبَسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ دِرْعًا مِنْ جَرَبٍ وَ سِرْبَالًا مِنْ قَطِرَانٍ» [2]

”اگر نوحہ کرنے والی توبہ نہ کرے تو وہ قیامت کے دن خارش کی اوڑھنی اور گندھک کی قمیص پہنائی جائے گی۔“

اس لیے ایک مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس کے سامنے اس طرح کے مصائب بیان کئے جائیں تو وہ ایسے ہی کہے جیسے اللہ نے فرمایا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ [البقرہ:١٥٦]

شہادت حسین کے متعلق لوگوں کے نظریات:

حضرت حسینؓ کی شہادت کے متعلق لوگ تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

پہلے گروہ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کا قتل (نعوذ باللہ) درست ہے کیونکہ انہوں نے امام کے خلاف چڑھائی کی اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارا پارا کرنے کی جسارت کی ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ جَاءَ كُمْ وَ أَمْرُكُمْ عَلٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ یُرِیْدُ أَنْ یُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ كَائِنًا مَنْ كَانَ» [3]

---

[1] مسلم کتاب الایمان رقم:١٦٧۔ [2] مسلم کتاب الجنائز:رقم ٢٩۔

[3] مسلم کتاب الامارۃ ٥٩۔٦٠۔

''جو کوئی انسان اس حال میں تمہارے پاس آئے کہ تمہاری امارت ایک شخص کے سپرد ہو چکی ہو اور وہ تمہاری جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کردو خواہ وہ انسان کیسا ہی کیوں نہ ہو۔''

اور ان کے خیال میں چونکہ حضرت حسینؓ نے مسلمانوں کی جماعت کو (نعوذ باللہ) پھوڑنا چاہا اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جماعت میں پھوٹ ڈالنے والا خواہ کوئی بھی ہو، اسے قتل کردو۔

یہ قول ان ناصبیوں کا ہے جو حضرت حسین بن علیؓ وعن ابیہ سے بغض رکھتے ہیں۔

دوسرے گروہ کے لوگ شیعہ ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ امام تھے ان کی اطاعت واجب تھی اور واجب تھا کہ خلافت ان کے سپرد کی جاتی۔

تیسرے گروہ کے لوگ اہل السنۃ والجماعت ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آپ مظلوم شہید ہوئے اور آپ نہ تو منصب خلافت پر فائز تھے، یعنی اس طرح امام وقت نہیں تھے جس طرح شیعہ حضرات سمجھتے ہیں اور نہ ہی آپ بغاوت کی حالت میں قتل ہوئے، بلکہ آپ مظلوم شہید ہوئے اور (اس گروہ کے لوگوں کا عقیدہ) حضرت رسول کریم ﷺ کے اس قول کے عین مطابق ہے کہ

« اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ » [1]

''کہ حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حسینؓ نے واپس لوٹنے یا شام میں یزید کی طرف جانے کا عزم کرلیا تھا، لیکن کوفیوں نے انہیں عبید اللہ بن زیاد کو گرفتاری دیئے بغیر وہاں جانے سے روک دیا۔

[1] اخرجه الترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب الحسن و الحسين۔ رقم:٣٧٦٨.

شہادت حسینؓ میں یزید کا کردار:

سیدنا حسین رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ کی شہادت میں یزید بن معاویہؒ کا کوئی ہاتھ نہ تھا اور ہماری یہ بات یزید بن معاویہؒ کے دفاع کے قبیل سے نہیں بلکہ حق کے دفاع کے لیے ہے۔

یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو اس لیے بھیجا کہ وہ حضرت حسینؓ کو کوفہ میں داخل ہونے سے روک دے، اس نے عبید اللہ کو آپ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ حضرت حسینؓ بذات خود یزید کے متعلق حسن ظن رکھتے تھے، اسی لیے تو آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو، تاکہ میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: تمام مؤرخین کا اس حقیقت پر اتفاق ہے، کہ یزید بن معاویہؒ نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، البتہ اس نے ابن زیاد کی طرف یہ ضرور لکھا تھا کہ وہ آپ کو عراق کی امارت سے روکے۔ اور جب اسے حضرت حسینؓ کی شہادت کی اطلاع ملی تو اس نے اس پر شدید دکھ اور رنج و الم کا اظہار کیا اور اس کے گھر سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور اس نے اہل بیت کی مستورات کو کبھی بھی قیدی نہ بنایا، بلکہ اس نے ان کا اکرام کیا اور انہیں اکرام کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دی بلکہ انہیں وہاں پہنچایا۔

رہی وہ روایات جو کتب شیعہ میں درج ہیں کہ آل بیت رسول کی عورتوں کی توہین کی گئی اور انہیں قید کر کے شام لے جایا گیا اور وہاں ان کی توہین کی گئی تو یہ سب جھوٹ ہیں (ان کا حقیقت سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں)، بلکہ بنو امیہ (اپنے چچیرے خاندان) بنو ہاشم کی تعظیم کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب عبد الملک بن مروان کو فاطمہ بنت عبد اللہ بن جعفر ہاشمیہ سے حجاج یوسف گورنر عراق کے نکاح کی اطلاع ملی تو اس نے اسے مسترد کر دیا اور حجاج کو حکم دیا کہ وہ اس سے جدا رہے اور اسے طلاق دے دے (اس سے ثابت

ہوا کہ) وہ بنو ہاشم کی تعظیم کرتے تھے، بلکہ ہاشمی خواتین کو کبھی بھی قیدی نہیں بنایا گیا۔[1]
چنانچہ اس دور میں ہاشمی خواتین کا بڑا احترام تھا اور وہ معزز و محترم سمجھی جاتی تھیں۔
لہٰذا یزید کے متعلق جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اہل بیت رسول کی خواتین کو قیدی بنایا، یہ لغو داستان اور بہت بڑا جھوٹ ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ حضرت حسینؓ کے سر مبارک کو یزید کی طرف بھیجا گیا تو یہ بھی سفید جھوٹ ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ہاں البتہ آپ کا سر مبارک عبید اللہ کے پاس کوفہ میں لے جایا گیا اور حضرت حسین کو دفن کر دیا گیا اور ان کی قبر کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا، لیکن مشہور یہ ہے کہ انہیں کربلا میں اسی جگہ دفن کیا گیا تھا جہاں آپ کی شہادت ہوئی تھی۔ رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ۔

یزید بن معاویہؓ کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

یزید بن معاویہؓ کے دور میں برپا ہونے مندرجہ ذیل واقعات کو اہمیت دی گئی ہے:

① سیدنا حسینؓ بن علیؓ کا قتل، ② عبداللہ بن زبیرؓ سے لڑائی، ③ سانحہ حرہ۔

اس بنا پر کچھ لوگ اس پر لعنت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ منع کرتے ہیں، جو لوگ اسے لعنت کرنا جائز سمجھتے ہیں ان کو تین باتیں ثابت کرنا پڑیں گی۔

① وہ ثابت کریں کہ یزید فاسق تھا۔

② وہ ثابت کریں کہ اس نے اس فسق سے توبہ نہیں کی کیونکہ جب کافر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، تو فاسق کی توبہ کیوں قبول نہیں؟

③ وہ ثابت کریں کہ نامزد کر کے فوت شدہ شخص کو لعنت کرنا جائز ہے۔

اور جس میت کو نامزد کر کے اللہ اور اس کے رسول نے لعنت نہیں کی اسے لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ جب ابوجہل کو گالی دی

[1] منهاج السنه ٤/٥٥٧-٥٥٨-٥٥٩.

گئی تو آپ نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰی مَا قَدَّمُوْا»[1]

''کہ فوت شدگان کو گالی نہ دو کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔''

اور اللہ کا دین، سب و شتم پر قائم نہیں ہے (جیسا کہ شیعہ نے سمجھا) بلکہ وہ تو مکارم اخلاق پر قائم ہے، لہٰذا اللہ کے دین میں گالی کی کچھ حیثیت نہیں ہے، بلکہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ»[2]

''کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''[3]

لہٰذا مسلمان کو گالی دینا فسق ہوا اور یزید کو کسی نے بھی ملت اسلام سے خارج قرار نہیں دیا، بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے فاسق کہا گیا ہے اور یہ بھی اس صورت میں کہ اس کے متعلق ذکر کردہ فسق ثابت کیا جا سکے، لیکن اس کا علم اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس ہے۔

دوسری طرف حضرت نبی کریمؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز، باب ما ینهی عن سب الاموات، حدیث ۱۳۹۳.

[2] صحیح بخاری کتاب الایمان، باب خوف المؤمن ان یحبط عمله، رقم:۴۸، مسلم کتاب الایمان: ۱۱۶.

[3] طبقات حنابلہ میں حضرت ابو طالب عکبریؒ کے تذکرہ میں منقول ہے کہ انہوں نے امام احمد سے یزید بن معاویہ پر لعنت کے سلسلے میں پوچھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں گفتگو نہ کر! کیونکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ" ''کہ مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔'' اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم و قد کان یزید منهم" ''کہ سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔'' اور یزید ان میں داخل ہے۔'' (لہٰذا مجھے اس کے معاملے میں خاموشی پسند ہے۔)

«اَوَّلُ جَیْشٍ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ»[1]

''کہ وہ پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔''

اور یہ لشکر یزید بن معاویہ کی قیادت میں تھا۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن عباسؓ، ابو ایوبؓ (خالد) انصاری میزبان رسول ﷺ جیسے سادات صحابہ کرام بھی تھے اور یہ حملہ ۴۹ھ میں ہوا تھا۔

امام ابن کثیر (دمشقی) فرماتے ہیں کہ یزید نے اپنے امیر مسلم بن عقبہ کو یہ کہہ کر فاحش غلطی کی کہ وہ حرة کی بغاوت کچل کر مدینہ کو تین دن مباح سمجھے، کیونکہ اس میں صحابہ کرام اور ان کے بیٹوں کے قتل کی اجازت بھی تھی۔[2]

اس بنا پر ہم یزید بن معاویہ کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ اس کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد ہے۔ جیسا کہ امام ذہبی نے فرمایا:

لَا نُحِبُّهٗ وَ لَا نَسُبُّهٗ. نہ ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور نہ اسے گالی دیتے ہیں۔[3]

لہٰذا ہمیں اس کا معاملہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر چھوڑنا چاہیے واللہ اعلم

---

[1] بخاری كتاب الجهاد باب ما قيل في قتال الروم رقم الحديث: ٢٩٢٤.

[2] دیکھیے صفحہ ٥٤ (البداية والنهاية)۔

[3] طبقات حنابلہ ص ۳۴۲ پر شہرہ آفاق محدث اور فقیہ امام عبدالغنی مقدسی کا فتویٰ منقول ہے کہ انسے یزید بن معاویہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کی خلافت صحیح تھی اور فرمایا کہ بعض علماء کے بقول ساٹھ صحابہ کرام نے اس کی بیعت کی تھی اور ان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی تھے۔ رہا اس سے محبت کا مسئلہ تو جو کوئی اس سے محبت کرے اسے مطعون نہ کیا جائے، اور جو کوئی اس سے محبت نہ رکھے اس پر کوئی گرفت نہیں کیونکہ وہ صحابہ میں سے نہیں ہے اور صحابہ کرام کی محبت رسول اللہ کی محبت کی بنا پر واجب ہے اور یزید کا معاملہ بھی عبدالملک اور اس کے بیٹوں جیسا ہی ہے اس لیے فتنہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے اس کے متعلق بحث نہ کی جائے ورنہ اس کے باپ تک معاملہ پہنچ جائے گا (اور وہ جلیل القدر صحابی ہے)



عدالت صحابہؓ

صحابی کی لغوی تعریف:

صاحب کی طرف منسوب شخص کو صحابی کہتے ہیں اور لغت میں اس کے کئی معانی ہیں جو فرمانبرداری اور ملازمت (یعنی سفر و حضر میں ساتھ رہنے) کے گرد گھومتے ہیں۔[1]

صحابی کی اصطلاحی تعریف:

جو شخص ایمان کی حالت میں حضرت رسول کریم ﷺ سے ملا ہو اور اسلام پر اس کی وفات ہوئی ہو، اسے صحابی کہتے ہیں۔[2]

علاوہ ازیں دیگر تعریفات بھی ہیں۔

اور صحابہ کرام، حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں رہنے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت کے اعتبار سے مختلف درجات رکھتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں صحابہ کرام کی عدالت طے شدہ مسئلہ ہے (اور عنقریب اصحابؓ محمد ﷺ کی عدالت کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ کرام کے اقوال ذکر ہوں گے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] لسان العرب ۱/۵۱۹

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾ [الفتح:۱۸]

''کہ اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، اس نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، اس نے ان پر سکینت نازل کی اور انہیں فتح قریب عطا کی۔''

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ وہ راضی ہوا، کن سے راضی ہوا؟

ان مومنوں سے جنھوں نے درخت کے نیچے حضرت رسول کریم ﷺ سے بیعت کی۔

نیز فرمایا کہ: اس نے جان لی وہ چیز جو ان کے دلوں میں ہے (یعنی ایمان اور سچائی) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ نازل فرمائی (یعنی عین اسی وقت)

لو یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شہادت ان لوگوں کے صدق ایمان پر جنھوں نے درخت کے نیچے حضرت نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت رضوان کی۔ علاوہ ازیں حضرت نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

« لَا يَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اِلَّا صَاحِبُ الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ »[1]

''کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی آگ میں داخل نہیں ہو گا، سوائے سرخ اونٹ والے کے۔''

یہ شخص منافقین میں سے تھا اور ان لوگوں میں شامل تھا جو حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ (عمرہ کے لیے) نکلے تھے اور اس کا نام جُدّ بن قیس تھا۔

[1] ترمذی کتاب المناقب، باب فی فضل من بایع تحت الشجرة، رقم:۳۸۶۳ واصله فی صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم:۱۶۳.

جن لوگوں نے درخت کے نیچے حضرت نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، ان کی تعداد ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) تھی۔ ایک روایت کے مطابق ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی شہادت دی اور ثابت کردیا کہ ان کے باطن ان کے ظاہر کے مطابق ہیں نیز رسول اللہ کی شہادت سے معلوم ہوا کہ ان میں سوائے ایک آدمی کے اور کوئی آدمی منافق نہیں تھا اور حضرت نبی کریم ﷺ نے اس کے متعلق بتا بھی دیا کہ وہ کون تھا۔ اور پھر اس شخص نے آپ کی بیعت نہ کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ﴾

”تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (اس کی راہ) میں لڑائی کی وہ ان لوگوں سے درجات میں بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (اس کی راہ میں) لڑائی کی۔“

پھر فرمایا؟ ﴿ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ﴾ [الحدید: ۱۰]

”اور اللہ نے سب سے اچھائی (یعنی جنت) کا وعدہ کیا ہے۔“

یعنی اس نے ان لوگوں سے بھی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کیا اور اس کی راہ میں لڑائی کی اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے فتح مکہ کے بعد (فی سبیل اللہ) خرچ کیا اور اس کی راہ میں لڑائی کی، سب سے اچھائی (یعنی جنت) کا وعدہ کیا ہے۔“

اور اسی وعدہ کی تائید اس تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴾ [الانبیاء:۱۰۱-۱۰۳]

''بے شک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی کا وعدہ ہو چکا ہے، وہ اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے، وہ اس کی آواز بھی نہ سنیں گے، اور وہ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے جو ان کے نفسوں کو پسند لگیں گی، انہیں بڑی گھبراہٹ بھی غم میں نہ ڈالے گی۔ اور فرشتے یہ کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے کہ یہ ہے وہ دن جس کا تم وعدہ کیے جاتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دوسری شہادت ہے ان عام صحابہ کرام کے متعلق، جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے رہے یا فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور خرچ کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کے مصارف کے متعلق فرمایا:

﴿ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴾

''کہ یہ ان مہاجر ناداروں کے لیے ہے، جو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیے گئے اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں، ان کے قلبی عمل کی تصدیق کرتا ہے۔ کیونکہ خوشنودی اور فضل کی خواہش قلبی عمل ہے۔

آگے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُ والدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾

"اور (مال غنیمت سے حصہ) ان لوگوں کے لیے (بھی) ہے جو وطن بنا چکے تھے گھر (دار الهجرت مدینه) کو اور ایمان کو ان (کی ہجرت) سے پہلے۔"

اور یہ انصار مدینہ تھے۔

نیز فرمایا

﴿ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِمَّا اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [الحشر:۸،۹]

"وہ محبت رکھتے ہیں ان سے جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئیں اور ان (مہاجرین) کو کچھ دیا جاتا ہے تو یہ سینوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے اور انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود بھی فاقہ ہو اور جو لوگ اپنے نفس کی حرص سے محفوظ کر دیے گئے، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ [آل عمران: ۱۱]

"کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔"

اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک امت جسے اللہ تعالیٰ بہترین امت بتائے اور وہ درحقیقت ایسی ہو جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) تمام مہاجرین اور انصار مرتد ہو گئے، سوائے تین آدمیوں کے۔[1] کیونکہ جو امت ساری کی ساری مرتد ہو گئی ہو سوائے

[1] اصول کافی: ۲/ ۲۴٤۔

تین آدمیوں کے، اسے اللہ تعالیٰ ﴿خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ نہیں کہہ سکتا۔

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ» [1]

"کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دینا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد (نصف کلو غلّہ) کے برابر نہیں پہنچ سکے گا اور نہ اس کے نصف کو۔"

صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا۔

وہ کہیں گے:

"لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ يَا رَبِّ"

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

کیا تو نے میرا پیغام پہنچایا؟ وہ کہیں گے: جی ہاں!

پھر نوح علیہ السلام کی امت سے پوچھا جائے گا، کیا انھوں نے تمھیں میرا پیغام پہنچایا؟

وہ کہیں گے، ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا،

تب اللہ تعالیٰ حضرت نوح سے فرمائیں گے: تمھاری گواہی کون دے گا کہ تم نے پیغام پہنچایا تھا؟

وہ کہیں گے: "حضرت محمد ﷺ اور اس کی امت۔"

چنانچہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے لیے گواہی دیں گے۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے

[1] بخاری کتاب فضائل الصحابه، باب قول النبی لو کنت متخذا خلیلا، رقم:٣٦٧٣، مسلم= کتاب فضائل الصحابة رقم:٢٢١.

فرمایا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا، تا کہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول تم پر گواہ بن جائے۔''

پھر حضرت نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کرتے فرمایا:

« اَلْوَسَطُ اَلْعَدْلُ» کہ وسط سے مراد عدل ہے (یعنی متوازن اور افراط و تفریط کے درمیانی راہ چلنے والی امت)۔''[1]

یہ تفسیر حضرت رسول کریم ﷺ سے منقول ہے کہ وسط سے مراد عدل ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ ثابت ہوا کہ یہ امت محمد یہ امت عادلہ ہے، علاوہ ازیں اور بھی بہت سے واقعات ہیں جو اجمالی اور عمومی اعتبار سے حضرت رسول کریم ﷺ کے صحابہ کی عدالت پر دلالت کرتے ہیں۔ (مثلاً) اہل علم نے ان روایات کو جو اصحاب رسول نے آپ کے حوالے سے بیان کی ہیں، کھنگالا اور پرکھا تو کوئی ایک صحابی بھی ایسا نہ ملا جس نے حضرت رسول کریم ﷺ پر کوئی جھوٹ بولا ہو، بلکہ صحابہ کرام کے آخری دور میں جب قدریہ اور شیعہ اور خوارج جیسے فرقوں کی بدعات کا دور شروع ہوا تو کوئی ایک صحابی بھی ایسا نہ ملا جو ان اقوام میں شامل ہوا ہو، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ:

● اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی صحبت کے لیے ان کا انتخاب فرمایا اور وہ آپ کی رفاقت مبارکہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی پسند تھے۔[2]

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر: باب و کذالك جعلنا کم امة وسطا، رقم الحدیث: ٤٤٨٧۔

[2] حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو کسی کے دل کو حضرت محمد ﷺ کے دل جیسا نہ پایا، تو اسے اپنی رسالت اور نبوت کے لیے پسند فرمایا، پھر حضرت محمد کے دل کے بعد باقی لوگوں کے دلوں کو دیکھا، تو کسی کے دل کو صحابہ کرام کے دلوں جیسا نہ پایا، تو اس نے انہیں اپنے نبی کے وزیر بنا دیا۔»

عصمت صحابہ؟

اتنا کچھ ثابت ہونے کے باوجود اس بات پر متنبہ کرنا ضروری ہے کہ ان کی عدالت سے ان کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے، اگر چہ ہم اصحاب رسول کی عدالت کے قائل ہیں لیکن ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے کیونکہ وہ پھر بھی بشر ہیں۔

اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ»

''حضرت آدم علیہ السلام کے سب بیٹے خطا کار ہیں۔''

تو وہ بھی اولاد آدم ہونے کے ناطے سے خطا کار ہیں، وہ غلطی بھی کرتے ہیں اور درستی بھی، اگر چہ ان کی خطائیں ان کی نیکیوں کے سمندر میں غرق ہو چکی ہیں۔[رضی اللہ عنہم]

امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے اہل حق گروہ یعنی اہل السنہ والجماعۃ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل تھے۔ [1]

امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

اہل السنہ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ، سب کے سب عادل تھے اور سوائے چند مبتدعین کے اور کسی نے اس اتفاق کی مخالفت نہیں کی۔ [2]

علاوہ ازیں امام عراقیؒ، امام جوینیؒ، امام ابن صلاحؒ، امام ابن کثیرؒ وغیرہم نے بھی اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ اصحاب رسول سب کے سب عادل ہیں۔

امام ابو بکر خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول سے ان کے متعلق کوئی چیز بھی ثابت نہ ہوتی تو بھی ان کی ہجرت اور نصرت،

مسند احمد ۱/ ۳۷۹۔ [1] استیعاب ۱/ ۸۔ [2] اصابہ ۱/ ۱۷۔

جہاد اورانفاق فی سبیل اللہ، دین حق کی خیرخواہی اور اس کی خاطر اپنی اولاد اور ماں باپ سے لڑائی کرنا، نیز ان کی ایمانی قوت اوریقین قطعی جیسی خوبیاں،اس بات کا اعتقاد رکھنے کے لیے کافی ہیں، کہ وہ ہستیاں، صاف ستھری اور عادل ہیں اور وہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر عادل ہیں جو ابدالآباد تک ان کے بعد آئیں گے۔ [1]

[1] الکفایہ فی علم الروایہ ص:۹۱۔



صحابہ کرام کی عدالت پر نکتہ چینی کرنے والے کون؟

اصحاب رسول ﷺ کی عدالت پر نکتہ چینی کرنے والے چار فرقے ہیں:

شیعہ،...... خارجی،...... ناصبی،...... معتزلی۔

مسلمانوں کے اجماع میں ان لوگوں کی حیثیت، پر کاہ کے برابر نہیں ہے، اس لیے ان کی مخالفت کسی شمار میں نہیں ہے۔

اصحاب رسولؐ پر ان کی نکتہ چینی اور جرح کے دلائل کیا ہیں؟

پہلی دلیل: کچھ صحابہ کرام سے گناہ کا صدور ہونا۔

دوسری دلیل: قرآن وسنت کی نص کے مطابق چند صحابہ کا منافق ہونا۔

تیسری دلیل: عدالت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ ان کے درجات بھی یکساں ہوں، جبکہ ہم سب کے نزدیک ان کے درجات میں مساوات نہیں ہے تو اس طرح ان میں عدالت کی مساوات بھی نہ ہوئی۔

چوتھی دلیل: تمام اصحاب رسول کی عدالت پر کوئی دلیل نہیں پائی گئی۔

بعض صحابہ کرام سے معاصی کا صدور ہونا؟:

جواب: ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ان صحابہ کرام سے گناہوں کا ظہور پذیر ہونا ان کی عدالت کے منافی نہیں۔ ہمارا اعتقاد صرف اتنا ہے کہ وہ عادل ہیں، معصوم نہیں ہیں۔

بعض صحابہ کا نص سے منافق ہونا؟

جواب: رہا ان کا یہ کہنا کہ بعض صحابہ کرام منافق تھے تو یہ صاف جھوٹ ہے۔اس لیے کہ منافقین کا صحابہ میں شمار نہیں ہوتا، کیونکہ جب آپ صحابی کی تعریف پڑھیں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ صحابی وہ ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضرت نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو۔

جبکہ منافقین نے ایمان کی حالت میں حضرت نبی کریم ﷺ سے ملاقات نہیں کی اور نہ وہ ایمان پر فوت ہوئے لہٰذا وہ اس تعریف میں داخل نہیں ہیں۔

عدالت کا تقاضا کہ درجات میں مساوات ہو؟

جواب: باقی رہا ان کا یہ خودساختہ اصول کہ ان کی عدالت سے ان کا مساوی الدرجات ہونا لازم آتا ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ عادل ہیں اور بعض صحابہ، بعض سے افضل ہیں۔ چنانچہ ابوبکر تمام صحابہ رسول سے افضل ہیں ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمانؓ، ان کے بعد علیؓ، ان کے بعد عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم)، ان کے بعد بدری صحابہ اور پھر بیعت رضوان والے صحابہ مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ تفضیلات میں یکساں نہیں ہیں۔

جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ﴾

[الحدید: ۱۰]

”کہ تم میں وہ لوگ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے فی سبیل اللہ خرچ کیا اور لڑائی کی، وہ ان لوگوں سے درجات میں بڑھ کر ہیں، جنھوں فتح مکہ کے بعد (فی سبیل اللہ) خرچ کیا اور لڑائی کی اور اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کیا ہے۔“

تمام صحابہ کی عدالت پر دلیل نہیں؟

جواب: رہا ان کا یہ کہنا کہ تمام صحابہ کی عدالت پر کوئی دلیل نہیں پائی گئی، سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی عدالت کے ثبوت میں قرآن و سنت کے بعض دلائل گذر چکے ہیں، تاہم اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مبتدعین نے صحابہ کی عدالت کی نفی پر بعض دلائل سے استدلال کیا ہے لیکن ان کے دلائل ذکر کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذکر کرتے ہیں کہ:

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [آل عمران: ۷]

”کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی، اس میں محکم آیات بھی ہیں، جو اصل کتاب ہیں، اور دوسری متشابہات ہیں، سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں، فتنہ (گمراہی) کشید کرنے کے لیے اور (غلط) مطلب اخذ کرنے کے لیے جبکہ ان کا اصل مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور علم میں رسوخ رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور عقلمندوں کے سوا کوئی نصیحت نہیں حاصل کرتا۔“

ہم نے کبھی نہیں کہا کہ جو لوگ عدالت صحابہ کے قائل نہیں ہیں، ان کے پاس شبہات نہیں ہیں، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس کتاب اللہ سے شبہات بھی ہیں اور سنت رسول سے بھی۔



صحابہ کرام کے متعلق شبہات اور ان کے جوابات

پہلا شبہ اور اس کا جواب:

پہلے شبہے کے متعلق، اہل بدعت ہمیں اس حدیث نبوی کا مطالعہ کرواتے ہیں جو حوض کوثر کے متعلق ہے کہ:

"يَرِدُ عَلَيَّ رِجَالٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِيْ فَيُذَادُوْنَ عَنِ الْحَوْضِ فَاَقُوْلُ اَصْحَابِيْ اَصْحَابِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ»[1]

''مجھ پر کچھ لوگ وارد ہوں گے، جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ جب وہ حوض کوثر سے دور ہٹا دیئے جائیں گے تو میں کہوں گا میرے ساتھی! میرے ساتھی! تو مجھے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات رواج دی تھیں؟''

اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور اس کی تائید میں بہت سی دیگر روایات بھی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے:

"اِنِّيْ عَلَى الْحَوْضِ حَتّٰى اَنْظُرَ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ مِنْكُمْ وَ سَيُؤْخَذُ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب کما بدأنا اوّل خلق نعیدہٗ رقم: ٤٧٤٠ باب کما بدانا اول خلق نعیدہ۔ و کتاب الفتنۃ، رقم الحدیث: ٤٧٤٠، مسلم کتاب الطھارۃ ٣٦، ٣٧.

أُنَاسٌ دُوْنِي فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ مِنِّي وَ مِنْ اُمَّتِي فَيُقَالُ اَمَا شَعَرْتَ مَا عَمِلُوْا بَعْدَكَ وَاللّٰهِ مَا بَرِحُوا بَعْدَكَ يَرْجِعُوْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ»

"بے شک میں حوض پر ہوں گا، تا کہ میں تم میں سے اپنے اوپر وارد ہونے والوں کو دیکھ سکوں اور عنقریب کچھ لوگوں کو پکڑ کر مجھ سے جدا کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا اے میرے رب! یہ مجھ سے ہیں اور میرے امتی ہیں، تو کہا جائے گا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ اللہ کی قسم یہ آپ کے بعد مسلسل اپنی ایڑیوں پر پھرتے رہے۔"

اس روایت کے راوی ابن ابی ملیکۃ فرماتے ہیں:

«اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ اَنْ نَرْجِعَ عَلٰى اَعْقَابِنَا»

"اے اللہ ہم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹنے سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔"

دوسری روایت اس طرح ہے:

«اَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَلَاُنَازِعَنَّ اَقْوَامًا ثُمَّ لَاُغْلَبَنَّ عَلَيْهِمْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اَصْحَابِي اَصْحَابِي فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ»[1]

"کہ میں تم سے پہلے حوض پر پہنچ چکا ہوں گا اور چند اقوام کے متعلق میں جھگڑا کروں گا پھر میں خاموش کرا دیا جاؤں گا، میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں، یہ میرے ساتھی ہیں، تو مجھے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے تیرے بعد کس قدر بدعات پھیلائیں۔"

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

---

[1] مسلم۔ کتاب الفضائل، رقم: ۲۹۰۲۵۔

چنانچہ ہم ان روایات کا صحیح مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

① پہلی بات یہ ہے کہ ان صحابیوں سے مراد وہ منافقین ہیں جو عہد نبوت میں اسلام کا اظہار کرتے تھے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴾ [المنافقون:۱]

"جب تیرے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں، کہ ہم گواہی دیتے ہیں، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔"

یہ لوگ ان منافقین میں سے تھے۔ جن کے نفاق کو حضرت نبی کریم ﷺ نہیں جانتے تھے، انہی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾ [التوبة:۱۰۱]

"اور آپ کے گرد و پیش اعرابیوں میں سے منافقین بھی ہیں اور اہل مدینہ میں سے بھی چند لوگ حد نفاق تک پہنچ چکے ہیں، تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔"

سو وہ لوگ (جو حوض کوثر سے ہٹا دیئے جائیں گے) ان منافقین میں سے تھے جنہیں حضرت نبی کریم ﷺ صحابہ کرام میں سے سمجھتے تھے لیکن وہ صحابہ نہ تھے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور (سب لوگ جانتے ہیں کہ) اکثر عرب مرتد ہو گئے تھے، حتیٰ کہ سوائے اہل مکہ، اہل مدینہ، اہل طائف اور ایک قول کے مطابق اہل بحرین کے اور کوئی قبیلہ اسلام پر قائم نہ رہا، سب کے سب اپنی ایڑیوں پر پھر گئے، یہی وہ لوگ

ہیں جن کے متعلق حضرت رسول کریم ﷺ فرمائیں گے "اَصُحَابِیُ اَصُحَابِی!" "میرے ساتھی! میرے ساتھی!" تو آپ کو بتایا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کارنامہ (ارتداد) سرانجام دیا تھا کیوں کہ لوگ آپ کے بعد پے در پے اپنی ایڑیوں کے بل پھرتے رہے۔

③ تیسری بات یہ ہے، کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تو رہے، لیکن انہوں نے آپ کی پیروی نہیں کی، لہٰذا وہ لوگ اصطلاحاً صحابی کی تعریف میں داخل نہیں۔

اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا کہ:

« لَئِنُ رَّجَعُنَا اِلَی الْمَدِیُنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلُّ »

"کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت دار، ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔"

تو مدینہ منورہ کے اس رئیس المنافقین کی یہ بات حضرت عمرؓ کو سنائی گئی، تو انہوں نے اللہ کے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ سے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن ماردوں؟

آپ نے فرمایا: نہیں! کہیں یوں نہ کہا جانے لگے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔[1]

چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ نے اسے عُرفاً اپنے صحابہ میں شامل کیا۔ یعنی عرفی یا لفظی اعتبار سے نہ کہ اصطلاحی اور شرعی اعتبار سے کیونکہ عبداللہ بن ابی ابن سلول رئیس المنافقین تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اپنا نفاق ظاہر کردیا تھا اور اللہ نے اسے رسوا کردیا تھا۔

④ چوتھی بات یہ ہے کہ بسا اوقات کلمہ (اَصُحَابِیُ) سے وہ تمام لوگ مراد لیے جاتے ہیں جو قبول اسلام کے حوالے سے حضرت رسول کریم ﷺ کے ساتھی یعنی امتی بنے

[1] بخاری۔ کتب التفسیر۔ باب یقولون لئن رَّجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَةِ، رقم الحدیث: ٤٩٠٧.

اگرچہ انہوں نے آپ کو نہ بھی دیکھا ہو، اور ہماری اس توجیہ پر اُمَّتِی ! اُمَّتِی ! یااِنَّھُمْ اُمَّتِیْ کے الفاظ والی روایت دلالت کرتی ہے۔

باقی رہا حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ میں انہیں پہچانتا ہوں گا، سو آپ واضح کرچکے ہیں کہ میں اس امت کو پہچان لوں گا، چنانچہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ انہیں کیسے پہچانیں گے حالانکہ آپ نے انہیں دیکھا نہیں ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: میں انہیں وضو کے نشانات سے پہچانوں گا۔[1]

ان تمام توجیہات کے بعد گزارش کرتا چلوں کہ خارجی اور ناصبی ومعتزلی حضرات اصحاب رسول کے ارتداد پر اس حدیث پر استدلال نہیں کرتے ہیں بلکہ صرف شیعہ صاحبان ہی استدلال کرتے ہیں تو انہیں کہا جائے گا کہ:

---

[1] بخاری کتاب الوضوء: باب فضل الوضوء رقم: ۱۳۹، مسلم، کتاب الوضوء، رقم: ۳۵.

فائدہ: (پوری روایت اس طرح ہے کہ) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قبرستان پر گئے اور فرمایا:

" اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ، وَدِدْتُ اَنَّا قَدْ رَاَیْنَا اِخْوَانَنَا"

"کہ مومن قوم کے گھر والو! تم پر سلامتی ہو اور بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، میں پسند کرتا ہوں کہ ہم نے اپنے بھائیوں کو دیکھا ہوتا۔"

لوگوں نے کہا: کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟

آپ نے فرمایا: تم میرے صحابی ہو اور ہمارے بھائی وہ لوگ ہیں جو ابھی نہیں آئے۔

لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے ان امتیوں کو کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے؟

آپ نے فرمایا تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے پانچ کلیان گھوڑے ان گھوڑوں میں پھر رہے ہوں جو سیاہ رنگت والے ہیں، تو انہیں پہچان نہ سکے گا؟۔

انہوں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے مقدس رسولؐ۔

آپ نے فرمایا: وہ وضو کی وجہ سے پانچ کلیان آئیں گے اور میں ان سے پہلے حوض پر پہنچ چکا ہوں گا۔ آگاہ رہنا کہ کچھ لوگ میرے حوض سے یوں دور ہٹا دیے جائیں گے جیسے بھٹکا ہوا اونٹ ہٹایا جاتا ہے، میں انہیں آواز دوں گا، ادھر آؤ، تو مجھے کہا جائے گا، کہ انہوں نے آپ کے بعد (آپ کے دین کو) بدل دیا تھا۔ تو میں کہوں گا" سُحْقًا سُحْقًا" کہ: "تمہاری ہلاکت ہو۔"

وہ کون سی دلیل ہے جو حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ وغیرہم اہل بیت کو اس سے مستثنیٰ کرتی ہے؟ اور ان کو مرتدین کی صف میں شامل کرنے سے روکتی ہے؟۔

جبکہ ہم لوگ تو ان محترم ہستیوں کے ارتداد کے قائل نہیں حَاشَا و کَلّا اور اللہ کی پناہ ہم ان کے متعلق ایسا سوچ بھی نہیں سکتے، بلکہ ان کی امامت اور بزرگی کے قائل ہیں اور حدیث نبوی کے مطابق ان کے جنتی ہونے کے قائل ہیں جیسے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حرا پر چڑھے تو فرمایا: اے حراء! ٹھہرا جا! تیرے اوپر نبی ہے، یا صدیق یا شہید [1]

اور اس وقت حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے اور وہ جنتیوں میں ہیں۔

اور آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا حسنؓ اور حسینؓ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ [2]

ہم شیعہ سے کہیں گے کہ اگر تم کہو کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، ابوعبیدہؓ وغیرہ اصحاب رسول ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں حوض سے دور ہٹا دیا جائے گا تو پھر ناصبیوں جیسے لوگوں کو یہ بات کہنے سے کون روکے گا کہ علی بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جنہیں حوض سے روکا جائے گا۔

اگر تم کہو گے کہ حضرت علی کے فضائل ثابت ہو چکے ہیں تو وہ جواب دیں گے کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ کے فضائل ان سے بھی زیادہ ثابت ہو چکے ہیں۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب:

دوسرے شبہے کے متعلق اہل بدعت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے فاسد استدلال

---

[1] سنن ابی داؤد = کتاب السنة: باب في الخلفاء رقم:٤٦٤٨۔ سنن الترمذی= کتاب المناقب۔ باب مناقب سعید بن زید، رقم:٣٧٥٧۔

[2] سنن ترمذی = کتاب المناقب رقم:٣٧٦٨، ابن ماجه=المقدمة فضائل علی بن ابی طالب رقم:١٠٥۔

کرتے ہیں:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾[الفتح:٢٩]

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں بڑے نرم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرنے کے لیے رکوع اور سجدے کرتے ہیں۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے (شرافت و بزرگی کی) علامات ہیں، ان کی یہ مثال تورات میں ہے اور ان کی یہی مثال انجیل میں ہے۔ جیسے کھیتی نے اپنی کونپلیں نکالیں، پھر وہ مضبوط ہوئی، پھر موٹی ہوئی، پھر اپنی ڈالی پر کھڑی ہوئی، اس کا یہ منظر کسان کو دلکش لگتا ہے (اللہ نے انہیں اس کھیتی کی طرح شاداب کیا) تاکہ وہ ان کے ذریعے کفار کو غصہ دلائے (اور وہ صحابہ کی شان کو دیکھ کر دانت پیسنے لگیں)، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے، ان لوگوں کے ساتھ، جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اس آیت میں اصحاب رسولﷺ کی مدح اور تعریف روز روشن کی طرح آشکار ہو رہی ہے لیکن جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت میں (جو ہم نے چند سطریں پہلے بھی ذکر کی ہے) فرمایا ہے:

﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾

''کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی (یا کھوٹ) ہے وہ فتنہ اور من مرضی کا مطلب تلاش کرنے کے لیے متشابہات سے استدلال کرتے ہیں۔''

اسی طرح یہ لوگ، اس آیت کریمہ کے آخری کلمات ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ کے درپے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مِنْهُمْ (بمعنی ''ان میں سے'') سے مراد ان میں سے کچھ لوگ ہیں کیونکہ یہاں ''مِنْ'' تبعیضیہ ہے، اس لیے اللہ نے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا جو ان میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، لہٰذا ان میں سے کچھ لوگ جنت میں جائیں گے اور کچھ نہیں جائیں گے۔[1]

ان لوگوں کا یہ استدلال محض تلبیس اور کذب ہے، بلکہ اس قماش کے لوگوں میں سے چند لوگوں نے اس حد تک جسارت کی کہ اس پر مفسرین کے اجماع کا بھی دعویٰ کر دیا کہ یہاں مِنْ کا لفظ تبعیضہ ہے۔

جبکہ بہت سی وجوہات کی بنا پر یہ دعویٰ سرے سے کذب پر مبنی ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ علمائے تفسیر کے بقول یہاں لفظ (مِنْ) تبعیض کے لیے نہیں ہے یعنی مِنْهُمْ کا مطلب مِنْ بَعْضِهِمْ کبھی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مِنْهُمْ دو معنوں میں آتا ہے۔

① پہلا معنی یہ ہے کہ ان کی جنس اور ان جیسوں سے، جس طرح قرآن حکیم میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ﴾ [الحج: ۳۰]

''کہ تم (ہر طرح کے) بتوں کی پلیدگی سے بچو۔''

[1] ثم اهتديت: ۱۱۷ (المحمد التيجاني الشيعي).

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں ہے کہ تم بعض بتوں کی پلیدگی سے بچو اور بعض سے نہ بچو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم تمام بتوں کی پلیدگی سے بچیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ان جیسے بتوں کی نجاست سے بچو،

② دوسرا معنی یہ کہ یہاں مِنْ مؤکدہ ہے، جس طرح قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ﴾ کہ ہم قرآن سے (وہ چیزیں) نازل کرتے ہیں جو (سراسر) شفاء اور رحمت ہیں۔ چنانچہ اس آیت یعنی ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ ﴾ میں مِنْهُمْ سے مراد مِنْ أَمْثَالِهِمْ ہے۔

③ تیسرا معنی یہ کہ یہاں مِنْهُمْ تاکید کے لیے ہے یعنی ان جیسے نیکوکاروں سے یا ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ [رضی اللہ عنہم]

مزید برآں آیت کے سیاق پر غور کیجئے۔ یہ آیت مکمل طور پر مدح پر مشتمل ہے، اس میں کسی ایک صحابی کی بھی مذمت نہیں ہے، بلکہ تمام صحابہ کی مدح ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

﴿تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾

اور ان کے باطن کے تزکیہ کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

﴿ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان کے رکوع اور سجود اور عاجزی وانکساری کا تذکرہ کرکے ان کی ظاہر کی پاکیزگی بیان کی اور ﴿ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ﴾ کا تذکرہ کرکے ان کے باطن کی پاکیزگی بیان کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف منافقین جیسے بیان نہیں کیے کہ:

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ وَ اِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾

[نساء ١٤٢]

''کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی تگ و دو کرتے ہیں اور وہ انہیں ان کے عمل کی جزا دینے والا ہے، جب یہ نماز کی طرف کھڑے ہوتے ہیں تو ہارے ہوئے دل سے کھڑے ہوتے ہیں اور وہ بھی لوگوں کو دکھانے کے لیے اور وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔''

دیکھیے اللہ نے ان کا وصف کس طرح بیان کیا، ان کے باطن کی پاکیزگی بیان نہیں کی، باوجود اس کے کہ وہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں پھر بھی ان کے باطن کو جھٹلا دیا ہے، جبکہ صحابہ کے متعلق بیان فرمایا:﴿ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾ مزید برآں (مِنْهُمْ) سے، (مِنْ جِنْسِهِمْ) یا (تاکید علیٰ حالهم) مراد لینا، جمہور مفسرین بلکہ تمام اہل سنت مفسرین کا قول ہے مثلاً

(۱) نسفی، (۲) ابن الجوزی، (۳) ابن الانباری، (۴) زمخشری، (۵) الزجاج، (۶) العکبری، (۷) نیشاپوری، (۸) ابن کثیر، (۹) طبری وغیرہم مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر پر بحث کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے کہ یہاں کلمہ ''مِنْ'' تبعیض کے لیے نہیں ہے جیسا کہ دشمنان خدا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ تاکید کے لیے ہے، یا جنس بیان کرنے کے لیے ہے۔[1]

تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

اس طرح کے دیگر شبہات کی طرح وہ اس روایت سے بھی شبہ وارد کرتے ہیں کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ عمرہ کی غرض سے حدیبیہ پہنچے اور وہاں قریش کے ساتھ

[1] دیکھئے اعراب القرآن و صرفه و بیانه تالیف محمود صافی:٢٦، ص:٢٧٢.

مصالحت منعقد ہوگئی، تو آپ نے عمرہ کیے بغیر لوٹنے کے ارادے سے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ سر منڈوائیں اور قربانیاں کریں، تو صحابہ کرام نے آپ کے حکم کی تعمیل نہ کی، اس عدم تعمیل کو دیکھ کر آپ حضرت ام سلمہؓ کے پاس غصہ کی حالت میں تشریف لائے تو انہوں نے پوچھا:

اے اللہ کے پیارے رسول! آپ غصے میں کیوں ہیں؟

آپ نے فرمایا: میں کیوں نہ غصہ کروں، میں لوگوں کو حکم دیتا ہوں، وہ میرے حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔ [بخاری][1]

مبتدعین کہتے ہیں کہ صحابہ رسول ﷺ نے آپ کو ناراض کیا اور اس طرح کے لوگوں کا عادل ہونا محال ہے۔

اس واقعہ کی اصل صورتحال بیان کرنے سے قبل ہم عروہ بن مسعود ثقفی کا حیرت انگیز مشاہدہ بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں، عروہ بن مسعود کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت نبی کریم ﷺ جب کبھی تھوکتے تو صحابہ کرام اسے زمین پر گرنے سے پہلے ہی ہاتھوں ہاتھ لے لیتے تھے اور میں قیصر روم اور کسریٰ ایران اور نجاشی حبشہ کے درباروں میں حاضر ہو چکا ہوں، میں نے کسی کو اپنے بادشاہ کی اس قدر تعظیم کرتے نہیں دیکھا، جس قدر محمد ﷺ کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہاں معاملہ صحابہ کرام کی معصیت ونافرمانی کا نہیں، بلکہ ان کے وفور شوق کا تھا، ان کی شدید آرزو تھی کہ وہ بیت اللہ الحرام کی زیارت کریں، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ کاش حضرت رسول کریم ﷺ اپنی رائے بدل لیں، یا اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنے نبی کو مکہ داخل ہونے کا حکم دے دے۔

اس آرزو میں انہوں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں تاخیر کی، ہماری اس توجیہ پر حضرت ام سلمہؓ کی حکمت دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے یہ صورتحال دیکھ کر فرمایا:

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد: ۲۷۲۱۔

آپ اپنا سر منڈوائیں اور قربانی ذبح کریں۔ چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ نکلے اور اپنا سر منڈوایا اور قربانی کی، تو تمام صحابہ اپنے سر منڈوانے اور قربانیاں کرنے لگے۔

گویا اصل بات یہ ہے کہ یہاں معاملہ معصیت و نافرمانی کا نہیں تھا۔ جیسے کہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ انہوں نے آپ کے بولے بغیر ہی محض آپ کو دیکھ کر اپنے سر منڈوانے اور قربانیاں کرنی شروع کر دیں، کیونکہ انہیں پتہ چل گیا کہ معاملہ اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے اور سوائے واپس لوٹنے کے کوئی چارہ نہیں، اس لیے انہوں نے سر منڈوائے اور قربانیاں کیں اور اللہ کے حکم کی تعمیل کی، اسی بنا پر اللہ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْيُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ﴾

اور یہ بھی نازل فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾

اور پوری سورہ نازل فرما کر اس کا نام سورہ فتح رکھا کیونکہ یہ صلح کے بعد نازل کی تھی اور یہ صلح درحقیقت اصلی فتح تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا کی۔

مزید برآں ہمارا جواب یہ بھی ہے کہ اس روایت سے صرف شیعہ ہی استدلال کرتے ہیں، ناصبی اور خارجی اور معتزلی اس سے استدلال نہیں کرتے، ناصبی تو اس وجہ سے کہ وہ اہل بیت کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اور وہ اس فرقے کے بہت عرصہ بعد ظاہر ہوئے اور خارجی تو اس وقت (صلح حدیبیہ کے وقت) موجود ہی نہ تھے اور پھر خارجی تو ان صحابہ کو بھی کافر کہتے تھے جنہوں نے باہم جنگ کی۔ اور معتزلہ وہ ہیں جو جنگ جمل اور صفین جیسے فتنوں میں شامل ہونے والے اصحاب رسول کی عدالت پر حرف گیری کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہم شیعہ صاحبان سے کہیں گے کہ:

کیا ان کے ساتھ (صلح حدیبیہ کے وقت) حضرت علی بھی تھے یا نہیں؟!

اہل سنت اور شیعہ کا اجماع ہے کہ حضرت علی بھی ان کے ساتھ تھے، بلکہ آپ نے ہی آنحضرت ﷺ اور سہیل بن عمرو کا صلح نامہ لکھا اور حضرت علی بھی قربانی کر رہے تھے، نہ اپنا سر منڈوا رہے تھے تو جس وجہ سے صحابہ کرام کی عدالت مجروح ہوگی اسی وجہ سے حضرت علی کی عدالت بھی مجروح ہوگی، لیکن ہم اہل السنۃ نہ حضرت علی کی عدالت پر طعن کرتے ہیں نہ دیگر صحابہ کرام کی عدالت پر۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب:

(صحابہ کرام کی عدالت میں شبہات ڈالنے والے حضرات) یہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے لشکر اسامہ تشکیل دیا تو اس میں ابو بکرؓ، عمرؓ اور دیگر بڑے بڑے صحابہ کو شامل کیا اور فرمایا: ﴿لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْ جَيْشِ أُسَامَةَ﴾ (کہ اللہ ان پر لعنت کرے جو لشکر اسامہ سے پیچھے رہیں) تو جب حضرت رسول کریمؐ فوت ہوئے اور لشکر اسامہ اپنے سفر پر روانہ ہوا تو ابو بکر و عمر اس کے ساتھ نہ گئے لہٰذا یہ دونوں حضرت رسول کریم ﷺ کی زبان سے (نعوذ باللہ) ملعون قرار پائے۔

ہم کہتے ہیں کہ اوّلاً تو یہ سفید جھوٹ ہے، حضرت نبی کریم ﷺ سے یہ بات ثابت ہی نہیں کہ انہوں نے فرمایا ہو، اللہ اس پر لعنت کرے جو اس لشکر سے پیچھے رہے، یہ ٹھیک ہے کہ حضرت رسول کریمؐ نے لشکر اسامہ تیار کیا، لیکن اس سے پیچھے رہنے والے پر لعنت نہیں فرمائی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی لشکر اسامہ میں تشکیل نہیں ہوئی، کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق تو حضرت نبی کریم ﷺ کی بیماری کے

ایام میں بحکم رسولؐ مسلسل بارہ دن مسلمانوں کو نماز پڑھاتے رہے، تو آپ انہیں بیک وقت مدینہ میں نماز پڑھانے اور لشکر اسامہ کے ساتھ جانے کا حکم کیسے دے سکتے تھے؟

البتہ حضرت عمر فاروق کا نام لشکر اسامہ میں ضرور شامل تھا لیکن جب حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو لشکر اسامہ ابھی مدینہ منورہ میں موجود تھا، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت اسامہ بن زیدؓ کے پاس گئے اور ان سے حضرت عمر فاروق کو مشاورت کی غرض سے اپنے پاس رکھنے کی اجازت لے لی اور یہ بات حضرت ابو بکر صدیق کے عظیم خلق پر دلالت کرتی ہے۔

ورنہ آپ مملکت اسلامیہ کے سربراہ ہونے کے ناطے سے بغیر اجازت طلب کیے بھی انہیں اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم اجمعین.

چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی تو حضرت عمر فاروقؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس ٹھہر گئے۔ یہ ہے لشکر اسامہ کا اصل واقعہ نہ کہ اس طرح جیسے کذاب بیان کرتے ہیں۔ [1]

پانچواں شبہ اور اس کا جواب:

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ فوت ہوئے تو اکثر عرب اللہ کے دین سے مرتد ہو گئے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مرتدین سے لڑنے کی غرض سے لشکر اسلام کو روانہ فرمایا، ان کے سپہ سالاروں میں خالد بن ولید بھی تھے، حضرت ابو بکرؓ صدیق نے انہیں نبوت کا دعویٰ کرنے والے مسیلمہ کذاب کی طرف بھیجا اور وہ اس عظیم معرکے میں فتحیاب ہو گئے۔ اس معرکہ کو معرکہ حدیقہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید، اللہ کے دین سے مرتد ہونے والے عرب قبائل کی خبر لینے گئے، ان میں سے جو قبائل دین اسلام کی طرف لوٹ آتے انہیں وہ چھوڑ دیتے اور جو اپنے کفر پر قائم

[1] دیکھئے تاریخ طبری ۲/ ۴۲۹، الکامل ۲/ ۲۱۵۔ البدایة والنهایة ۵/ ۳۰۲ و ما بعدها.

رہتے ان سے جنگ کرتے۔

حضرت خالدؓ نے جن اقوام پر چڑھائی کی تھی، ان میں مالک بن نویرہ کی قوم بھی تھی اور اس قوم نے حضرت ابوبکر صدیق کو اپنے اموال کی زکاۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، بلکہ ا نے کبھی بھی زکوۃ نہ دی تھی۔

جب حضرت خالد، ان کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ:

تم نے نماز اور زکوۃ کے درمیان تفریق کیوں کی؟ اموال کی زکوۃ کہاں ہے؟

مالک بن نویرہ کہنے لگے، ہم یہ مال آپ کے صاحب کی زندگی میں اسے دیتے تھے، جب وہ فوت ہو گئے ہیں تو ابوبکر کا اس میں کیا حق ہے۔

یہ سن کر حضرت خالد غصے میں آ گئے اور فرمایا کیا وہ ہمارا صاحب ہی ہے کیا وہ تمہارا صاحب نہیں ہے؟۔ آپ نے ضرار بن ازور کو اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔

اور ایک قول کے مطابق مالک بن نویرہ نے نبوت کی جھوٹی دعویدار سجاح بنت الحارث کی پیروی کر لی تھی۔[1]

کتب تاریخ میں ایک تیسری روایت بھی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ

جب حضرت خالدؓ نے ان سے اس مسئلہ پر گفت وشنید کی اور انہیں ڈرایا دھمکایا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو قید کر لیا تو اپنے ساتھیوں سے کہا: "أَدْفِئُوا أَسْرَاكُمْ" "کہ اپنے قیدیوں کو گرمائش دو۔" کیونکہ رات ٹھنڈی تھی۔ لیکن بنو ثقیف کی لغت میں "أَدْفِئُوا الرَّجلَ" کا مطلب یہ تھا کہ اسے قتل کر دو۔

لہٰذا انہوں نے سمجھا کہ خالدؓ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں، تو انہوں نے ان قیدیوں کو حضرت خالد کی اجازت کے بغیر قتل کر دیا۔

[1] اس بات کو شیعی عالم ابن طاؤس نے بیان کیا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ: بنو تمیم اور زیات مرتد ہو گئے تھے اور مالک بن نویرہ یربوعی کی کمان میں چلے گئے تھے دیکھئے فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب ص:۱۰۵۔

ان تینوں وجوہات میں سے کوئی وجہ بھی ہو، حضرت خالد نے تاویل کی بنا پر انہیں قتل کیا۔ اس لیے ان پر عیب نہیں لگایا جا سکتا۔

باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ یربوعی کو قتل کر کے اسی رات اس کی بیوی سے خلوت کی تو یہ صریح جھوٹ ہے۔

البتہ حضرت خالدؓ نے جب اسے قتل کیا اور اس قوم کو قیدی بنایا تو اس کی بیوہ کو بھی قید کر لیا، لیکن یہ کہنا کہ آپ نے پہلی رات ہی اس سے خلوت کی، یا مالک بن نویرہ کو اس کی بیوی ہتھیانے کے لیے قتل کیا، تو یہ سب جھوٹ ہے۔[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں (دادِ شجاعت دینے والا غازی) حضرت خالد بن ولید وہ مجاہد ہے جو کہا کرتا تھا۔

« لَأَنْ أُصَبِّحَ الْعَدُوَّ فِي لَيْلَةٍ شَاتِيَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تُهْدَى إِلَيَّ فِيهِ عَرُوسٌ أَوْ أُبَشَّرَ فِيهَا بِوَلَدٍ»[2]

''سرد ترین رات میں صبح تک دشمن سے برسر پیکار رہنا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ اس میں مجھے خوبصورت دلہن دی جائے یا مجھے اس میں لڑکے کی بشارت دی جائے۔''

حضرت خالد ان عظیم جرنیلوں میں سے ہیں جن کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« خَالِدٌ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ سَلَّهُ اللّٰهُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ»[3]

---

[1] دیکھیے البدایة والنهاية ٦/٣٢٦.   [2] البداية والنهاية ٧/١١٧.

فائدہ: (خلیفۃ المسلمین سیدنا ابوبکر فرمایا کرتے تھے کہ: عجزن النساء ان يلدن مثل خالد کہ عورتیں خالد جیسا جوان مرد پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔''

[3] فتح الباری کتاب فضائل صحابہ باب مناقب خالد ٣٧٥٧، ابن عساکر ٥/١٠/٨، دیکھئے سلسلة الاحاديث الصحيحة ١٢٣٧.

"کہ خالد تو، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، جسے اللہ نے مشرکین پر سونتا ہوا ہے۔"

اسی بنا پر جب حضرت خالد بن ولیدؓ سے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے قتل جیسا سانحہ سرزد ہوا، تو حضرت عمر نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ خالد کو معزول کر دیجئے، کیونکہ اس کی تلوار میں خونریزی ہے۔

تو حضرت ابو بکر نے فرمایا:

« لَا وَاللّٰهِ ! سَيْفٌ سَلَّهُ اللّٰهُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ »[1]

"اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا، وہ تلوار ہیں جسے اللہ نے مشرکین پر سونتا ہے۔"

چھٹا شبہ اور اس کا جواب:

امیر معاویہ کا حجر بن عدی کو قتل کرنا،

حجر بن عدی کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا تابعی۔

امام بخاریؒ، ابو حاتم رازیؒ، ابن حبانؒ، ابن سعدؒ، خلیفہ بن خیاطؒ، جیسے جمہور اہل علم کے قول کے مطابق حجر بن عدی تابعی ہیں، صحابہ سے نہیں ہیں۔[2]

امیر معاویہ نے حجر بن عدی (کوفی) کو قتل کس بنا پر قتل کیا؟

حجر بن عدی، حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھیوں میں سے تھے اور ان کے ساتھ مل کر صفین میں لڑے تھے مگر ان کے قتل کا واقعہ عام الجماعۃ یعنی حضرت معاویہ کے حق میں حضرت حسن کی دست برداری اور حضرت امیر معاویہ کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد وقوع پذیر ہوا۔ صلح کے بعد حضرت معاویہ نے زیاد بن ابو سفیان کو کوفے کا گورنر بنایا (اور کوفہ والوں کا حال کسی سے مخفی نہیں، کیونکہ یہی لوگ ہیں جنھوں نے

[1] الكامل في التاريخ ٢/٢٤٢.   [2] الاصابة ١/٣١٣.

حضرت علی کو قتل کیا اور ان کے بیٹے حسنؓ سے خیانت کی، اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت سعدؓ کی امارت پر اعتراض کیا، اور انہی لوگوں نے حضرت ولید بن عقبہ کی امارت پر طعن کیا، اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی امارت کو مورد اعتراضات بنایا، بلکہ یہ تلوار کی قوت کے بغیر کسی سے راضی نہ ہوئے) اور یہی زیاد بن ابوسفیان قبل ازیں حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے۔[1] جب حضرت معاویہ نے صلح کے بعد خلافت سنبھالی تو اسے بصرہ پر برقرار رکھا اور کوفہ بھی اس کے کنٹرول میں دے دیا۔

ایک دن صورتحال یہ پیدا ہوئی کہ زیاد بن ابوسفیان، لوگوں میں جمعۃ المبارک کا خطبہ دے رہے تھے اور ایک قول کے مطابق انہوں نے خطبہ طویل کردیا تو حجر بن عدی کھڑا ہوکر کہنے لگا "اَلصَّلٰوۃَ اَلصَّلٰوۃَ"، (نماز پڑھاؤ، نماز پڑھاؤ) لیکن زیاد نے خطبہ جاری رکھا تو اس نے اسے پتھر مارا۔ یہ دیکھ کر حجر کے ساتھی بھی کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی پتھر مارے اور یہ حرکت عین اس وقت کی گئی جب وہ منبر پر کھڑا خطبہ دے رہا تھا، زیاد بن ابوسفیان نے حضرت معاویہ کو اس بدتمیزی کی اطلاع دی، تو انہوں نے حجر بن عدی کو اپنے پاس حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا، کیونکہ اس نے فتنہ بھڑکانے کی سعی کی تھی۔[2] اور شاید حضرت معاویہ نے سوچا کہ سرے سے فتنہ کی جڑ ہی کاٹ دی جائے، اس لیے آپ نے حجر کے قتل کا حکم دیا۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہؓ سے پوچھا کہ تم نے حجر بن عدی کو کس بنا پر قتل کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: آپ مجھے اور حجر کو چھوڑیے یہاں تک کہ ہم اللہ کے ہاں ملاقات کریں![3]

---

[1] تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ۲۰۱، ۲۰۲۔

[2] الاصابۃ: ۱/۳۱۳، سیر اعلام النبلاء ۲/۴۶۳۔۴۶۶، مکمل تفصیل البدایۃ والنہایۃ ۸/۵۲ پر دیکھیے

[3] البدایۃ والنہایۃ ۸/۵۵ اور دیکھیے العواصم من القواصم ۲۲۰۔

اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انہیں اور حجر کو چھوڑیے حتی کہ وہ اللہ کے ہاں اکٹھے پیش ہوں۔

ساتواں شبہ اور اس کا جواب:

قضیہ فدک اور میراث فاطمہؓ۔

(عدالت صحابہ کرام میں شبہات پیش کرنے والے) کہتے ہیں کہ:

حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ ابوبکر صدیق سے حضرت نبی کریمؐ کے ورثہ سے حصہ مانگنے آئیں۔

اس دلیل سے استدلال کرنے والے بھی شیعہ ہیں اور وہ حضرت فاطمہ کے فدک کی جاگیر طلب کرنے کی توجیہ میں اختلاف کرتے ہیں۔

کچھ شیعہ مجتہدین کہتے ہیں کہ فدک کی جاگیر، حضرت فاطمہؓ کے لیے، حضرت رسول کریم ﷺ کا ورثہ تھی اور دیگر شیعہ مجتہدین کہتے ہیں کہ یہ ہبہ تھی اور حضرت رسول کریم ﷺ نے خیبر کے دن حضرت فاطمہؓ کو ہبہ کی تھی۔

پہلے قول کی بنا پر کہ فدک کی جاگیر، حضرت رسول کریم ﷺ کا ورثہ تھی، اس کا تذکرہ صحیح بخاری و مسلم میں اس طرح ہے کہ حضرت رسول کریمؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس، حضرت رسول کریم ﷺ کی فدک اور خیبر والی جاگیر سے وراثت طلب کرنے کے لیے تشریف لے گئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

میں نے حضرت رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

« إِنَّا لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ »[1] یا «مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ »[2] یا

---

[1] صحیح مسلم كتاب الجهاد والسير، رقم: ٤٩.

[2] صحيح بخارى كتاب فرض الخمس، رقم: ٣٠٩٣، مسلم كتاب الجهاد والسير: ٤٩.

«مَاتَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ»[1]

”کہ ہم انبیاء کا گروہ ہیں کسی کو ہمارا وارث نہیں ٹھہرایا جاتا ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“

اس معنی کی یہ تین روایات ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو انہی الفاظ میں یہ حدیث سنائی۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ:

«اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرَثُ »[2]

”کہ ہم انبیاء کی جماعت ہیں، کسی کو ہمارا وارث نہیں ٹھہرایا جاتا۔“

لیکن صحیحین کی روایت ہے کہ:

«اِنَّا لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ»

”بے شک ہمارا وارث نہیں ٹھہرایا جاتا، ہم جو کچھ ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“

اس پر حضرت فاطمہؓ، حضرت ابو بکرؓ صدیق سے ناراض ہوگئیں، یا تو اس خیال سے کہ ابو بکرؓ نے حدیث نبوی سمجھنے میں غلطی کی، یا پھر سننے میں غلطی کی۔ جبکہ حضرت فاطمہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے عموم سے استدلال کیا کہ:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾

[النساء: ١١] وغیر ذالك

اہل السنہ اس مسئلہ میں حضرت ابو بکرؓ کا عذر تلاش نہیں کرتے، بلکہ وہ حضرت فاطمہ کا عذر تلاش کرتے ہیں، کیونکہ وہ صاف دیکھ رہے ہیں، کہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت نبی کریم ﷺ کی متواتر حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور اس حدیث کو حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن

[1] صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر، رقم: ٥١. [2] مسند احمد ٢/٤٦٢.

عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ اور بذات خود حضرت علیؓ نے بھی حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ:

«اِنَّا لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»[1]

"بے شک ہمارا وارث نہیں ٹھہرایا جاتا۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ نے اس جواب کو قبول نہ کیا تو اہل السنہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ حضرت فاطمہ کا عذر تلاش کریں، کیونکہ وہ حضرت ابوبکر صدیق کو حضرت فاطمہؓ کے حق میں قصوروار نہیں سمجھتے۔

شیعی مجتہدین کہتے ہیں کہ وہ ابوبکرؓ سے ناراض ہوئیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر ابوبکرؓ صدیق پر اللہ راضی ہو گیا، تو انہیں حضرت فاطمہؓ کی ناراضی نقصان نہیں دے گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾

[فتح:١٨]

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اس دن حضرت رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں سے اول نمبر پر تھے۔ لہٰذا جس شخص سے اللہ راضی ہو گیا اور اس کا رسول بھی راضی ہو گیا تو اسے کسی ناراض ہونے والے کی ناراضی کچھ نقصان نہ دے گی۔

(خیر یہ تو چند معروضی گزارشات تھیں) لیکن ہم تفصیل کے ساتھ اس دلیل کا جواب ذکر کرتے ہیں۔

ان کا یہ کہنا کہ وہ جاگیر حضرت نبی کریم ﷺ کا ورثہ تھی، تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا:

«اِنَّا لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ» اس کا معنی یہ ہے کہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ

---

[1] صحیح بخاری: کتاب فرض الخمس رقم ٣٠٩٤، صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر، رقم ٤٩.

صدقہ ہے۔ اسی بنا پر صحیح مسلم کے بعض طرق میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں «مَا تَرَكْنَا، فَهُوَ صَدَقَةٌ» کہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

شیعہ مجتہدین اس حدیث کی معنوی تحریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ «مَاتَرَكْنَا صَدَقَةً» میں لفظ ''ما'' نافیہ ہے، یعنی ہم نے صدقہ نہیں چھوڑا۔

جبکہ اہل السنۃ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ مَا موصولہ ہے اور صحیحین کی صحیح روایت میں بھی یوں ہی ہے کہ «مَاتَرَكْنَا صَدَقَةٌ» رفع کے ساتھ ہے اور «مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ» کے الفاظ والی روایت بھی اس معنیٰ کی تائید کرتی ہے کہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔''

مزید برآں وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی استدلال کرتے ہیں، جو حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق ہے کہ انہوں نے فرمایا:

﴿ فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾ [مریم:۵، ۶]

''کہ مجھے اپنی جناب سے وارث نصیب فرما جو میرا بھی وارث ہو، اور آل یعقوب کا بھی، اور اے اللہ! اسے برگزیدہ بنا۔''

ان کا استدلال یہ ہے کہ یہاں اللہ نے وراثت ثابت کی ہے، اور حضرت سلیمانؑ کے متعلق ارشاد ہے:

﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ [نمل:۱۶]

''اور سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث بنے۔''

ان دونوں آیتوں کی تفسیر مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی آیت یعنی فرمان الٰہی ﴿ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ﴾ کے متعلق ہماری گزارش یہ ہے کہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی بھی نیک آدمی کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے فقط مال کا وارث بنانے کی خاطر، لڑکا طلب کرے، تو ہم کیسے مان لیں کہ حضرت زکریا جیسا کریم النفس نبی، اللہ تعالیٰ سے ایسی اولاد مانگے جو فقط اس کی دولت کی وارث ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ وہ سفید پوش درویش پیغمبر تھے اور پیشہ کے اعتبار سے بڑھئی تھے۔ ان کے پاس کتنا مال تھا جس کا وہ اللہ تعالیٰ سے وارث طلب کرنے لگے تھے؟! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی، مال جمع نہیں کرتے، اور جو کچھ وہ کماتے ہیں اسے نیکی کے کاموں میں خرچ کر دیا کرتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ يَرِثُنِي وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوبَ﴾ (کہ جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی) کے سیاق پر غور کیا جائے کہ آل یعقوب کے اشخاص کتنے ہوں گے؟!

اور حضرت یحییٰ علیہ السلام آل یعقوب میں کس نمبر پر ہیں؟ آل یعقوب میں حضرت موسیٰ، حضرت داوٴدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یحییٰ شامل ہیں اور بذات خود حضرت زکریا علیہ السلام بھی! بلکہ بنو اسرائیل کے تمام انبیاء آل یعقوب ہیں، اور یعقوب علیہ السلام ہی اسرائیل ہیں۔

یہ تو ان کی بات ہوئی جو آل یعقوب سے نبی ہوئی۔ اگر انبیاء کے علاوہ یعقوب کی دیگر اولاد کو بھی حصہ دیا جائے تو حضرت یحییٰ کو کیا ملے گا؟ اور وہ قریبی ورثاء کی وجہ سے محجوب الارث بھی ہوں گے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فرمان الٰہی: ﴿ يَرِثُنِي وَ يَرِثُ مِن آل یعقوب﴾ کے الفاظ ہی اس شخص کا رد کر رہے ہیں جو فقط مال کی وراثت مراد لے رہا ہے، بلکہ زکریا علیہ السلام نے تو حضرت یعقوبؑ کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ بھی نبی تھے اور زکریاؑ بھی نبی ہیں، لہٰذا انہوں نے چاہا کہ وہ بیٹا نبوت، علم اور حکمت کا وارث بنے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّا مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ» یا آپ کا فرمان کہ «إِنَّا لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»

"کہ ہم جو انبیاء کی جماعت ہیں کسی کو ہمارے ترکہ کا وارث نہیں ٹھہرایا جاتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔"

اس کی وضاحت صحیح بخاری کی معلق حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ»[1]

"کہ انبیاء کرام درہم ودینار کے وارث نہیں بناتے (یا چھوڑتے) بلکہ وہ تو صرف علم کے وارث چھوڑتے ہیں۔"

باقی رہی دوسری آیت ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ تو اس میں بھی حضرت سلیمان حضرت داؤد کے مال کے وارث نہیں ہوئے تھے، بلکہ آپ نبوت، حکمت اور علم کے وارث ہوئے تھے، اور ہماری اس تاویل کی دو وجوہات ہیں۔

ایک تو یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی سو بیویاں اور تین صد لونڈیاں تھیں اور ان سے بہت سی اولاد تھی، تو اکیلے حضرت سلیمان کس طرح ان کے وارث بن سکتے تھے؟ بلکہ حضرت سلیمان کے دوسرے بھائی بھی ان کے وارث ہوں گے، لہٰذا صرف حضرت سلیمان کو ان کے مال کا وارث سمجھنا درست نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس سے مالی یا مادی وراثت مراد ہوتی تو کتاب اللہ میں اس کے خصوصی ذکر کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ بات ہر خاص و عام کو معلوم ہے

[1] صحيح بخاري كتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل، ابو داؤد كتاب العلم باب الحث على طلب العلم ٣٦٤١ واسناده صحيح.

کہ فطرتی طور پر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوتا ہے، اس صورت میں تو ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ کا فرمان تحصیل حاصل ہے (بنا بریں معلوم ہوا) کہ بلا شبہ یہاں اللہ تعالیٰ نے دوسری چیز کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے، اور وہ ہے وراثت نبوت، لہٰذا ان کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں کہ (رشتہ داروں کو) انبیائے کرام کا وارث بنانا درست ہے اور صحیح یہ ہے کہ کسی کو ان کا وارث نہیں بنایا جاتا۔

باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ فدک کی جاگیر حضرت رسول کریم ﷺ کی طرف سے ہدیہ اور ہبہ تھی اور آپ نے وہ جاگیر حضرت فاطمہ کو خیبر والے دن عطا کی تھی اور وہ اپنی کتابوں میں یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فتح خیبر کے بعد ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ﴾ (کہ قرابت داروں کو ان کا حق دیں) کے نازل ہونے پر، حضرت فاطمہ کو بلایا اور انہیں فدک کی جاگیر عطا کی۔[1]

لہٰذا ہم تھوڑی دیر ٹھہر کر اس کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ من گھڑت افسانہ ہے، کیونکہ نہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور نہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کی جاگیر عطا کی، بلکہ صحیح اور اصل بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فدک کی جاگیر کا مطالبہ ہبہ کی بنا پر نہیں بلکہ ورثہ کے اعتبار سے کیا تھا۔ (اور خیبر، ۷ ہجری کے شروع میں فتح ہوا تھا۔)

وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خیبر پر فتح عطا کی تو اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ﴾ نازل فرمائی، تو آپ نے فاطمہ کو بلایا اور اسے فدک کی جاگیر عطا فرمائی (لہٰذا ہم مندرجہ بالا افسانے کے مصنفین کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ) حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بیٹے کو اپنا باغ ہبہ کیا اور میں آپ کو گواہ بنانا

[1] تفسیر صافی ۳/۱۸۶۔

چاہتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: ''کیا تو نے اپنی ساری اولاد کو اتنا کچھ دیا ہے؟ اس نے کہا: ''نہیں، تو آپ نے فرمایا: ''جا چلا جا، میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔''[1]

آپؐ نے اس بات کو ظلم ٹھہرایا کہ کوئی آدمی اپنی اولاد میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دے (سوچنے کی بات یہ ہے) کہ حضرت نبی کریمؐ تو ظلم پر گواہ نہ بنے، تو وہ یہی ظلم خود کس طرح کر سکتے تھے، بلکہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کو پاک اور معصوم سمجھتے ہیں۔

ان مجتہدین کو اصرار ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فتح خیبر کے بعد حضرت فاطمہ کو فدک کی جاگیر عطا کی۔ اور خیبر ۷ ھ کو فتح ہوا تھا۔ اور اس وقت آپ کی دوسری بیٹیاں، حضرت زینب، اور حضرت ام کلثومؓ بھی زندہ تھیں کیونکہ حضرت زینب ۸ھ میں[2] اور حضرت ام کلثومؓ ۹ ھ[3] میں فوت ہوئیں، تو آپ ان دونوں کو نظر انداز کر کے صرف حضرت فاطمہ کو کس طرح ہبہ کر سکتے تھے؟! صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ۔ یہ تو حضرت نبی کریم ﷺ پر بہتان ہے کیونکہ اس مکذوبہ روایت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنی اولاد کے درمیان فرق کرتے تھے۔ جبکہ آپ تو ظلم پر گواہ بننے پر راضی نہ ہوئے تھے، تو خود کس طرح ظلم کر سکتے تھے؟!

لہٰذا دونوں اقوال ساقط الاعتبار ٹھہرے، اور ثابت ہوا کہ وہ جاگیر نہ تو ہبہ تھی اور نہ ورثہ، اس مسئلے میں ایک قابل غور عجیب بات ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے، ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علیؓ اگر ہم فرض کرلیں کہ فدک کی جاگیر ورثہ کی صورت میں یا ہبہ کی صورت حضرت فاطمہؓ کی تھی تو وہ ان کی ملک میں داخل ہوئی اور سیدہ فاطمۃ الزہراء، آنحضرت ﷺ کے سانحہ ارتحال کے چھ ماہ بعد فوت ہوگئیں، تو فدک کی جاگیر کن کی ملک میں گئی؟ ظاہر ہے کہ

---

[1] مسلم۔ کتاب الھبات برقم ١٤.   [2] سیر اعلام النبلاء ٢/ ٢٥٠، الاصابة ٤/ ٣٠٦.

[3] سیر اعلام النبلاء ٢/ ٢٥٢، الاصابه ٤/ ٤٦٦.

وہ ورثاء کی ملک میں چلی گئی، تو اس صورت میں حضرت علی المرتضیٰ کا چوتھا حصہ بنا کیونکہ فرعی وارث موجود ہیں۔ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کے تحت باقی حصے سیدین حسنین کریمین اور زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہم کو ملیں گے اور جب حضرت علیؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے اپنی اولاد کو فدک سے حصہ نہ دیا، اگر فدک کی جاگیر، حقداروں کو نہ دینے کی وجہ سے خاکم بدہن حضرت ابوبکرؓ ظالم تھے اور حضرت عمرؓ بھی ظالم تھے اور حضرت عثمانؓ بھی ظالم تھے تو اس طرح حضرت علی بھی ظالم ثابت ہوئے (نعوذ باللہ) اور ہم (بحمد للہ) حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کو ظلم سے پاک سمجھتے ہیں۔ لہٰذا فدک کی جاگیر نہ تو حضرت رسول کریم ﷺ کی طرف سے ورثہ تھی اور نہ ہی ہبہ۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کو فدک کی جاگیر نہ ملی تو وہ ناراض ہوگئیں اور اپنے باپ کی قبر کی طرف شکوہ لے کر گئیں!

یہ سفید جھوٹ ہے! بلکہ یہ بات حضرت سیدہ فاطمہؓ کے شایان شان بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے مقدس نبی یعقوب علیہ السلام کی پریشانی کے وقت کی فریاد کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ [یوسف:۸۶]

"میں اپنی پریشانی (بے بسی) اور غم کی فریاد اللہ سے کرتا ہوں۔"

تو حضرت فاطمہؓ کو کس طرح یہ زیب دیتا تھا کہ وہ اپنے دکھ اور غم کا شکوہ حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ان کی وفات کے بعد لے جائیں، بلکہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ الزہراءؓ کی شان بہت بلند ہے اور وہ اپنے دکھ اور غم کا شکوہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرسکتیں۔

اور ان کا یہ کہنا کہ حضرت فاطمہ الزہراءؓ حضرت ابوبکرؓ سے ناراض ہوگئیں اور ناراضی کی حالت میں فوت ہوئیں، اور مشہور بھی ایسے ہی ہے، ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ وہ ناراض ہوئیں، لیکن ہم اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قصور نہیں سمجھیں گے، بلکہ

حضرت فاطمہؓ کی ناراضی کا عذر تلاش کریں گے کیونکہ ان کی ناراضی بلاوجہ تھی۔

اور یہ بھی مشہور ہے کہ حضور ابوبکر صدیق نے انہیں راضی کر لیا تھا جیسا کہ بہت سے اہل علم نے حضرت امام شعبی سے صحیح سند کے ساتھ مرسلاً روایت کیا ہے۔[1] اور امام شعبیؒ کبار تابعین میں سے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو خوب جاننے والا ہے۔

اور اسی طرح یہ بھی مشہور ہے، کہ انہیں حضرت ابوبکر صدیق کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا تھا، تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیوی انہیں غسل دے اور ابوبکرؓ کو ان کی موت کا پتہ نہ ہو؟ اور صحیح بات یہ ہے کہ انہیں رات کو دفن کیا گیا اور حضرت ابوبکر کو اطلاع نہ دی گئی۔

اسی طرح شیعہ کا قول ہے کہ ان کی قبر نامعلوم ہے، یہ جھوٹ ہے کیونکہ ان کی قبر جنت البقیع میں ہے۔

علاوہ ازیں شیعہ کے نزدیک عورت، عقار (جاگیر) کی وارث نہیں بن سکتی، بالفرض اگر فدک کی جاگیر، وراثت بھی ہوتی تو (شیعہ کے مطابق) حضرت فاطمہ کو اس سے کچھ نہیں مل سکتا کیونکہ وہ عقار (زمین) تھی۔[2]

آٹھواں شبہ اور اس کا جواب:

وہ آٹھواں شبہ یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ اچانک تھی، اور ہم بھی کہتے ہیں کہ ہاں یہ درست ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کی بیعت کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ اچانک ہوئی تھی لیکن ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم صحیح بخاری سے حضرت عمرؓ کا قول پورے سیاق و سباق سے پیش

[1] فتح الباری ٦/٢٣٣۔ [2] الفروع من الکافی ٧/١٢٩ نمبر ٨، ٩، ١٠، ١١۔



کرتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کو یہ بات پہنچی کہ لوگوں میں سے کسی نے کہا ہے کہ اللہ کی قسم! اگر عمرؓ فوت ہو گئے تو میں فلاں آدمی کی بیعت کروں گا اور حضرت ابو بکرؓ کی بیعت اچانک ہوئی تھی۔

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے کہ: ''اللہ کی قسم اگر عمر فوت ہو گیا تو میں فلاں آدمی کی بیعت کرلوں گا (خبردار!)، تم میں سے کوئی یہ کہہ کر کسی فریب میں مبتلا نہ ہو کہ ابو بکر کی بیعت اچانک ہوئی اور برقرار رہی، یہ ٹھیک ہے کہ وہ اچانک ہوئی تھی لیکن اللہ نے اس کے فساد سے بچا لیا اور تم میں حضرت ابو بکر صدیق کی سی عظمت اور فضیلت والا آدمی موجود نہیں کہ اس کی طرف گردنیں اٹھتی ہوں!

اس کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ انصار کے قبیلے بنو ساعدہ کے سقیفہ میں جانے کا واقعہ بیان کیا اور اس میں یہ بات بھی بیان کی کہ: میں نے اپنے ذہن میں ایک بات کو بنایا اور سنوارا، میں چاہتا تھا کہ ابو بکر صدیقؓ کے سامنے کھڑا ہو کر اسے بیان کروں اور اس کے ذریعے لوگوں کے جوش کی تیزی کو قدرے ٹھنڈا کروں، لیکن جب میں نے کھڑے ہو کر بات کرنا چاہی تو حضرت ابو بکر نے فرمایا: ''خاموش رہیے اور آرام سے بیٹھیے، تو میں نے ناپسند سمجھا کہ انہیں ناراض کروں۔

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے گفتگو کی اور وہ مجھ سے بڑھ کر حلیم اور بردبار اور ذی وقار تھے، اللہ کی قسم انہوں نے فی البدیہ وہی باتیں یا ان سے اچھی باتیں کردیں جو میں نے اس موقع کے لیے خوب بنائی سنواریں یعنی ذہن نشین کی ہوئی تھیں۔ چنانچہ آپؓ نے قبائل انصار کے لوگوں سے فرمایا:

یہ جو تم نے اپنی نیکیاں اور خوبیاں بیان کی ہیں۔ (ہم مانتے ہیں کہ واقعی یہ نیکیاں

تم نے کیں اور تم میں ان کی اہلیت بھی ہے۔) لیکن منصب امارت قریش کے قبیلے کے سوا متعارف ومقبول نہیں سمجھا جائے گا، کیونکہ وہ نسب اور گھرانے کے اعتبار سے عربوں میں ممتاز ہیں، لہٰذا میں پسند کرتا ہوں کہ ان دو آدمیوں (حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ) میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو، یہ کہہ کر انہوں نے بیٹھے بیٹھے میرا اور ابو عبیدہؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اس عمل کے علاوہ ان کی اور کوئی بات بری نہ لگی۔

اللہ کی قسم! مجھے آگے بڑھا کر بغیر کسی گناہ کے میری گردن ماردی جائے تو یہ عمل مجھے اس کام سے زیادہ محبوب تھا کہ میں اس قوم پر امیر مقرر کیا جاؤں جس میں حضرت ابوبکرؓ جیسا انسان موجود ہو، حتٰی کہ آوازیں بلند ہوگئیں...... آخر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا:

اللہ کی قسم! وہاں موجود لوگوں میں ہمیں ایسا کوئی آدمی نظر نہ آیا جس کی بیعت ابوبکر کی بیعت سے مضبوط تر ہو اور ہم ڈر گئے کہ اگر ہم بیعت کیے بغیر جدا ہو گئے تو وہ ہمارے بعد کسی کی بیعت کرلیں گے، اس کے بعد یا تو ہمیں بامر مجبوری بیعت کرنی پڑے گی، یا ہم اس کی مخالفت کریں گے، اور اس صورت میں فساد رونما ہوگا۔

تو جس شخص نے مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر کسی کی بیعت کی، تو نہ بیعت کرنے والے کی مانی جائے گی اور نہ بیعت کیے جانے والے کی، کیونکہ خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بیعت کرنے اور بیعت لینے والے دونوں کو قتل نہ کردیں۔[1]

یہ ہے بیعت کا واقعہ، اور یہ درست ہے کہ یہ اچانک ہوئی تھی، لیکن اس کا پورا واقعہ ہم نے تفصیل کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کے ضمن میں بیان کیا ہے لہٰذا یہ حضرت عمر فاروق پر طعن نہیں ہے۔[رضی اللہ عنہ]

نواں شبہ اور اس کا جواب:

انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت نبی

[1] صحیح بخاری= کتاب الحدود ۔ باب رجم الحبلی من الزنی اذا احصنت، رقم: ٦٨٣٠۔

کریم ﷺ کی رحلت کا وقت قریب آیا، تو اس وقت آپ ؐ کے گھر میں حضرت عمرؓ سمیت کچھ لوگ موجود تھے، آپ نے فرمایا: کوئی چیز لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ پر تکلیف غالب ہے اور ہمارے پاس قرآن موجود ہے، ہمیں کتاب اللہ کافی ہے اور گھر والے جھگڑنے لگے اور اختلاف کرنے لگے کچھ لوگ کہنے لگے کہ کوئی چیز قریب لاؤ، تاکہ اللہ کے رسول ہمیں تحریر لکھ دیں، تاکہ اس کے بعد ہم گمراہ نہ ہوں، اور کچھ لوگ حضرت عمر کی موافقت کرنے لگے، جب اللہ کے رسول کے پاس اختلاف اور ادھر ادھر کی باتیں زیادہ ہونے لگیں تو آپ نے فرمایا:

"قُوْمُوْا" (کہ اٹھ جاؤ)

اس حدیث کو بخاری ومسلم نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے۔[1]

اس حدیث کی وجہ سے اصحابؓ رسول پر ان کے چند اعتراضات ہیں۔

ایک تو وہ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے رسول، (نعوذ باللہ) اول فول باتیں کر رہے ہیں۔[2]

یہ حضرت عمر پر افتراء اور جھوٹا بہتان ہے انہوں نے ہرگز یوں نہ فرمایا کہ آپ اول فول باتیں کر رہے ہیں بلکہ صحیحین وغیرہ کتب حدیث کی صحیح روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

«اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْغَلَبَهُ الْوَجَعُ»

"کہ اللہ کے رسول پر تکلیف غالب ہے۔"

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت حضرت نبی کریم ﷺ مرض الموت کی

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم رقم، باب کتابة العلم :۱۱٤، صحیح مسلم کتاب الوصیة،رقم :۲۲.

[2] فاسئلوا اهل الذکر ص ١٤٤ وص:١٧٩، (تیجانی شیعی نے یہ جھوٹ امام بخاری پر تھوپا ہے۔)

تکلیف میں تھے، جیسے کہ سیدہ عائشہ طاہرہ کی حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ جب آپ غشی کی کیفیت میں مبتلا ہو کر افاقہ کی حالت پر آئے، تو پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ وہ آپ کے انتظار میں ہیں، اے اللہ کے رسول!

تو گھر والے آپ کے پاس وضو کا پانی لے کر آئے، آپ نے اس سے غسل کیا، پھر جب نماز کی طرف جانے کے لیے اٹھے تو غشی کی وجہ سے گر پڑے (صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ) جب افاقہ ہوا تو فرمایا:

''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟''

انہوں نے کہا: ''اے اللہ کے پیارے رسول وہ آپ کے انتظار میں ہیں، آپ نے فرمایا: میرے پاس پانی لاؤ، وہ پانی لائے تو آپ نے غسل کیا پھر آپ نماز کی طرف جانے کے ارادے سے کھڑے ہوئے تو آپ گر پڑے (صلوٰۃ اللہ وسلامہ، آپ پر میرے ماں باپ قربان!)

جب تیسری مرتبہ گرے اور پھر سکون میں آئے تو فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے کہا: وہ آپ کے انتظار میں ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: ابو بکرؓ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔[1]

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو شدید تکلیف کی حالت میں دیکھا تو دل گرفتہ اور غمگین ہو گئے اور کہا:

اے اللہ کے پیارے رسول! آپ کو کتنا شدید بخار ہے!

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب انما جعل الامام لیوتم بہ، رقم: ٦٨٧، صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، رقم: ٩٠۔

آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تم میں سے دو آدمیوں کی طرح بخار ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود نے کہا: یہ اس لیے ہے، کہ آپ کو دوہرا اجر ملتا ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں۔"[1]

لہٰذا حضرت نبی کریم ﷺ شدید بخار میں تھے، اس لیے جب حضرت عمرؓ نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تو آپ پر ترس کھا گئے اور فرمایا کہ آپ پر تکلیف غالب ہے، لہٰذا مزید تکلیف نہ دو، آپ کو آرام و سکون میں آ لینے دو، پھر آپ لکھ دیں گے (یہ تھی حضرت عمر کی مراد) آپ فرما رہے ہیں، کہ اللہ کے رسول (اس وقت) تکلیف میں ہیں، ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدہ:۳]

اور اللہ کے رسول فرما چکے ہیں کہ:

" وَاللّٰهِ مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ اِلَى اللّٰهِ وَالْجَنَّةِ اِلَّا وَقَدْ اَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ وَ مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا اَمَرَكُمُ اللّٰهُ بِهٖ اِلَّا وَقَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَ مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا نَهَاكُمُ اللّٰهُ عَنْهُ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ " [ابن خزیمہ][2]

" کہ اللہ کی قسم میں نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی، جو تمہیں اللہ تعالیٰ اور جنت کے قریب کرتی ہو، مگر میں تمہیں بتا چکا ہوں، اور میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو تمہیں اللہ تعالیٰ اور جنت کے قریب کرتی، مگر میں تمہیں اس کے متعلق بتا چکا ہوں، اور میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کا تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے، مگر میں تمہیں اس کا حکم دے چکا ہوں اور میں نے ایسی

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المرض، باب اشد الناس بلاء الانبیاء، رقم:٥٦٤٨، صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة :٤٥۔ [2] سلسلة الصحیحه ٤/٤١٧، ضمن حدیث رقم ١٨٠٣۔

کوئی چیز نہیں چھوڑی جس سے اللہ نے منع کیا ہے مگر میں تمہیں اس سے منع کر چکا ہوں۔"

لہٰذا دین کی کوئی چیز ایسی باقی نہ رہی جسے اللہ کے رسول نے بیان نہ کیا ہو۔

تو اللہ کے مقدس رسول ﷺ کیا لکھنا چاہتے تھے؟ اس کے متعلق مسند امام احمدؒ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی روایت پڑھیے:

امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول کے پاس تھے، آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں ایک طبق (لکھنے کے لیے کوئی چیز چوڑی ہڈی وغیرہ) لاؤں جس میں آپ وہ چیزیں لکھ دیں جسے آپ کی امت آپ کے بعد بھلا نہ بیٹھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ) فرماتے ہیں کہ میں ڈر گیا کہ میرے کتاب لانے سے پہلے آپ کی جان نہ چلی جائے، اس لیے میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں خوب یاد رکھوں گا (آپ فرمائیں)

آپ نے فرمایا: «اُوصِیکُم بِالصَّلوٰۃِ وَالزَّکَاۃِوَ مَا مَلَکَتْ اَیمَانُکُمْ»
"کہ میں تمہیں نماز اور زکوۃ کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی (تاکید کرتا ہوں)۔"[1]

تو اصلاً کتاب لانے کا کسے حکم دیا تھا؟ حضرت علیؓ کو۔

اگر وہ کہیں کہ صحابہ نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی اور کتاب نہ لائے تو ہم کہیں گے پھر (نعوذ باللہ) حضرت علیؓ نے پہلے نافرمانی کی، کیونکہ انہیں براہ راست حضرت نبی کریمؐ کی طرف سے کتاب لانے کا حکم تھا، تو وہ کیوں نہ لائے؟ اور جب ہم اس بنا پر تمام صحابہ رسول کو ملامت کریں گے تو حضرت علیؓ بھی ملامت کی زد میں آئیں گے حالانکہ (مندرجہ ذیل باتوں کی وجہ سے) کسی پر بھی طعن و ملامت نہیں ہے۔

[1] مسند احمد: ۱/ ۹۰.

① پہلی بات تو یہ کہ حضرت علی المرتضیٰؓ مذکورہ بالا حدیث میں بذات خود فرما رہے ہیں کہ میں ڈر گیا کہ اس دوران کہیں آپ کی جان نہ چلی جائے، تو میں نے کہا:

«یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَحْفَظُ وَ اَعِیْ»

''اے اللہ کے رسول میں یاد رکھوں گا اور ذہن نشیں کرلوں گا۔''

تو آپ نے فرمایا:

«اُوْصِیْکُمْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ»

''میں تمہیں نماز، زکوٰۃ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کی وصیت کرتا ہوں!''

چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ جو کچھ لکھنا چاہتے تھے وہ آپ نے بول کر سنا دیا۔

② دوسری بات یہ ہے کہ جو کچھ آپ لکھنا چاہتے تھے وہ یا تو آپ پر واجب تھا، یا مستحب۔ اگر وہ کہیں کہ واجب تھا تو پھر یہ ان امور میں سے تھا جن کی تبلیغ واجب تھی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ (نعوذ باللہ) آپ نے مکمل شریعت کی تبلیغ نہیں کی، تو یہ حضرت نبی کریم ﷺ بھی طعن ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾

''کہ میں نے آج کے دن تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔''

اور اگر وہ کہیں کہ وہ مستحب تھا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ہم سب کا قول ہے۔

③ تیسری بات یہ کہ صحابہ کرامؓ کا آپ کو قلم دوات نہ لا دینا، نافرمانی کے قبیل سے نہیں بلکہ شفقت کی وجہ سے تھا۔

دسواں شبہ اور اس کا جواب:

وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حج تمتع اور عورتوں سے متعہ کرنے سے روکا، جبکہ یہ دونوں مشروع ہیں، تو حضرت عمر کس طرح، اس عمل کو حرام قرار دے سکتے

تھے، جسے اللہ نے حلال کیا ہے؟!

ا۔ حج تمتع:

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ فرماتے ہیں، کہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت عمر نے حج تمتع سے روک کر غلطی کی تھی تو پھر کیا ہوا؟ ہم حضرت عمرؓ کی عصمت کا دعویٰ تو نہیں کرتے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ وہ بھی باقی صحابہ کی طرح غلطی کر سکتے ہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم فرض کر لیں کہ انہوں نے غلطی کی ہے۔ حضرت صُبَیؓ بن معبد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے حج اور عمرے کا اکٹھا احرام باندھا ہے تو انہوں نے فرمایا:

«هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ» [1]

”تجھے اپنے نبی کی سنت کی راہنمائی نصیب ہوئی۔“

یہ ہیں سیدنا عمر فاروقؓ جو یہ سمجھتے ہیں کہ حج تمتع سنت ہے بلکہ انہوں نے اس آدمی کی تعریف کی اور اسے منع نہیں کیا اور فرمایا: «هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ» ”کہ تجھے اپنے نبی کی سنت کی راہنمائی نصیب ہوئی۔“

حضرت سالم بن عبد اللہ اپنے باپ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ان سے حج تمتع کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا۔ جب انہیں کہا گیا کہ تم اپنے باپ کی مخالفت کرتے ہو تو انہوں نے فرمایا:

میرے باپ نے تمہاری طرح نہیں کہا، بلکہ انہوں نے تو صرف اتنا کہا ہے کہ عمرے کو حج سے جدا کرو (یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ بغیر قربانی کے مکمل نہیں ہوتا، اور ان کا ارادہ تھا کہ حج کے مہینوں کے علاوہ بھی بیت اللہ کی زیارت جاری رہے) لیکن تم

[1] سنن نسائي۔ كتاب الحج۔باب القِران، رقم: ٢٧١٩ وسنده صحيح.

نے اسے حرام ٹھہرا لیا اور اس پر سزا دینا شروع کر دی۔ حالانکہ اسے اللہ عزوجل نے حلال کیا ہے اور رسول اللہ نے اس پر عمل کیا ہے۔ جب انہوں نے زیادہ تنگ کرنا شروع کیا تو انہوں نے فرمایا:

«اَفَکِتَابُ اللّٰهِ أَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ أَمْ عُمَرُ» [1]

''کیا کتاب اللہ پیروی کی زیادہ مستحق ہے یا عمر کا فرمان؟''

حضرت عمرؓ کا مقصد کیا تھا؟ ان کا مقصد یہ تھا کہ سال کے کسی دن میں بھی بیت اللہ، عمرہ کرنے والوں سے خالی نہ رہے کیونکہ لوگ جب حج کے لیے نکلتے تو وہ ساتھ ہی عمرہ کا احرام باندھ لیتے، اس کے بعد بیت اللہ کی طرف نہ آتے، حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ وہ اکیلا حج (حج مفرد) کریں پھر مستقل سفر کر کے عمرہ کے لیے بیت اللہ کی طرف آتے رہیں، تا کہ بیت اللہ، لوگوں سے خالی نہ رہے۔

الغرض حضرت عمر کا روکنا نہی تحریمی نہیں تھا، بلکہ ان کی رائے اور خیال تھا اور انہوں نے اس عمل کو افضل سمجھا اور اس بنا پر، ان پر عیب نہیں دھرا جا سکتا، بلکہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ انہوں نے جب صُبَیّ بن معبد کو حج تمتع کرتے ہوئے پایا تو فرمایا:

«هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ» ''تجھے نبیؐ کی سنت کی ہدایت ملی۔''

۲۔ متعة النساء (یعنی عورتوں سے متعہ):

اس کی ممانعت حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ صحیحین میں ہے کہ جب حضرت علیؓ نے سنا کہ عبداللہ بن عباسؓ عورتوں سے متعہ کو جائز قرار دیتے ہیں تو انہوں نے ان سے کہا کہ تو خودسر آدمی ہے۔

«اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ حَرَّمَ الْمُتْعَةَ وَ لُحُوْمَ

---

[1] بیهقی ۲۱/۵

الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ »[1]

" حضرت رسول کریم ﷺ نے خیبر والے دن گھریلو گدھوں کا گوشت اور عورتوں سے متعہ حرام قرار دیا تھا۔"

اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ حدیث شیعہ کی معتمد کتابوں میں بھی موجود ہے۔[2]

اسی طرح صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ والے سال متعہ النساء کو حرام کر دیا تھا، اسی طرح صحیح مسلم میں سبرہ الجہنی سے مروی ہے کہ: « اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم حَرَّمَ الْمُتْعَةَ »[3]

حضرت عمرؓ نے بھی متعہ النساء سے روکا تو اچھا کام کیا۔ حیرت ہے کہ یہ ان حکم ان کی عدالت پر طعن کا سبب کیسے بن گیا؟ انہوں نے اسی چیز سے روکا جس سے حضرت نبی کریم ﷺ نے روکا ہے بلکہ اس سے تو اللہ تعالیٰ نے بھی روکا ہے، قرآن میں ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ﴾[المؤمنون ٥-٦]

" کہ وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر اپنی بیویوں اور ملک یمین سے، کیونکہ وہ ان کے معاملے میں طعن وملامت سے مبرا ہیں، پس جو کوئی اس کے علاوہ جھک مارے گا وہ زیادتی کرنے والے ہیں۔"

گویا اس آیت میں اللہ نے (متعہ کرنے والوں) کا نام عادین (جھک مارنے والے یا آوارہ گرد) رکھا ہے۔

---

[1] صحيح بخاری۔ کتاب النکاح، باب نہی رسول اللّٰہ عن نکاح المتعۃ، رقم: ٥١١٥، مسلم کتاب النکاح، رقم: ٢٩۔ [2] وسائل الشیعہ ١٢/٢١۔

[3] صحیح مسلم۔ کتاب النکاح، رقم: ٢٠ نیز صحیح مسلم، کتاب نکاح المتعۃ میں مختلف صحابہ کرام سے متعہ کی حرمت اور اس سے ممانعت کی بہت سی احادیث ذکر کی گئی ہیں۔

شیعہ حضرات جواز متعہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی استدلال فاسد کرتے ہیں:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ. وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾[النساء: ٢٤]

اس آیت سے ان کا استدلال ایک قرأت ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ﴾ سے ہے۔

کہ جن کے ساتھ تم نے ایک مقرر مدت تک متعہ کیا ہے، ان کو ان کی اجرت دو فرض جان کر اور فریضہ کی ادائیگی کے بعد باہمی رضا مندی سے تم جو کچھ کرو، اس معاملے میں تم پر گناہ نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ پہلے تو اس قرأت کے اضافی لفظ (إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى) متواتر نہیں ہیں اور نہ ہی یہ ساتوں قرأتوں سے ہے اور نہ ہی یہ عشرہ قرأتوں سے ہے، بلکہ یہ شاذ قرأت ہے، اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے منسوخ ہے کہ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ اور حضرت نبی کریم ﷺ کی اس مذکورہ حدیث سے بھی منسوخ ہے جو حضرت علیؓ، حضرت سبرہ الجہنی اور حضرت سلمہ بن اکوع وغیرہم صحابہ سے مروی ہے۔

گیارھواں شبہ اور اس کا جواب:

وہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ○ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ○ اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾[التحریم:١-٤]

کہ اس آیت میں صَغَتْ کا معنی ہے " مَالَتْ اِلَى الْكُفْرِ " کہ وہ کفر کی طرف مائل ہو گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ کی آیات ہیں اور حضرت رسول کریم ﷺ کی بیویوں، حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ عبید بن عمیرؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنی پھوپھی زاد بیوی زینب بنت جحشؓ کے پاس ٹھہرتے اور اس کے ہاں شہد نوش فرماتے، میں نے اور حفصہؓ نے باہمی مشاورت سے منصوبہ بنایا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس آپ تشریف لائیں تو وہ آپ سے یہ کہے کہ: مجھے آپ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے، کیا آپ نے مغافیر تو نہیں کھایا؟

چنانچہ آپ ہم دونوں میں سے کسی کے پاس گئے تو اس نے آپ سے وہ بات کہہ دی، تو آپ نے فرمایا، ایسی کوئی بات نہیں، میں نے تو زینبؓ کے پاس شہد پیا ہے اور میں دوبارہ نہ پیوں گا، تو اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ﴾

" کہ اے نبی! آپ اس چیز کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں، جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی؟ تم اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟

حضرت نبی کریم ﷺ نے شہد نہ پینے کی بات حضرت حفصہ بنت عمرؓ سے کی تھی، اور اسے یہ بھی کہا تھا کہ کسی کو نہ بتانا، لیکن انہوں نے حضرت عائشہ کو بتا دیا، کہ وہ اپنے

منصوبے میں کامیاب ہوگئی ہے، اور حضرت رسول کریم ﷺ شہد پینے سے رک گئے ہیں اور یہ کہ آپ دوبارہ (وہاں سے) شہد نہ پئیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا﴾ [1]

کہ جب نبی نے اپنی کسی بیوی کو راز کی بات کہی۔

﴿ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾

''جب اس نے وہ بات نبی کو بتائی اور اللہ نے ان پر اصل حقیقت ظاہر کر دی تو نبی نے کسی سے اس کو آگاہ کیا اور کسی سے اعراض کیا۔ پھر جب اس نے (اپنی بیوی کو) ان کے منصوبے کی کہانی سنائی تو وہ کہنے لگی آپ کو یہ بات کس نے بتائی ؟ تو انہوں نے فرمایا مجھے علم اور خبر رکھنے والی ذات نے بتائی، اگر تم دونوں توبہ کرلو (یعنی اس عمل سے جو بیویوں کے درمیان غیرت وغیرہ کی بنا ہوتا ہے)

﴿ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾

کیونکہ (اس کام کے کرنے سے) تم دونوں کے دل (حق سے) مائل ہوگئے ہیں۔

(کیونکہ وہ کام غلط تھا۔)

اور (مَالَتْ) کا معنی (کَفَرَتْ) نہیں ہے، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ وہ تو حضرت نبی کریم کی بیویاں ہیں اور امہات المومنین ہیں اور انہی کے متعلق اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان میں سے کسی کو طلاق نہ دیں اور نہ ان کی جگہ کسی کو لائیں اور نہ ہی ان کے بعد کسی عورت سے شادی کریں۔ [2] اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دے دی۔

---

[1] بخاری۔ کتاب الطلاق۔ باب لم تحرم ما احل اللّٰہ لك، رقم: ٥٢٦٧۔

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَ لَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴾ [احزاب: ٥٢]

مقصد یہ ہے کہ اس طرح کا میلان طبعی امر ہے جو غیرت کے موقعہ پر عورتوں کے درمیان رونما ہو جاتا ہے، بلکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی بیویوں کے دو گروپ تھے۔

ایک گروپ میں حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، صفیہؓ اور سودہؓ تھیں۔ اور دوسرے گروپ میں حضرت ام سلمہؓ اور دیگر ازواج مطہرات، رضوان اللہ علیھن اجمعین۔

اور مسلمانوں کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت نبی کریم ﷺ کی محبت کا بخوبی علم تھا۔ لہٰذا جب ان میں سے کسی کے پاس ہدیہ ہوتا اور وہ اسے حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تو اسے مؤخر رکھتا، جب آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر ہوتے تو وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔

حضرت ام سلمہؓ کے گروپ نے ام سلمہؓ سے کہا کہ تم حضرت نبی کریم ﷺ سے بات کرو کہ وہ لوگوں سے کہیں، کہ ان میں سے جو کوئی آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا چاہے، تو وہ اپنا ہدیہ اسی گھر میں بھیج دیا کرے جہاں آپ تشریف رکھتے ہوں، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے حضرت نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے گروپ کی ازواج مطہرات کا پیغام پہنچایا تو آپ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا اور جب دیگر ازواج مطہرات نے حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپؐ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ ام سلمہؓ کی باری والے دن حضرت نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو انہوں نے دوبارہ اپنے گروپ کی ازواج مطہرات کا پیغام پہنچایا تو آپ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے دوبارہ رپوٹ مانگی تو حضرت ام سلمہ نے بتایا کہ آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کہنے لگیں کہ ان کی طرف سے کوئی جواب ملنے تک اس سلسلے میں ضرور گفتگو کرتے رہنا۔ چنانچہ جب آپ حضرت ام سلمہ کی باری والے دن، ان کے گھر تشریف لائے تو انہوں نے اس سلسلے میں گفتگو کی، تو آپ نے

انہیں جواب دیا۔

تو مجھے عائشہ کے بارے میں ایذا نہ دے، کیونکہ میرے پاس اس وقت وحی نہیں آتی جب میں اپنی کسی بیوی کے کپڑے میں ہوں سوائے عائشہ کے۔

حضرت ام سلمہؓ نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! میں آپ کو ایذا پہنچانے سے توبہ کرتی ہوں۔

اس کے بعد ام سلمہؓ کے گروپ نے حضرت فاطمہ الزہراءؓ کو بلایا اور انہیں یہ کہنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا، کہ آپ کی بیویاں سیدہ عائشہؓ بنت ابو بکرؓ کے ساتھ برتاؤ میں آپ سے انصاف کی درخواست کرتی ہیں! چنانچہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے اس سلسلے میں آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا:

اے میری پیاری بیٹی کیا تم اسے پسند نہیں کرتیں جسے میں پسند کرتا ہوں؟

انہوں نے فرمایا: ''جی ہاں اے ابا جان!

تو آپ نے فرمایا پھر اس سے محبت کرو (یعنی عائشہ سے)[1]

چنانچہ وہ ان کی طرف واپس گئیں اور انہیں رپورٹ پیش کی تو انہوں نے کہا: اب پھر آپؐ کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو، لیکن حضرت فاطمہ نے انکار کر دیا، چنانچہ انہوں نے حضرت زینبؓ بنت جحش کو حضرت رسول کریم ﷺ کی طرف بھیج دیا۔ اس نے آتے ہی آپ ﷺ سے سخت لہجے میں بات کی اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ کی بیویاں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر ابو قحافہ کی بیٹی (عائشہؓ) کے ساتھ برتاؤ کرنے میں انصاف کی درخواست کرتی ہیں (راوی) کہتے ہیں کہ ان کی آواز بلند ہوگئی اور انہوں نے حضرت عائشہؓ کو بھی جو حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، کوسنا شروع کر دیا۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھا کہ وہ بولتی ہیں

[1] یہ الفاظ مسلم میں ہیں صحیح بخاری میں نہیں۔

یا نہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے کانٹے دار جواب دے کر حضرت زینب کو خاموش کرا دیا، تو آپ نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"یہ ابوبکر کی بیٹی ہے۔"[1]

مقصد یہ ہے کہ امہات المومنین باہم سوتنیں تھیں اور سوتنوں کے درمیان اکثر تو ٹکار ہوتی رہتی ہے، اور ہم بھی کہتے ہیں کہ ہاں، حضرت حفصہ اور عائشہؓ نے غلطی کی لیکن انہوں نے اپنے اس فعل کے ذریعے اللہ سے کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔

بارھواں شبہ اور اس کا جواب:

وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے زیاد بن ابیہ کو اپنے خاندان میں شامل کر کے زیاد بن ابوسفیان قرار دیا حالانکہ وہ عبید ثقفی کا بیٹا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ وہ عبید ثقفی کا بیٹا نہیں تھا، بلکہ وہ زیاد بن ابیہ کے علاوہ کسی اور نسبت سے مشہور بھی نہ تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ وہ سمیہ نامی لونڈی سے ناجائز تعلق کے ذریعے پیدا ہوا تھا (اس کا ناجائز تعلق کے ذریعے پیدا ہونا اسے کچھ نقصان دہ نہ تھا کیونکہ اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا) جاہلیت میں سمیہ کے پاس مختلف آدمی آئے تھے ان میں حضرت معاویہ کا والد ابوسفیان بھی تھا۔

(اور اس کا یہ عمل اسے عیب دار نہیں کرتا کیونکہ یہ ناجائز تعلق ان کے دور اسلام میں نہیں ہوا تھا، بلکہ جاہلیت میں ہوا تھا، اس دور میں وہ مشرک تھے لہٰذا وہ تعلق، اس کے شرک سے سبک تر تھا) اور زیاد، حضرت علیؓ کی طرف سے (بصرہ کا) گورنر تھا اور بڑا فصیح اللسان مقرر اور خطیب تھا۔

حضرت معاویہ کو ان کے باپ ابوسفیان نے بتا دیا تھا کہ زیاد اس کا صلبی بیٹا ہے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الھبة، باب من اھدی الی صاحبه، رقم :۲۵۸۱، مسلم کتاب فضائل الصحابه، رقم:۸۳.

اور ناجائز طریقے سے سمیہ کے بطن سے پیدا ہوا ہے، اور کسی نے زیاد پر دعویٰ بھی نہ کیا تھا اور سمیہ لونڈی کا خاوند بھی کوئی نہ تھا۔ اگر اس کا خاوند ہوتا تو ہم کہتے:

« اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»

"بچہ مالک یا خاوند کا ہے اور زانی کے لیے پتھر۔"

لیکن اس کا کوئی خاوند نہ تھا بلکہ وہ کسی کی لونڈی تھی اور ابوسفیان نے (دور جاہلیت میں) اس سے شب باشی کی تھی، جس کی بنا پر اس کے ہاں زیاد پیدا ہوا، جسے حضرت معاویہ نے اپنے خاندان میں شامل کر لیا اور اس استلحاق پر تنقید کرنے والوں نے اس بنا پر حضرت معاویہ پر اعتراض کیا کہ آیا وارث کے لیے کسی کو اپنے خاندان میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

لیکن یہ ایک اجتہادی اور فقہی مسئلہ ہے، لہٰذا حضرت معاویہؓ پر اس سلسلے میں کوئی الزام نہیں دھرا جا سکتا، اگرچہ بعض اہل علم نے ان کے اس اقدام کو ناجائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اجتہادی مسئلہ ہی ہے۔ اسی بنا پر امام مالک بن انس وغیرہ ائمہ دین، زیاد کو زیاد بن ابوسفیان کہتے تھے۔ یہ ہے اس اقدام کا پس منظر، جس کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وارضاہ کو قصوروار قرار دیا گیا۔



حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد خلیفہ کون؟

شیعہ صاحبان کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان ؓ سے خلافت کے زیادہ حقدار تھے اور حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد خلیفہ بلا فصل بھی وہی تھے اور وہ اس سلسلے میں بعض ایسے دلائل سے استدلال کرتے ہیں جو اہل السنۃ کی کتابوں میں مذکور ہیں خواہ وہ بخاری اور مسلم کی مؤلفات میں ہیں یا سنن اور مسانید کے مؤلفین کی کتابوں میں، چنانچہ ہم ان میں سے صحیح اور اہم دلائل کا ذکر کریں گے اور پھر ہم وضاحت کریں گے کہ وہ کس حد تک ان کے مقصد کو پورا کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ مبالغہ آمیز تعریف سے بے نیاز ہیں، آپؓ حضرت رسول کریم ﷺ کے داماد ہیں اور ان کی افضل اور جنتی عورتوں کی سردار بیٹی کے شوہر ہیں۔ مزید برآں وہ حضرت رسول کریم کے چچا زاد اور خلفاء راشدین میں سے چوتھے نمبر پر ہیں۔ آپؓ کے فضائل بہت زیادہ ہیں لیکن تنازعہ آپ کے فضائل کے متعلق نہیں کیونکہ وہ تو مسلمہ ہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آپ کے فضائل اس بات دلالت کرتے ہیں کہ آپ اپنے پیشرو خلفاء سے پہلے خلافت کے حقدار تھے؟

حضرت علیؓ کی اوّلیت کے متعلق شیعہ کے دلائل

ا۔ حدیث غدیر سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم:

شیعہ کے ہاں یہ حدیث اہم دلائل میں شمار کی جاتی ہے، حتی کہ انہوں نے اس

حدیث کے بارے میں گیارہ جلدوں پر مشتمل ایک کتاب تالیف کی ہے اور اس کا نام "کتاب الغدیر" ہے

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم سے روایت کیا ہے، کہ حضرت رسول کریم ﷺ ہمیں مکہ اور مدینہ کے درمیان، خم نامی تالاب کے پاس خطبہ دے رہے تھے، جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی بزرگی بیان کی اور وعظ ونصیحت کی، اس کے بعد فرمایا:

لوگو! میں بشر ہوں، ممکن ہے کہ میرے پاس میرے رب کا فرستادہ (ملک الموت) آجائے اور میں اس کی بات قبول کرلوں، لہٰذا میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔

" اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ "

"ان میں سے پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے اس میں ہدایت اور نور ہے تم اسے مضبوطی سے تھام لو۔"

چنانچہ آپ ﷺ نے اس پر عمل کرنے اور اسے حرز جان بنانے کی ترغیب دی اس کے بعد فرمایا:

" وَاَهْلُ بَيْتِىْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِىْ اَهْلِ بَيْتِىْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِىْ اَهْلِ بَيْتِىْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِىْ اَهْلِ بَيْتِىْ"

"کہ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔" یہ بات آپ نے تین مرتبہ کہی۔"

راوی حدیث حصین نے (حضرت زید بن ارقمؓ سے) پوچھا: اے زیدؓ! آپ ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟

کیا آپ ﷺ کی بیویاں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟

انہوں نے فرمایا:

''ہاں لیکن آپؐ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپؐ کے بعد صدقہ حرام ہے۔''

اس نے کہا:

''وہ کون ہیں؟''

آپؓ نے فرمایا:

''وہ ہیں آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس۔''

اس نے پوچھا:

''کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟''

انہوں نے فرمایا: ''ہاں۔''[1]

اور مسلم کے علاوہ دیگر کتب حدیث مثلاً ترمذی[2] احمد[3] نسائی (کی خصائص)[4] اور حاکم[5] وغیرہم میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت نبی کریمﷺ نے فرمایا: «مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔ علاوہ ازیں دیگر اضافے بھی ہیں مثلاً «اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاهُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ وَأَدِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ»

''اے اللہ تو اس کا والی بن، جو اسے اپنا والی بنائے اور اس کے ساتھ دشمنی رکھ جو اس کے ساتھ دشمنی رکھے اور اس کی نصرت فرما، جو اس کی نصرت کرے اور اسے بے یارو مددگار چھوڑ، جو اسے بے یارو مددگار چھوڑے اور جدھر وہ جائے حق کو ادھر پھیر دے۔''

علاوہ ازیں دیگر اضافے بھی ہیں جنہیں یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابه، رقم:٣٦.

[2] ترمذی۔ کتاب المناقب،باب مناقب علیؓ، رقم : ٣٧١٣.

[3] مسند احمد :٥/٣٤٧. [4] خصائص علی:ص:٩٦، نمبر:٧٩.

[5] مستدرك ٣/١١٠.

مقصد یہ ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں

«مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ»

کے الفاظ نہیں ہیں البتہ ترمذی، احمد، نسائی اور حاکم وغیرہ میں (مذکورہ بالا الفاظ) حضرت نبی کریم ﷺ سے صحیح اسناد سے مروی ہیں۔ اور دیگر اضافے مثلاً یہ کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ »

کو بھی بعض اہل علم نے صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن صحیح تحقیق کے مطابق یہ الفاظ آپ سے ثابت نہیں ہیں۔ باقی رہا یہ اضافہ کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا:

« اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَ اخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ وَادِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ»

تو یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے نام پر جھوٹ بیان ہوا ہے۔[1]

(بہر حال) شیعہ صاحبان اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے بعد خلیفہ (بلا فصل) ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے قول:

« مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ»

کا مطلب یہ ہے کہ علی، خلیفہ ہیں اور مولیٰ کا معنیٰ والی ہے یعنی وہ سردار جس کی اطاعت کرنا واجب ہے۔ یہ ہے ان کے استدلال کا پہلو۔

۔ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے، چنانچہ ایک مرتبہ پ نے ۔۔ کے رحبہ میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ غدیر خم والے دن کن کن صحابہ نے حضرت بی کریم ﷺ : یرے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا کہ « مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ»[2]

چنانچہ بارہ بدری صحابہ کرامؓ نے مذکورہ بالا حدیث کے سننے کی شہادت دی۔ لہٰذا

[1] دیکھئے سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: ۱۷۵۰۔ [2] مسند احمد ۱/ ۸۴، ۱۵۲۔

پہلے ہم حضرت علیؓ کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ کے اس قول کا سبب بیان کرتے ہیں۔ شیعہ صاحبان دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریمؐ نے ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) کی تعداد کے لگ بھگ لوگوں کو (جحفہ کے شدید گرم علاقہ میں) خم کے حوض کے قریب جہاں حجاج کرام کے اپنے اپنے وطنوں کو طرف واپس لوٹتے ہیں، اس لیے جمع کیا تاکہ آپ انہیں آگاہ کریں کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے، علاوہ ازیں وہ دیگر ایسی چیزوں کا اضافہ بھی کرتے ہیں، جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور اس حدیث کے دو اسباب ہیں:

پہلا سبب یہ ہے جیسے کہ حضرت بریدہ بن حصیبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب کو حضرت خالد بن ولید کے پاس (یمن میں مال غنیمت سے) خمس [1] لینے کے لیے بھیجا۔ بریدہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ سے بغض رکھتا تھا اور انہوں نے (خمس سے حاصل ہونے والی لونڈی سے خلوت کے بعد) غسل کیا، تو میں نے حضرت خالد بن ولید سے کہا: تم اس کی طرف دیکھتے نہیں ہو؟!

جب ہم حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے اور یہ قصہ آپ کے سامنے بیان کیا۔ تو حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا: اے بریدہ کیا تم علیؓ سے بغض رکھتے ہو؟

میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا:

اس سے بغض نہ رکھو کیونکہ اس کا خمس میں اس سے زیادہ حق ہے۔

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ [2]

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے بریدہ سے فرمایا:

---

[1] حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت خالد کو یمن میں غزوہ کے لیے بھیجا تھا، جب انہوں نے فتح حاصل کر لی تو آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیغام بھجوایا کہ آپ کسی آدمی کو بھیج کر مال غنیمت سے خمس منگوا لیں۔

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث علی و خالد الی الیمن، رقم: ٤٣٥٠.

«مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ»[1]

دوسرا سبب یہ ہے جیسے کہ حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ہمیں صدقہ کے اونٹوں پر سوار ہونے سے روک دیا اور ایک شخص کو ہم پر امیر مقرر کر کے خود حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف چل دیے، ابھی آپ راستے میں ہی تھے کہ صدقے کے اونٹوں والا قافلہ آپ سے مل گیا۔ ب آپ نے انہیں دیکھا تو پتہ چلا کہ ان کے نائب نے قافلہ والوں کو اونٹوں پر سوار ہونے کی اجازت دے رکھی تھی اور اونٹوں پر سواری کرنے کے نشانات بھی نظر آرہے تھے، تو آپ غصے ہوئے اور اپنے نائب کو ڈانٹ پلائی۔

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے حضرت رسول کریم ﷺ کے سامنے حضرت علیؓ کی سختی کا شکوہ کیا.......... اور ایک روایت میں ہے کہ وہ حلّے (کپڑوں کے جوڑے) تھے اور حضرت علیؓ نے انہیں پہننے سے منع کر دیا تھا تو حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اے سعد بن مالک (ابو سعید) اپنے بھائی علی کے متعلق اس طرح کی بات نہ کیجئے! اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ اس نے اللہ کی راہ میں بہتر کیا ہے۔

اس روایت کے متعلق، امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ نسائی کی شرط پر اس کی سند جید ہے اور اسے امام بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

امام ابن کثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت علیؓ نے (یمن کے فاتح) لشکر کو صدقہ کے اونٹوں پر سوار ہونے سے روکا تھا اور اپنے نائب کی طرف سے ان کو دیئے گئے حلّے (کپڑوں کے سوٹ) واپس لے لیے تھے۔ اس لیے ان کے متعلق قیل وقال زیادہ ہو گیا، تو (واللہ اعلم) جب حضرت رسول کریم ﷺ مناسک حج ادا کر کے لوٹتے ہوئے مدینہ کی راہ پر غدیر خم کے مقام پر پہنچے، تو آپ ﷺ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور حضرت علیؓ کی صفائی بیان کی اور ان کی قدر و منزلت سے لوگوں کو آگاہ کیا، تا کہ ان کے متعلق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والی کدورت زائل ہو جائے۔[2]

[1] ترمذی۔ كتاب المناقب، باب مناقب علي، رقم: ٣٧١٢.   [2] البداية والنهاية: ٥/٩٥.

یہ ہے سبب حضرت نبی کریم ﷺ کے فرمان "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ"

باقی ایک بات وضاحت طلب ہے کہ حضرت علیؓ کے متعلق لوگوں کی چہ میگوئیاں آپ ﷺ کے علم میں تھیں لیکن آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ، یا عرفہ کے دن اس موضوع پر بات نہیں کی اور اپنی مدینہ واپسی تک اس بات کو مؤخر رکھا، کس لیے؟

اس لیے کہ یہ معاملہ مدینہ والوں کے ساتھ خاص تھا کیونکہ جن لوگوں نے حضرت علیؓ کے متعلق قیل وقال کیا تھا وہ مدینہ کے لوگ تھے اور یہی لوگ حضرت علی کے ساتھ غزوے پر گئے تھے۔

اور غدیر خم جُحْفَة میں ہے اور یہ مکہ سے تقریباً دو صد پچاس کلومیٹر دور ہے، جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حاجیوں کے اپنے اپنے وطنوں کی طرف لوٹتے ہوئے جدا ہونے کی جگہ ہے وہ جھوٹا ہے، اس لیے کہ حاجیوں کے جمع ہونے کی جگہ مکہ ہے اور ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے وطنوں کی طرف لوٹنے کی جگہ بھی مکہ ہے اور لوٹنے کی جگہ مکہ سے دو سو پچاس کلومیٹر دور نہیں ہو سکتی، کیونکہ مکۃ المکرمہ والے مکہ میں ٹھہر جاتے ہیں اور طائف والے طائف کی طرف اور یمن والے یمن کی طرف اور عراق والے عراق کی طرف وہیں سے لوٹ جاتے ہیں، اس طرح جو کوئی انسان اپنا حج مکمل کر لیتا ہے وہ مکہ سے اپنے وطن کو لوٹ جاتا ہے، اور عرب قبائل بھی یہیں سے ہی اپنے اپنے مقامات کی طرف چلے جاتے ہیں، لہٰذا (غدیر خم میں) حضرت رسول کریم کے ساتھ، مدینہ یا مدینہ کے راستے والوں کے سوا اور کوئی نہ تھا اور انہی لوگوں کو آپ نے اپنے خطبہ میں یہ بات کہی کہ "مَنْ كُنْتُ مولاہ فَعَلِيٌّ مولاہ"

بہر حال شیعہ اور اہل السنۃ کے درمیان اختلاف اس بات پر ہے کہ شیعہ کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کا میں والی ہوں اس کا علی بھی والی ہے اور اہل السنۃ کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کو میں محبوب اور پیارا ہوں اس کو علی بھی محبوب اور

پیارا ہے۔ اور مولیٰ کا معنی مَوَالَاۃٌ ہے یعنی نصرت اور محبت اور اس کا عکس مُعَادَاۃٌ ہے یعنی دشمنی اور اس (مفہوم کے چند دلائل) یہ ہیں۔

۱۔ ایک تو وہ اضافی جملہ جسے بعض اہل علم نے صحیح قرار دیا ہے۔ کہ «اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاہُ» اس میں ذکر کردہ الفاظ (مُوالاۃ اور مُعاداۃ)، (فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ) کی شرح ہیں۔ یعنی یہ الفاظ حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ کے ساتھ لوگوں کی محبت کے سلسلے میں ہیں۔

اگرچہ حضرت علی المرتضیٰؓ اس خطبہ میں کہی گئی بات سے بھی زیادہ باتوں کے مستحق تھے لیکن نبی کریم ﷺ کا یہ خطبہ حضرت علی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ کا یہاں ٹھہرنا آرام کی غرض سے تھا، کیونکہ مکہ سے مدینہ کا سفر طویل تھا۔ اس لیے حضرت نبی کریم ﷺ اس سفر میں ایک سے زیادہ مرتبہ آرام فرماتے تھے، چنانچہ آپؐ نے (اس موقعہ پر) لوگوں کو کتاب اللہ اور اپنے اہل بیت کے بارے میں نصیحت کی اور بتایا کہ کتاب اللہ کی پیروی اور اہل بیت کا احترام اور توقیر واجب ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے متعلق لوگوں کے ناروا تبصروں کو ختم کرنے کی غرض سے ان کی شان بیان کی اور فرمایا: « مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ» کہ جس کو میں محبوب اور پیارا ہوں اسے علی بھی محبوب اور پیارا ہے۔

۳۔ مَوْلَاہُ کا لفظ کس کس معنی پر دلالت کرتا ہے؟

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ مولیٰ کا لفظ، رب، مالک، منعم، ناصر، محب، حلیف، غلام، آزاد کردہ غلام، چچازاد، داماد، پر بولا جاتا ہے۔[1] عرب لوگ ان سب پر لفظ مولیٰ بولا کرتے ہیں۔

۴۔ اس حدیث میں امامت کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ اگر حضرت نبی کریم ﷺ کا ارادہ خلافت کا ہوتا تو آپ وہ لفظ نہ بولتے جو ان تمام معانی کا متحمل ہے، جنہیں ابن الاثیر

[1] النهاية في غريب الحديث ٥/٢٢٨.

نے بیان کیا ہے، بلکہ آپ نے صاف کہہ دینا تھا کہ «عَلِيٌّ خَلِيفَتِي مِنْ بَعْدِي یا یوں فرماتے کہ «عَلِيٌّ الْإِمَامُ مِنْ بَعْدِي» یا فرماتے: «إِذَا أَنَا مِتُّ فَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا لِعَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ» وغیرہ لیکن آپ نے اس طرح کا کوئی فیصلہ کن واضح کلمہ نہیں بولا جو (اس حدیث کے نام پر صدیوں بعد برپا ہونے والے) اختلاف کو ختم کر دیتا بلکہ آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا کہ «مَنْ كُنتُ مولاه فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ»[1]

۵۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَأْوَاكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ [الحدید:۱۵]

''کہ تمہارا ٹھکانا آگ ہے وہی (آگ) تمہارا مولیٰ ہے اور بڑا بُرا ٹھکانا ہے۔''

اللہ نے آگ کو کفار کے ساتھ ملی رہنے اور ان سے چمٹے رہنے کی وجہ سے ان کا مولیٰ قرار دیا۔

۶۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے ''موالاۃ'' کا وصف آپ کی زندگی اور وفات اور حضرت رسول کریم ﷺ کی زندگی اور وفات کے بعد بھی ثابت ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بھی مومنین کے مولیٰ تھے اور آپ کی وفات کے بعد بھی ان کے مولیٰ ہیں اور وہ اب بھی ہمارے مولیٰ ہیں، اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾[المائدہ: ۵۵]''

''کہ تمہارا مولیٰ اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔''

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لانے والوں کی پہلی فہرست میں ہیں۔

۷۔ اگر حضرت نبی کریم ﷺ کی مراد، (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت یا امامت ہوتی) تو آپ مولیٰ نہ کہتے بلکہ والی کہتے کیونکہ مولیٰ کا لفظ والی سے مختلف ہے۔ جبکہ والی، وِلَايَةٌ (واو کے کسرہ کے ساتھ) سے ہے اور اس سے مراد حکومت ہے اور مولیٰ، وَلَايَةٌ (واو کے

[1] مشہور شیعہ عالم نوری طبرسی کہتا ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے غدیر خم کے دن اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کی تصریح نہیں کی۔ دیکھیے فصل الخطاب، ص: ۲۰۵۔۲۰۶۔

فتحہ کے ساتھ) سے ہے اور اس کا معنی محبت اور نصرت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [تحریم:٤]

''کہ اللہ تعالیٰ اس کا مولیٰ ہے اور جبرئیل بھی اور نیک مومنین بھی۔''

یعنی محبت، نصرۃ اور تائید کے اعتبار سے۔

۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ﴾ [آل عمران:١٨]

''کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے سب سے بڑھ کر حقدار تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی پیروی کی۔'' یہاں اَوْلٰی سے یہ مراد نہیں ہے کہ ابراہیمؑ کے پیروکار، ابراہیم علیہ السلام کے امام اور خلیفہ ہیں۔ بلکہ حضرت ابراہیم ہی ان کے امام اور رئیس ہیں۔''

۹۔ امام شافعی مطلی قریشیؒ حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ «مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» میں مَوْلیٰ سے اسلام کی وَلَاء (محبت اور نصرت) مراد ہے۔[1]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذَالِكَ بِأَنَّ مَوْلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَأَنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلَى لَهُمْ﴾ [محمد:١١]

''اس لیے کہ اللہ تعالیٰ، ایمان لانے والوں کا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے۔''

(مختصر یہ کہ مذکورہ بالا) حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ حضرت علیؓ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد خلیفہ ہیں، بلکہ وہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے ہیں اور ان کی موالات (محبت، نصرت، تائید) واجب ہے۔ (وما توفيق الا بالله)

[1] النهاية في غريب الحديث ٢٢٨/٥.

۲۔ حدیث الکساء سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

۲۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بنت ابوبکر صدیق بیان کرتی ہیں:[1]

کہ ایک دن حضرت نبی کریم ﷺ نکلے اور ان پر کمبل تھا تو آپ نے حضرت علی، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ کو اس کے نیچے داخل کر لیا اور پڑھا:

﴿ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ﴾ [احزاب:۳۳][2]

وہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناپاکی (خسیس عادات اور قبیح افعال) دور کرنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ چیز ہو جاتی ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے ان سے ناپاکی دور کر دی تو وہ معصوم ہو گئے اور جب وہ معصوم ہو گئے تو ان کا دوسروں کی نسبت، خلافت کا اولین مستحق ہونا واجب ٹھہرا۔

اور یہ دعویٰ بہت سی وجوہات کی وجہ سے باطل ہے۔

① پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ آیت جس کا نام آیۃ التطہیر رکھا گیا ہے، یہ حضرت رسول کریم ﷺ کی بیویوں کے حق میں نازل ہوئی ہے (دیکھئے) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِہٖ مَرَضٌ وَّ قُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝ وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی وَ اَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ اَطِعۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ۝ وَ اذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ

---

[1] یہ حدیث ان لوگوں کی کذب بیانی اور دروغ گوئی کا پردہ چاک کر رہی ہے، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہ، حضرت علیؓ کے فضائل چھپاتے تھے۔ اس حدیث کو اس عائشہؓ نے روایت کیا جن کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ و فاطمہؓ وحسنینؓ سے بغض رکھتی تھیں۔

[2] صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة، رقم:٦١ مختصرًا.

بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾

[الاحزاب:۳۲۔۳۴]

''اے نبی کی بیویو! تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم نے تقویٰ اختیار کرنا ہے تو لوچ دار لہجے میں گفتگو نہ کرنا، ورنہ جس شخص کے دل میں کھوٹ ہے وہ (ناجائز) طمع کرے گا اور تم نے بھلائی کی بات کرنا، اور اپنے اپنے گھروں میں ٹھہری رہنا اور پہلی جاہلیت کا سا بناؤ، سنگار نہ کرنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا، اللہ تعالیٰ تو تم اہل بیت سے دنائت دور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں پوری طرح (میل سے) پاک کرنا چاہتا ہے اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت کی تعلیم دی جاتی ہے اسے یاد رکھنا بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔''

جو شخص ان آیات کے سیاق وسباق پر غور کرے گا وہ اس بات پر یقین کرے گا کہ یہ آیات خاص طور پر حضرت نبی کریم ﷺ کی ازواج سے متعلق ہیں۔

اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمْ﴾ سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عَنْكُمْ فرمایا ہے عَنْكُنَّ نہیں فرمایا اور يُطَهِّرَكُمْ فرمایا ہے۔ يُطَهِّرْكُنَّ نہیں فرمایا۔

(مزید برآں) وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں میم جمع مذکر کا استعمال بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی بیویاں، تطہیر سے خارج ہیں اور حدیث (عائشہؓ) کی دلیل سے حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ اس میں داخل ہیں۔

لیکن یہ استدلال باطل ہے کیونکہ آیت (یعنی فرمان باری تعالیٰ) متصل ہے: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ

الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾ اس کے متصل بعد فرمایا: ﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾ ان آیات میں خطاب مکمل طور پر ازواج مطہرات سے ہے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ نون مؤنث کی بجائے میم جمع اس لیے ذکر کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ بھی ان میں داخل ہیں اور آپ اہل بیت کے سربراہ اور رئیس ہیں۔ اور یہ عربی زبان کا اصول ہے کہ مذکر و مؤنث کے اشتراک پر صیغہ مذکر لایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کے متعلق بھی، اسی طرح خطاب فرمایا ہے۔

﴿ أَتَعْجَبِيْنَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ، رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾ [هود:۷۳]

"کیا تو اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہے، اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، بے شک وہ تعریف کیا گیا اور سراہا گیا ہے۔"

اس آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے اور حضرت موسیٰ کا قصہ بیان کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْأَجَلَ وَ سَارَ بِأَهْلِهِ ﴾ [القصص:۲۹]

"کہ جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی تو اپنے اہل کو لے کر چل پڑے اور ان کے ساتھ ان کی بیوی تھی (اور اسے ہی اَھل کہا گیا ہے)۔ کیونکہ آدمی بھی اہل بیت میں شامل ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ ﴾ میں عَنْكُمْ کا لفظ اس لیے ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ بھی اپنی بیویوں میں داخل ہیں۔

جبکہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرت حسن، حضرت حسینؓ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔ اور نہ ہی عنکم کا لفظ ان کے متعلق ہے بلکہ وہ حدیث کساء کی بناء پر اہل بیت

میں داخل ہیں، آیت کی دلیل سے نہیں۔ چنانچہ حدیث کساء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ اہل بیت نبی میں داخل ہیں اسی بنا پر آپ نے ان کو کمبل میں ڈھانپ کر پڑھا۔ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ اوران کو اہل بیت میں داخل کرلیا۔

۳ تیسری بات یہ ہے کہ اہل بیت النبی ﷺ کا معنی ازواج النبی تک پہنچتا ہے اور حضرت علی اور حسن وحسین و فاطمہ رضوان اللہ علیہم سمیت دوسروں تک بھی پہنچتا ہے جیسا کہ زید بن ارقم کی حدیث سے ثابت ہے، کیونکہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی بیویاں آپ کے اہل بیت میں داخل ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: آپ کی بیویاں اہل بیت میں داخل ہیں، لیکن آپ کے وہ اہل بیت وہ بھی ہیں، جن پر صدقہ حرام ہے اور وہ ہیں آل علی، آل جعفر، آل عقیل، آل عباس۔ [1]

اس اعتبار سے اہل بیت النبی کا مفہوم (مذکورہ بالا افراد سے) بھی وسیع ہو گیا۔

چنانچہ آپ کی بیویاں تو آیت مبارکہ کی رو سے اہل بیت میں داخل ہوئیں۔

اور سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدہ فاطمہ اور ان کے بیٹے سیدنا حسن وحسین حدیث کساء کی رو سے داخل ہوئے۔

اور آل عباس، آل عقیل، آل جعفر، حدیث زید بن ارقم کی وجہ سے۔

اور آل حارث بن عبدالمطلب حضرت نبی کریم کے اس قول کی رو سے اہل بیت میں داخل ہوئے کہ

«اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ» [2]

"کہ بے شک صدقہ ال محمد کے لائق نہیں ہے۔ یہ تو لوگوں کی میل کچیل ہوتی ہے۔"

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة برقم: ۳٦۔ [2] مسلم۔ کتاب الزکوۃ برقم: ١٦٧۔



چارٹ شجرہ بنی ہاشم

چنانچہ یہ سب اہل بیت النبی ہیں، بلکہ تمام بنو ہاشم اہل بیت ہیں اور ان سب پر صدقہ حرام ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس آیت میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دنائت دور کردی، بلکہ اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے دنائت وخست دور کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور یہ ارادہ شرعیہ ہے، قدریہ نہیں ہے اور ارادہ قدریہ، ارادہ شرعیہ سے الگ چیز ہے، اللہ پسند کرتا ہے کہ ان سے دنائت وخست دور کردے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے حضرت علی و فاطمہؓ اور ان کے صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ اور ازواج مطہراتؓ اور آل عقیل، آل جعفر، آل عباس سے دنائت وخست دور کردی، لیکن پھر بھی اس آیت میں ارادہ شرعیہ ہی مراد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی حدیث میں ہے کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ نے سادات اربعہ پر اپنا کمبل پھیلایا تو فرمایا:

«اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ، اَللّٰھُمَّ أَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ» [1]

”کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے دنائت وخست دور کردے۔“

تو جب اللہ تعالیٰ (آیت مبارکہ کی رو سے) ان سے دنائت وخست لے گیا ہے تو پھر اس فرمان کا کیا مطلب کہ اے اللہ ان سے دنائت دور کردے؟!

[1] سنن الترمذی۔ کتاب المناقب باب مناقب اهل بیت النبیؐ، رقم: ۳۷۸۷.

حضرت نبی کریم ﷺ کی دعا اس بات کی دلیل ہے کہ آیت محولہ میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ، شرعی ارادہ ہے، قدری نہیں ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَ كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ○ يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ وَ خُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا﴾ [النساء: ٢٦-٢٨]

”کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بیان کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور تمہیں پہلے لوگوں کے طور طریقے کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے اور تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے۔ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور خواہشات کی پیروی کرنے والے چاہتے ہیں کہ تم (خواہشات کی طرف) مکمل طور پر جھک جاؤ اور اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جتنے ارادے ذکر کیے ہیں وہ سب شرعی ہیں، اللہ چاہتا ہے کہ سب لوگوں پر تخفیف کرے، اللہ چاہتا ہے کہ سب لوگوں کو بخش دے، لیکن کیا اس نے تمام لوگوں کو بخش دیا ہے۔ نہیں کیونکہ قرآن میں ہے

﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَ مِنكُم مُّؤْمِنٌ﴾ [التغابن: ٢]

”کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا چنانچہ تم میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ بخشنا تو سب کو چاہتا ہے لیکن جنہوں نے کفر کیا انہیں نہیں بخشے گا۔“

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر انسان سے میل دور کرنا چاہتا ہے اور ہر ایک مؤمن سے بھی، اسی لیے تو اللہ کے رسول نے نمازی کو گندی جگہوں سے بچنے کی

ہدایت کی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے کہ ﴿ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾[مدثر:٤]اور اسے وضو اور غسل جنابت کا حکم دیا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ تطہیر فقط حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ پر ختم نہیں ہوئی بلکہ دوسروں کے لیے بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيهِمْ بِهَا ﴾[توبہ:١٠٣]

''کہ ان کے اموال سے صدقہ وصول کر کے انہیں پاک کیجئے اور ان کا تزکیہ کیجئے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَ لٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ ﴾[المائدہ:٦]

''لیکن وہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے۔''

سورۂ انفال میں فرمایا:

﴿ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ ﴾[الانفال:١١]

''اور وہ تم پر آسمان سے پانی برساتا ہے تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی پلیدگی دور کرے۔''

ساتویں بات یہ ہے کہ دنائت وخست کی دوری اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ سادات کرام، حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد خلیفہ ہیں، بلکہ ہم تو یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت علیؓ سے دنائت لے گیا اور آپ مومنوں کے مولیٰ قرار پائے۔ اسی طرح حضرت حسن، حسین اور سیدہ فاطمہؓ سے بھی بلکہ اسی طرح ازواج مطہرات سے بھی دنائت لے گیا، تبھی تو ان کا نام امہات المومنین رکھا اور فرمایا:

” وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ“

اور اس طرح مذکورہ بالا آیات کی رو سے اللہ تعالیٰ تمام، صحابہ کرامؓ سے بھی دنائت وخست لے گیا۔[1]

۳۔ آیت ولایت سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

اس سے ان کی مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان ہے:

﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴾ [المائدہ:۵۵]

”کہ تمہارا دوست تو صرف اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ مومن جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔“

انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک عمل روایت کیا ہے، کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور رکوع کی حالت میں تھے، کہ ایک فقیر نے صدقہ، یا زکوٰۃ کا سوال کیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس کی طرف اپنا ہاتھ رکوع کی حالت میں ہی بڑھا دیا، تو اس فقیر نے آپ کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار لی۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وہ کہتے ہیں کہ سوائے حضرت علیؓ کے کسی اور نے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ نہیں دی، اس لیے وہی ولی ہیں اور وہی خلیفہ ہیں۔

اس آیت سے ان کے استدلال کا جواب کئی طرح سے ہے۔

① پہلی بات تو یہ ہے کہ اس واقعہ کی سند صحیح نہیں ہے اور حضرت علیؓ سے یہ بات ثابت ہی نہیں ہے کہ انہوں نے حالت رکوع میں انگوٹھی صدقہ میں دی ہو، سبحان اللہ! وہ اپنے زعم میں اس سے حضرت علیؓ کی مدح کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپؓ کو ان کی مدح

[1] اس شبہے کا رد پڑھنے کے لیے مختصر تحفہ اثنا عشریہ ص: ۱۴۹۔ کا مطالعہ کیجئے۔

کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کو وہی مدح کافی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے مقدس رسول نے فرمائی ہے۔ لیکن وہ مدح کی بجائے قدح کر بیٹھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾[مومنون:۱۔۲]

''کہ ان مومنوں نے فلاح پائی جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔''

اور حضرت نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ

﴿ اِنَّ فِی الصَّلٰوةِ شُغْلًا ﴾[1] ''کہ نماز میں مشغولیت ہے۔''

تو ہم کس طرح مان لیں کہ حضرت علیؓ جو کہ خاشعین کے اماموں اور ان کے سربرآوردہ لوگوں میں سے ہیں، وہ نماز کی حالت میں صدقہ کرتے پھریں۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ اپنی نماز پوری کر لیتے اور پھر صدقہ کرتے؟ اور بہتر طریقہ بھی یہی ہے کہ انسان حسب طاقت اپنی نماز میں خشوع کرے اور اس طرح کے کام نماز کے بعد تک مؤخر کرے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا، زکوٰۃ مانگنے والے کا انتظار نہ کرے (بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی شروع کردے۔)

کیا یہ بات افضل ہے کہ آدمی اپنی زکوٰۃ اپنے پاس رکھ چھوڑے اور پھر انتظار کرے کہ لوگ دروازہ کھٹکھٹائیں تو انہیں اپنے مال کی زکوٰۃ دے؟ یا وہ بغیر کسی کا انتظار کیے خود زکوٰۃ ادا کردے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسرا طریقہ افضل ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلوٰۃ، باب ما ینھی عن الکلام،رقم: ۱۱۹۹، صحیح مسلم۔ کتاب المساجد،رقم الحدیث: ۳٤.

آپ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب ﴿قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ﴾ نازل ہوئی اور نماز کی حالت میں سلام کا جواب دینا ممنوع قرار پایا۔(مترجم)

③ تیسری بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت رسول کریم ﷺ کی زندگی میں نادار تھے، اسی لیے تو آپ کی طرف سے حضرت فاطمہ کو مہر میں صرف ایک درع مل سکی اور مالی صورت میں مہر نہ مل سکا، کیونکہ آپ کے پاس مال نہ تھا اور آپ جیسے نادار پر زکوٰۃ ویسے بھی فرض نہیں ہے اور حضرت رسول کریم ﷺ کی زندگی میں تو آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی۔

④ چوتھی بات یہ ہے کہ اس آیت میں رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینے کا ذکر ہی نہیں ہے، اس لیے کہ اگر رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینا قابل تعریف ہوتا تو یہ عمل مشروع ہو جاتا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس حالت میں زکوٰۃ دینے والے کی تعریف کرتا ہے تو رکوع کی حالت میں یہ کام سنت قرار پاتا لیکن کسی عالم نے اس کا فتویٰ نہیں دیا۔

⑤ پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اقامت صلوٰۃ کا لفظ ارشاد فرمایا ہے اور اقامت، ادائیگی سے منفرد چیز ہے، کیونکہ عبد اللہ بن عباس کے بقول اقامت صلوٰۃ کا معنی ہے کہ نماز کو اسی طریقے سے ادا کیا جائے جس طرح حضرت رسول کریم ﷺ نے ادا کی ہے۔ یعنی طہارت، رکوع، سجود، خشوع وخضوع، ذکر وقرأت میں درجہ کمال کے ساتھ، یہ ہے اقامت صلوٰۃ۔ اگر (وَ هُمْ رَاكِعُوْنَ) سے مراد رکوع ہوتا تو اقامت صلوٰۃ کے بعد دوبارہ رکوع کی حالت بیان کرنے کا کیا مطلب؟

بلاشبہ مطلب یہ ہوا کہ راکعون سے مراد (خاضعون لِلّٰهِ تبارك و تعالىٰ) ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں حضرت داؤد کے تذکرے میں ہے۔

﴿ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ﴾ [ص:٢٤]

”کہ داؤد نے سمجھا کہ ہم نے اسے آزمایا تو اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور وہ سجدے میں گر پڑا اور (ہماری طرف) متوجہ ہوا۔“

اس آیت میں (رَاكِعًا) سے مراد (سَاجِدًا) ہے۔ اسے (راكِعًا) کے لفظ سے

تو اس وجہ سے تعبیر کیا کہ وہ اللہ کے سامنے ذلت کی خاطر جھک گئے۔

اور اسی طرح سورۂ مرسلت [۴۸] میں ہے:

﴿ وَ اِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴾[المرسلات: ٤٨]

''کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ تو وہ فرمانبرداری نہیں کرتے۔''

اس میں (ارْكَعُوْا) سے مراد (اِخْضَعُوْا) ہے۔

اور اسی طرح سورہ آل عمران [۴۳] میں ہے:

﴿ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ ﴾[آل عمران:٤٣]

''کہ اے مریم اپنے رب کے سامنے جھک جا اور سجدہ کر اور فرمانبردار ہونے والوں کے ساتھ فرمانبردار ہو جا۔''

یہاں (ارْكَعِيْ) سے مراد (اِخْضَعِيْ) ہے یعنی اللہ کے سامنے اپنا سر خم کر دے۔ حضرت مریم عبادت کی خاطر تمام کاموں سے لاتعلق تھیں اور اس صنف سے تھیں جن پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب نہیں ہے۔ المختصر اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان کے لیے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرنا مستحب ہے۔

⑥ چھٹی بات یہ ہے کہ: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب بنو قینقاع نے حضرت رسول کریم ﷺ سے غداری کی تو پھر وہ حضرت عبادہ بن صامت﷜ کی طرف گئے، کہ وہ ان کا ساتھ دیں۔ لیکن انہوں نے اپنے ان سابقہ دوستوں کو چھوڑ دیا اور ان سے عداوت رکھ لی، اور اللہ اس کے رسول کے ساتھی بن گئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَ هُمْ رَاكِعُوْنَ ﴾[1]

[1] تفسير طبرى ٦/١٧٨.

یعنی اس آیت میں (وھم راکعون) سے ان کا حال بیان کیا ہے کہ وہ اپنی تمام حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے چند آیات پہلے بیان فرمایا کہ

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾[المائدہ:۵۱]

"کہ اے ایمان والو! تم یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، کیونکہ وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کا دوست بنا وہ انہی (یہودیوں، عیسائیوں) میں سے ہوگا۔"

اس آیت میں عبد اللہ بن ابی ابن سلول کو یہودیوں کا دوست قرار دیا گیا ہے، کیونکہ جب حضرت رسول کریم ﷺ کا یہود بنو قینقاع سے تنازعہ ہوا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے ان حلیف یہودیوں کا ساتھ دیا، اور ان کے ساتھ کھڑا ہو کر حضرت نبی کریم کی خدمت میں ان کا سفارشی بن گیا (اور ڈھٹائی سے ان کی سپورٹ کرنے لگا)، جبکہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے لاتعلقی اختیار کر کے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اے ایمان والو! تم یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان کا دوست بنا وہ انہیں میں سے ہے۔ اور اللہ ظالموں کے ٹولے کو ہدایت نہیں کرتا۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عبادہ بن صامتؓ جیسے مومنین کرام کی خوبی بیان کی کہ

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾

"کہ تمہارا ولی تو صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول اور (عبادہ جیسے) مومنین۔"

لہٰذا (شان نزول کے اعتبار سے) یہ آیت حضرت عبادۃ بن صامتؓ کے بارے

میں ہے۔[1]

⑦ ساتویں بات یہ ہے کہ: اس طرح کی بات تو ہر کوئی انسان کہہ سکتا ہے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شیدائی کہیں گے کہ یہ حضرت معاویہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور شیعہ کی طرح وہ بھی کوئی من گھڑت روایت پیش کردیں گے۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شیدائی آئیں گے اور کہیں گے کہ یہ آیت حضرت عثمان کی شان میں نازل ہوئی اور وہ بھی کوئی خودساختہ روایت پیش کردیں گے۔

⑧ آٹھویں بات یہ ہے کہ بالفرض مان لیا جائے کہ یہ آیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے تو اس سے ان کی خلافت بلافصل تو ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یہ بات ثابت ہوگی کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھیں اور ہم (بحمد اللہ) ان سے محبت رکھتے ہیں۔رضی اللہ عنہ وَارضاہ

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ﴾ میں اِنَّمَا حصر کے لیے ہے لہٰذا ان سے پیشرو خلفاء کی خلافت باطل ہوگئی۔

ہم پہلے ہی ثابت کرچکے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی،اس کے بعد اگر ہم بالفرض مان لیں کہ (اِنَّمَا) حصر کے لیے ہے اور اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت باطل ہے تو اسی حصر کی وجہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت زین العابدین رحمہ اللہ، حضرت محمد الباقر رحمہ اللہ، و جعفر رحمہ اللہ وغیرہم کی خلافت بھی باطل ہوگی۔

⑨ نویں بات یہ ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ واحد ہیں اور آیت میں ضمیر (هُمْ) جمع ہے، اگرچہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ جمع کا صیغہ ذکر کرکے مفرد بھی مراد لیا جا سکتا ہے لیکن اصل قانون یہی ہے کہ مطلق جمع سے مراد بھی جمع لیا جاتا ہے اِلاّ یہ کہ وہاں کوئی قرینہ ہو، اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے۔

---

[1] دیکھیے تفسیر طبری:۱۷۸/۶۔

۴۔ حَدِیثُ الْمَنزِلَۃِ سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

حضرت رسول کریم ﷺ غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے گئے اور (عورتوں، بچوں، معذوروں کے سوا) کسی کو مدینہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی تو چھ قسم کے لوگ مدینہ میں رہ گئے۔

① معذور صاحبان، مثلاً بوڑھے، اندھے، مریض اور دیگر اپاہج افراد۔

② عورتیں۔

③ بچے۔

④ ایسے خطا کار جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول نے نکلنے کا حکم دیا لیکن وہ سستی کی وجہ سے نکل نہ سکے اور وہ تھے کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، ہلال بن امیہ۔

⑤ جنہیں خود نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

⑥ منافقین۔

یہ صرف چھ قسمیں تھیں اور حضرت علی پانچویں قسم میں سے تھے، نبی کریم ﷺ نے ان کو مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تو منافقین نے باتیں بنانی شروع کر دیں اور کہنے لگے کہ رسول اللہ نے کسی طرح کی دلی (نفرت کی وجہ سے) علی کو مدینہ میں چھوڑ دیا ہے۔[1]

جب حضرت علی کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پیچھے چل دیئے۔ اس وقت آپ مدینہ کے باہر تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رو دیئے[2] اور کہا:

اے اللہ کے رسول!، کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ چلے ہیں؟

تو حضرت رسول کریم ﷺ نے انہیں حوصلہ دیا اور فرمایا:

« اَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ

[1] مختصر تاریخ ابن عساکر ۱۷/۳٤۷۔ [2] مختصر تاریخ ابن عساکر ۱۷/۳٤۵۔

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ» [1]

”کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو میری طرف سے اسی مقام پر ہو، جو ہارون کا موسیٰ سے تھا، فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

وہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ « أَلَا تَرْضٰی أَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی »اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی، آپ کے بعد خلیفہ ہیں کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام میقات پر گئے تھے تو ہارون علیہ السلام ان کے خلیفہ تھے۔ لہٰذا حضرت علی بھی، حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد خلیفہ ہیں۔

اور یہ استدلال چند وجوہات کی بنا پر باطل ہے۔

① پہلی وجہ یہ ہے کہ: حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ کے خلیفہ نہیں بنے تھے۔ بلکہ مشہور ہے کہ وہ، حضرت موسیٰ سے ایک سال قبل وفات پا گئے تھے۔ [2]

② دوسری وجہ یہ ہے کہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کی ملاقات کے لیے گئے، تو ہارون علیہ السلام اس شان سے شہر میں ان کے خلیفہ بنے کہ ان کے ساتھ لشکر بھی تھا اور قوت بھی تھی اور لوگ بھی تھے اور موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر اپنے رب کی ملاقات کے لیے گئے جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ فوج کا کوئی آدمی نہ تھا، صرف وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کی تھی۔ لہٰذا معاملہ مختلف ہو گیا۔

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ: حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس وجہ سے دلاسا دیا کہ وہ آپ کے پاس شکایت کرنے آئے تھے، اگر وہ نہ آتے تو آنحضرت بھی انہیں یہ بات نہ کہتے، کیونکہ آپ ﷺ ان کو یہ بات کہے بغیر مدینہ سے نکل آئے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب علی برقم: ٣٧٠٦، مسلم کتاب فضائل الصحابہ نمبر ٣٠ (بغیر تفصیل کے)

[2] طبری: ١/ ٣٠٤، البدایة والنهایة ١/ ٢٩٧، قصص الانبیاء، ص: ٢٩٨.

حضرت رسول کریم ﷺ نے یہ بات کب ارشاد فرمائی؟

جب حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت رسول کریم سے شکایت کی تھی کہ:

آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ چلے ہیں؟

تو آپ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے، میں نے تمہیں کسی طرح کی ناراضی اور بغض کی وجہ سے پیچھے نہیں چھوڑا، کیا تم نہیں جانتے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کی ملاقات کے لیے (چند آدمیوں کو لے کر) نکل گئے اور ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے، تو اس میں ہارون علیہ السلام کی کوئی تنقیص نہ ہوئی۔ اس طرح جب میں تمہیں مدینہ میں چھوڑ کر جا رہا ہوں تو اس میں تیری تنقیص نہیں ہے۔ اگر حضرت علیؓ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا اور وہی شکوہ کرتا جو حضرت علیؓ نے کیا تھا، تو اسے بھی یہی جواب دینا بعید نہ تھا۔

اور حضرت علیؓ نے اس وجہ سے شکوہ کیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ دیگر گورنروں کو فقط عورتوں اور بچوں کا محافظ نہ بناتے تھے بلکہ انہیں مردوں پر بھی افسر مقرر کرتے تھے اور حضرت نبی کریم ﷺ سارا لشکر لے کر نہیں نکلتے تھے۔ لہٰذا جب حضرت علی المرتضیٰؓ نے فقط عورتوں اور بچوں کا نگہبان بننے میں اپنی تنقیص محسوس کی اور منافقین نے باتیں بنانا شروع کیں، تو آپؓ، حضرت نبی کریم ﷺ کے پیچھے نکلے اور ان سے اپنی مدینہ میں موجودگی کا سبب پوچھا، تو آپ نے وضاحت فرمائی، کہ آپ کو پیچھے چھوڑنا کسی طرح کی نفرت کی بنا پر نہیں اور نہ ہی اس طرح کی کوئی بات ہے، جو منافقین نے کہی، بلکہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ہارون کو اپنی قوم میں چھوڑا تھا، اس طرح میں بھی تمہیں اپنے گھر میں چھوڑ رہا ہوں۔

④ چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام ابن جریر و ابن کثیر وغیرہ مؤرخین کی تصریحات کے مطابق حضرت نبی کریم ﷺ نے اس غزوہ میں حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مدینہ میں اپنا

قائم مقام بنایا تھا اور حضرت علیؓ کو اپنے اہل بیت کا محافظ مقرر کیا تھا۔[2,1] (لہٰذا حضرت علیؓ مدینہ میں آپ کے نائب نہ تھے)

⑤ پانچویں وجہ یہ ہے: اے شیعہ صاحبان! تمہیں یہ بات کس طرح سمجھ آ گئی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علیؓ کو پیچھے چھوڑنے میں ان کی فضیلت ثابت ہوئی جبکہ تمہارے بقول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنائے بغیر کہیں نکلنا مناسب نہ تھا اور پھر یہ بھی بیان کرتے ہو کہ جب آپؐ انہیں اپنا نائب بنا کر گئے تو حضرت علیؓ روتے ہوئے باہر آ گئے۔

کیا تم سمجھ گئے اور حضرت علیؓ نہ سمجھ سکے!؟

اگر اس موقع پر حضرت علیؓ کو حضرت نبی کریمؐ کے یہاں چھوڑنے میں فضیلت ہوتی تو وہ روتے ہوئے باہر نہ نکلتے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنا خلیفہ بنائے بغیر نہیں نکلتے۔

⑥ چھٹی وجہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کے علاوہ دوسروں کو بھی اپنا نائب بنایا تھا، جب آپ حجۃ الوداع کے لیے نکلے تو اس وقت حضرت علیؓ یمن میں تھے اور مدینہ میں ان کو اپنا قائم مقام نہیں بنایا۔

باقی رہا آپ کا حضرت علیؓ کو حضرت ہارون سے تشبیہ دینا، تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق، اور عمر فاروقؓ کو حضرت ہارون سے بھی بڑے پیغمبروں سے تشبیہ دی ہے، غزوۂ بدر میں جب قیدیوں کا معاملہ درپیش ہوا اور حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کی تجویز پیش کی اور حضرت عمرؓ نے انہیں قتل کر دینے کی رائے دی تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا، تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے

---

[1] تاریخ طبری ۲/۳۶۸، لیکن انہوں نے کہا ہے کہ سباع بن عرفطہ مدینہ میں آپ کے نائب تھے۔

[2] البدایۃ والنہایۃ ۵/۷۔

کہ انہوں نے اپنی قوم کے متعلق فرمایا:

﴿ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾[ابراهیم: ۳٦]

"کہ جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی سو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

نیز تمہاری مثال حضرت عیسیٰؑ کی طرح ہے کہ انہوں نے اپنی امت کے متعلق فرمایا:

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ [المائده: ۱۱۸]

"کہ اگر تو انہیں عذاب کرے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔"

پھر آپ نے حضرت عمر فاروق کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا: تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا:

﴿ رَبِّ، لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِیْنَ دَیَّارًا ﴾ [نوح:٢٦]

"کہ اے اللہ زمین پر کافروں کا کوئی گھر باقی نہ رہنے دے۔"

نیز تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے کہ انہوں نے فرمایا:

﴿ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴾ [یونس:۸۸]

"کہ اے ہمارے رب ان کے مال مٹا دے اور ان کے دل سخت کردے اور یہ دردناک عذاب دیکھے بغیر ایمان نہ لائیں۔" [1]

چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ صدیق کو سیدنا ابراہیم اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام

[1] مسند احمد ۱/۳۸۳ اس کی سند صحیح ہے۔

کے ساتھ، اور حضرت عمرؓ فاروق کو سیدنا نوحؑ اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی، اور یہ پیغمبر اولوالعزم میں سے ہیں اور حضرت رسول کریمﷺ کے بعد تمام انسانوں سے بہتر ہیں اور حضرت ہارون سے بدرجہا افضل ہیں۔ صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

مقصد یہ ہے کہ حضرت رسول کریمﷺ کا حضرت علی المرتضیٰؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دینا، اس تشبیہ سے افضل و اعلیٰ نہیں جو آپؐ نے حضرت ابوبکر اور عمرؓ کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ اور نوح علیہم السلام سے دی ہے۔

۵۔ آیت ذَوِی الْقُرْبیٰ سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ قُلْ لَا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ ﴾

''کہہ دیجئے کہ میں تم سے اجرت کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ قرابت کی وجہ سے مجھ سے صلہ رحمی برتو۔''

وہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریمﷺ نے لوگوں کو اپنے قرابت داروں سے محبت و دوستی کا حکم دیا ہے۔ اور کچھ شیعہ صاحبان نے اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت آل محمد کے قرابت داروں کے متعلق نازل ہوئی ہے، جبکہ یہ محض جھوٹ ہے کیونکہ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح میں حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان ﴿ قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ ﴾[الشوریٰ:۲۳] کے متعلق پوچھا گیا تو میں نے (جلدی سے) کہہ دیا کہ ''مگر یہ کہ تم میرے قرابت داروں سے دوستی (کر کے مجھ سے محبت) کا ثبوت دو۔''[1]

[1] الطا کی نے اپنی کتاب ''لِمَاذَا اخْتَرْتُ مَذْهَبَ الشِّيْعَة'' میں اس حدیث کو توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے اور ابن جبیر کے کلام کو ابن عباس کی طرف منسوب کر دیا ہے دیکھئے ص:۸۴۔

تو حضرت عبد اللہ بن عباس نے میری طرف رخ کر کے فرمایا تو نے جلد بازی کی، اللہ کی قسم قریش کے جتنے بھی قبائل ہیں ان میں محمد ﷺ کی قرابت داری ہے۔
چنانچہ آپ نے اس کا معنی یہ بتایا کہ:
مگر یہ کہ تم میرے اور اپنے درمیان قرابت داری کی بنا پر مجھ سے صلہ رحمی برتو [1]
مذکورہ بالا آیت کریمہ کے اس مفہوم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان دلالت کر رہا ہے کہ

﴿ وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى ﴾ [الانفال:٤١]

”اور جان لو کہ تم نے جو کچھ مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور قرابت داروں کے لیے پانچواں حصہ ہے۔“

اس میں لِذِی الْقُرْبیٰ کا لفظ ارشاد فرمایا ہے، فِي الْقُرْبیٰ نہیں فرمایا۔ اور سورہ صٓ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیغمبر کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴾ [ص:٨٦]

”کہ کہہ دیجئے میں اس (دعوت دین) پر تم سے اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔“

اور سورۃ یوسف میں ارشاد فرمایا:

﴿ مَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ ﴾ [یوسف:١٠٤]

”کہ آپ اس (دعوت الٰہی) پر ان سے اجرت کا سوال نہیں کرتے، بلکہ یہ تو فقط جہاں والوں کے لیے نصیحت ہے۔“

چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے تو کبھی اجرت کا سوال نہیں کیا، تو یہ کس طرح دعویٰ

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ باب المودۃ فی القربی، رقم:٤٨١٨.

کرتے ہیں کہ حضرت رسول کریمﷺ (اپنی امت سے) کہہ رہے ہیں کہ میں تم سے ایک اجرت کا سوال کرتا ہوں، کہ تم میرے قرابت داروں سے مودّت کرو؟! (المختصر یہ کہ) حضرت رسول کریمﷺ نے کبھی اجرت کا سوال نہیں کیا اور نہ اللہ کریم کے فرستادہ پیغمبروں نے اپنی اپنی قوموں سے کبھی اجرت طلب کی۔[1] (جب، حقیقت یہ ہے) تو حضرت رسول کریمؐ جو کہ تمام انبیاء کرام سے افضل اور معزز ہیں، وہ اس بات سے کوسوں دور ہیں کہ لوگوں سے اجرت کا سوال کریں آپﷺ تو اللہ تعالیٰ کے ان فرامین کا صحیح ترین مصداق ہیں کہ:

﴿ قُلْ مَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾

نیز ﴿ وَ مَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ﴾

نیز ﴿ قُلْ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾

[الفرقان:٥٧]

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ قُلْ مَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ میں کلمہ اِلَّا یا تو استثنا متصل یعنی (سوی) کے معنی کے لیے ہے، یا استثنا منقطع کے لیے ہے، یعنی لٰکِنْ کے معنی میں۔ البتہ مذکورہ بالا آیات کی رو سے صحیح بات یہی ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع یعنی لٰکِنْ کے معنی میں ہے کیونکہ حضرت رسول کریمﷺ نے کبھی اجرت کا سوال نہیں کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ کا مفہوم یہ ہے، کہ لیکن میری قرابت داری کا پاس کر کے مجھ سے محبت کرو، میں تمہارا قریبی رشتہ دار ہوں، تم مجھے لوگوں کو دعوت دینے دو۔

اور حضرت رسول مقبولﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے قریش سے کہا کہ آپ

---

[1] الشعراء ١٠٩، ١٢٧، ١٤٥، ١٦٤، ١٨٠، ﴿وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر رب العالمین کے علاوہ کسی کے ذمے نہیں ہے!

لوگ مجھے لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف دعوت دینے دیں، اگر میں کامیاب ہو گیا تو اس میں تمہاری اپنی عزت ہے، اگر لوگ مجھے قتل کر دیں تو میرے خون سے بری الذمہ ہوگے۔

الغرض حضرت نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی لوگوں سے اپنے قرابت داروں کے ساتھ مؤدت کا سوال نہیں کیا، اگر آپ نے اپنے قرابت داروں کے لیے اجرت کا سوال کرنا ہوتا تو آپ لِذِی الْقُرْبٰی یا لِذَوِی الْقُرْبٰی فرماتے کیونکہ فِی الْقُرْبٰی سے وہ معنی نہیں نکلتا۔

شیخ الاسلام امام ابو العباس ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ پورے قرآن میں جہاں کہیں حضرت نبی کریم ﷺ کے رشتہ داروں یا انسان کے رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کا ذکر آیا ہے، وہاں ذوِی الْقُرْبٰی آیا ہے۔ فِی الْقُربیٰ نہیں آیا۔[1]

۶۔ حدیث ثقلین سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

« تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَبَدًا كِتَابَ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِي »[2]

''کہ میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑ چلا ہوں کہ اگر تم انہیں تھام رکھو تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے (وہ ہیں) اللہ کی کتاب اور میری عترت۔''

وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ مومن پر واجب ہے کہ وہ حضرت رسول کریم ﷺ کی عترت کا دامن نہ چھوڑے، اس کے بعد کہتے ہیں کہ جب ان کا دامن

[1] منهاج السنة: ۷/۱۰۱.

[2] سنن ترمذی۔ کتاب المناقب، باب مناقب اهل البیت، رقم: ۳۷۸۶، اس روایت کی سند میں زید انماطی ہے، اس حدیث کے ایک سے زائد طرق ہیں لیکن کوئی بھی کلام سے خالی نہیں بلکہ اس کی تمام اسناد کے متون میں بھی اختلاف ہے۔

تھامنا واجب ہے تو حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد وہ اس منصب (امارت) کے حقدار ٹھہرے اور وہی آپ کے بعد خلفاء ہیں۔

اس استدلال کے باطل ہونے کی بھی کئی وجوہات ہیں:

① پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے اور حضرت رسول کریم ﷺ سے ثابت ہونے میں بھی کلام ہے، صحیح مسلم میں تو کتاب اللہ کو تھامنے اور اہل بیت کا احترام کرنے کا حکم ثابت ہے، جس طرح کہ صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے کتاب اللہ کو تھامنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینے کے بعد فرمایا:

"وَاَهْلُ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي"

یعنی آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے معاملے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔"

چنانچہ آپ نے کتاب اللہ کو تھامنے کا حکم دیا۔ اور اہل بیت کے متعلق آپ نے یہ حکم دیا کہ ان کی پاسداری کی جائے اور ان کے وہ حقوق ادا کیے جائیں جو اللہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:

"قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابُ اللّٰهِ" [1]

"کہ میں تم میں ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں، کہ اگر تم اسے تھامے رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، وہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب۔"

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الحج، رقم: ۱۷٤.

اس روایت میں اہل بیت کو تھامنے کا ذکر نہیں بلکہ اس کتاب کو تھامنے کا ذکر ہے جس کے تھامنے سے انسان کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔

② دوسری وجہ: عترت رسول ہیں کون؟ آدمی کے گھرانے کے لوگ ہی اس کی عترت ہوتے ہیں اور عترت رسول ﷺ سے وہ تمام افراد مراد ہیں جن پر زکوۃ حرام ہے اور وہ ہیں بنو ہاشم اور یہی عترت رسول ﷺ ہیں اور ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ سب لوگوں سے بڑھ کر ان کا احترام کرنے اور ان کا دامن تھامنے والا کون ہیں؟ اہل السنہ یا شیعہ؟

شیعہ کے ہاں حضرت رسول کریم ﷺ تک اسناد کا اہتمام نہیں ہے اور وہ خود بھی اس حقیقت کے اقراری ہیں کہ ان کے پاس ان کی کتابوں کے مندرجات اور مرویات کی اسناد نہیں ہیں، بلکہ ان کے پاس محض کتابیں ہیں۔ جو انہیں (اپنے بڑوں سے) ملیں اور وہ کہتے ہیں کہ ان کو بیان کرو کیونکہ وہ برحق ہیں۔[1]

باقی رہا ان کی اسانید کا معاملہ، تو حُرّ العاملی جیسے شیعہ مجتہدین کہتے ہیں کہ بنیادی طور پر شیعہ کے پاس اسانید نہیں اور نہ ہی اسانید پر ان کا دارومدار ہے۔[2]

جب ان کے پاس ان کی کتابوں کی مرویات کی اسناد ہی موجود نہیں تو پھر وہ عترۃ النبی ﷺ کے متعلق اپنی مرویات کس طرح ثابت کریں گے؟ جبکہ حقیقت میں ہم اہل السنہ ہی عِترَةُ النَّبِی کی اتباع کرنے والے ہیں اور ہم نے انہیں ان کا پورا حق دیا ہے، نہ ہم نے اسے بڑھایا نہ گھٹایا، جیسا کہ حضرت رسول کریم ﷺ فرما گئے ہیں:

---

[1] کلینی نے محمد بن حسن سے بیان کیا ہے کہ میں نے ابو جعفر ثانی سے کہا کہ "میں آپ پر قربان ہو جاؤں! ہمارے مشائخ نے ابو جعفر اور ابو عبد اللہ علیہم السلام سے روایت بیان کی ہیں اور اس وقت تقیہ شدید تھا، لہٰذا انہوں نے اپنی کتابیں چھپالیں اور وہ ان سے روایت نہ کی جا سکیں، جب وہ فوت ہو گئے تو کتابیں ہمیں مل گئیں تو انہوں نے کہا: انہیں بیان کرو وہ حق ہیں۔ الکافی ۱/ ۵۳.

[2] دیکھئے اس کی کتاب خاتمۃ الوسائل، اس میں وہ لکھتا ہے (فائدہ نمبر 9) کہ شیعہ کے پاس اسانید نہیں کہ ان کے ذریعے مرویات کو پرکھا جائے اور اسانید کا اہتمام، نیا قضیہ ہے۔

«لَا تُطْرُوْنِی كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ» [1]

''کہ مجھے یوں نہ بڑھانا جیسے نصرانیوں نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا، بلکہ تم کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔''

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب عترۃ کے امام ہیں اور ان کے بعد علم کی رو سے اس امت کے حبر حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی ہیں، اور آپ ﷺ حضرت ابوبکر حضرت عمرؓ کی خلافت کو حضرت علیؓ کی خلافت سے مقدم مانتے ہیں بلکہ حضرت علیؓ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ خود فرماتے تھے کہ:

«اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ» [2]

''کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد، حضرت ابوبکر اور عمر، تمام لوگوں سے افضل ہیں۔''

بلکہ شیعہ کے نزدیک بھی یہ ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا:

«اَنَا لَكُمْ وَزِيْرٌ خَيْرٌ مِنْ اَمِيْرٍ» [3]

''میں تمہارا وزیر بنوں تو یہ بہتر ہے اس سے کہ تمہارا امیر بنوں۔''

چنانچہ حضرت علیؓ بذات خود شیخین کی فضیلت کا اقرار کرتے ہیں جبکہ آپ عترۃ کے امام ہیں۔

④ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث بھی حضرت رسول کریم ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث کی طرح ہے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء۔باب قول اللہ "وَ اذْكُرْ فِی الْكِتَابِ مَرْيَمَ" رقم: ٣٤٤٥.

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب قول النبی لو کنت متخذا خلیلاً رقم: ٣٦٧١.

[3] نہج البلاغة ص: ٩٥ خطبه نمبر: ٩٢.

« تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّتِي» [1]

”کہ میں تم میں ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے تھام لو تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔“

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

« عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِي عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ» [2]

”کہ تم پر میری اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے، اسے ڈاڑھوں سے (یعنی مضبوطی سے) پکڑ لو۔“

چنانچہ آپ نے اپنی اور خلفائے راشدین کی سنت کو ڈاڑھوں سے چبا کر رکھنے کا حکم دیا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:

« اِقْتَدُوا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ» [3]

”کہ میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتدا کرو۔“

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

« اِهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَ تَمَسَّكُوا بِعَهْدِ ابْنِ مَسْعُودٍ» [4]

---

[1] مستدرك حاكم ۹۲/۱۔

[2] سنن ابی داؤد كتاب السنة، باب لزوم السنة، رقم:٤٦٠٧، ترمذی كتاب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة، رقم٢٦٧٦.

[3] ترمذی كتاب المناقب، باب مناقب ابی بكر و عمر، رقم:٣٦٦٣، ابن ماجه، المقدمة۔ باب فضائل اصحاب النبي، رقم:٨٦

[4] سنن ترمذی، كتاب المناقب۔ باب مناقب عبد الله بن مسعود، رقم:٣٨٠٥۔

''کہ عمار کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کرو اور ابن مسعود کے عہد کو تھام لو۔''

اور یہ حدیث کسی طرح بھی امامت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حضرت رسول مقبول ﷺ کے طریقے پر تھے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی عترت، ضلالت پر کبھی اکٹھی نہ ہوگی۔

لیکن عترۃ النبی ﷺ کے افراد کون ہیں؟ اس پر ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔[1]

⑤ پانچویں وجہ یہ ہے کہ شیعہ صاحبان، عم رسول حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) بن عبدالمطلب ہاشمی کی (insult) اور تحقیر کرتے ہیں۔[2] اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ پر بھی زبان طعن دراز کرتے ہیں۔[3] اسی طرح وہ حضرت حسنؓ کی اولاد پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ کی اولاد سے حسد کرتی ہے۔[4] اور اسی طرح وہ حضرت حسینؓ کے ان بیٹوں پر بھی لب کشائی کرتے ہیں جو ان کے من پسند اماموں میں سے نہیں ہیں مثلاً حضرت زید بن علیؓ کہ ان پر انہوں نے تہمت لگائی ہے کہ وہ شراب پیتا تھا۔[5] اس طرح حضرت حسن عسکری[6] کے بھائی ابراہیم پر زبان درازی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ فاجر اور شرابی تھا۔

اس بنا پر شیعہ صاحبان حضرت رسول کریم ﷺ اور ان کی عترت کے قدردان نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت رسول کریم اور ان کی عترت کے سچے قدردان وہ لوگ ہیں جو ان کی تعریف کرتے ہیں اور انہیں ان کا حق دیتے ہیں اور ان کی تنقیص نہیں کرتے۔

⑥ چھٹی وجہ یہ ہے کہ شیعہ صاحبان کے ہاں شخصیات کا مقام، اتباع کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ فارسی قوم سے جذباتی تعلق کی بنا پر ہے چنانچہ وہ شخصیات کو کفر و اسلام کے

---

[1] دیکھئے ص نمبر: ۲۶۶۔ [2] رجال النجاشی ص: ۵۲۔

[3] رجال للنجاشی ص: ۵۲، الکافی ۱/۲۴۷، (ان پر اتہام لگاتے ہیں کہ وہ کم عقل تھے۔)

[4] الکافی ۶/۱۵۵ (حاشیہ دیکھیں)۔ [5] بحار الانوار ۴۶/۱۹۴۔ [6] الکافی ۱/۵۰۴۔

پیمانے سے نہیں پرکھتے بلکہ فارسی اور عربی کے پیمانے سے ناپتے ہیں اور اس حقیقت پر مندرجہ ذیل امور دلالت کرتے ہیں۔

① مثلاً تمام اصحاب رسول کو چھوڑ کر صرف حضرت سلمان فارسیؓ کی تعظیم کرنا، حتیٰ کہ یوں کہنا کہ ان کی طرف وحی کی جاتی ہے![1] ایسے کیوں؟ اس لیے کہ وہ فارس سے ہیں۔

② حضرت حسن بن علیؑ کی اولاد کو چھوڑ کر صرف حسینؓ کی اولاد کی تعظیم کرنا، کس لیے؟ اس لیے کہ ان کی اولاد کے ننھیال فارس سے ہیں یعنی شہر بانو بنت یزدگرد سے۔ جو حضرت علی بن حسین (زین العابدین) کی ماں تھی۔ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہم اجمعین۔ چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ معزز ساسانی شجرہ، ہاشمی شجرہ سے مل گیا۔[2]

③ وہ کہتے ہیں کہ کسریٰ جہنم میں ہے لیکن اس پر آگ حرام ہے۔[3] کس لیے؟! فارسی نظریہ تعصب کے مطابق کسریٰ (ایران) کی تعظیم کی وجہ سے۔ حالانکہ وہ کفر پر فوت ہوا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس پر آگ حرام ہے۔

④ پھر ان کا آخری شخص آیا اور شاید وہ آخری نہ ثابت ہو اور وہ ہے۔" احقاقی حائری،، وہ اصحاب رسولﷺ کی فارس میں فتوحات پر تبصرہ کرتا ہوا کہتا ہے۔ کہ وہ اوباش عرب بدو تھے، جو شہوت پرست، ہونے کی وجہ سے فارس کی عورتوں کی عفتوں کے پیاسے تھے۔[4]

دیکھئے وہ اصحابؓ رسول کا ذکر کیسے گھٹیا اور شرمناک الفاظ میں کرتا ہے اور اس دور کی مجوسی عورتوں کی تعریف کن الفاظ میں بیان کرتا ہے؟ کہ وہ تو پاکدامن تھیں اور اصحابؓ رسول (نعوذ باللہ) ان کی عزتوں کے پیاسے تھے چنانچہ (ان کا اہل السنہ سے تنازع کا سبب) اسلام اور کفر یا امامت علیؓ اور دوسروں کی امامت کی نفی للہ نہیں بلکہ

---

[1] رجال الكشي: ٢١. [2] بحار الانوار: ٤٥/٣٢٩. [3] بحار الانوار: ٤١/٢١٤.

[4] رسالة الايمان، ص: ٣٢٣.

ٹھیٹھ نسل پرستی ہے (کیونکہ وہ کسی بھی بہانے سے ایرانی قوم کی برتری منوانا چاہتے ہیں اور عرب فاتحین کی عظمت کو گرانے کی کوشش میں ہیں)

۷۔حدیث عَلِيٌّ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْ عَلِي سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت کا فرمان «عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيّ» اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علیؓ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے بعد امام ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی، نبیؐ سے ہے اور نبیؐ حضرت علیؓ سے ہے تو اس کا تعلق اتباع اور نصرت سے ہے اسی بنا پر حضرت رسول کریم ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن جب جلیبیب کو گم پایا تو پوچھا:

جلیبیب کو دیکھو! تو لوگوں نے کہا، وہ ہمیں نظر نہیں آرہے۔ آپ نے فرمایا: اسے مقتولوں میں تلاش کرو، جب انہوں نے اسے دیکھا تو وہ سات کافروں کے درمیان پڑا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا: اس نے سات کافروں کو جہنم رسید کیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

جلیبیب مجھ سے ہے اور میں جلیبیب سے ہوں۔"[1]

جب حضرت نبی کریم ﷺ نے اشعریین کا ذکر کیا تو فرمایا: «هُمْ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُمْ»
وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔[2]

لہٰذا آنحضرت کے "عَلِيٌّ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْ عَلِيّ" سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ وہ آپ کے بعد خلیفہ ہیں، بلکہ یہ تو حضرت علی اور حضرت رسول کریم کے آپس میں تعلق کو مبالغے کے ساتھ بیان کرنے کے لیے ہے کہ حضرت علیؓ اطاعت رسول کا مجسم نمونہ ہیں۔

[1] مسلم۔ فضائل الصحابة، رقم: ۱۳۱۔ [2] مسلم۔ فضائل الصحابة، رقم: ۱٦۷۔

اور پھر حضرت علیؓ کو حضرت نبی کریم ﷺ سے نسبی، سسرالی تعلق بھی تو تھا اور آپ دین حق کی اتباع، نصرت، تائید اور اللہ کے حق کو قائم کرنے میں اپنی مثال آپ تھے اس لیے حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «عَلِيٌّ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْ عَلِيٍّ»

تقریباً یہ ہیں وہ اہم دلائل جو شیعہ صاحبان، حضرت علیؓ کی خلافت کو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافت سے مقدم سمجھتے ہوئے بیان کرتے ہیں اور شاید اور بھی دلائل ہوں، لیکن میں نے انہیں اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ کم از کم میری نگاہ میں ان کے مقصد کو کسی صورت میں بھی پورا نہیں کرتے۔



سوالات

1. حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے متعلق، حضرت علی کا موقف کیا تھا؟ کیا یہ بات درست ہے کہ وہ اپنے آپ کو خلافت کا اولین حقدار سمجھتے تھے؟

جواب: جب واقعہ سقیفہ رونما ہوا اور بیعت مکمل ہوگئی اور یہ بیعت بقول سیدنا عمر بن الخطابؓ اچانک ہوئی تھی اور اس موقعہ پر شوریٰ کے افراد کو طلب نہیں کیا گیا تھا، تو حضرت علی المرتضیٰؓ کے دل میں رنج پیدا ہوا اس لیے کہ انہیں شوریٰ میں شامل کیوں نہ کیا گیا، یا اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔

یہ دو احتمال ہیں۔

پہلا یہ کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ شوریٰ میں اپنی شمولیت کو ضروری سمجھتے تھے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں میں صحیح احتمال کون سا ہے، چنانچہ ہم اصل واقعہ کے بیان کے بعد اس پر بحث کریں گے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت ہوگئی اور حضرت سیدہ فاطمہؓ بنت رسول کریم بیمار ہوگئیں اور بستر پر پڑی رہنے لگیں مشہور روایات کے مطابق چھ ماہ زندہ رہیں [1] اور بعض روایات کے مطابق اس سے بھی کم اور ایک

---

[1] بخاری۔ کتاب فرض الخمس۔ باب فرض الخمس برقم: ۳۰۹۳، مسلم۔ کتاب الجهاد: ۵۲.

روایت کے مطابق اس سے زیادہ عرصہ زندہ رہیں، لیکن سب سے مشہور روایات کے مطابق چھ ماہ زندہ رہیں اور حضرت علی بن ابی طالب ؓ ان کی تیمار داری کی بنا پر تقریباً نماز کے لیے ہی نکلتے تھے، جب ان کی وفات ہوگئی اور آپ گھر سے باہر نکلے تو انہیں اپنے متعلق لوگوں کے چہروں کے تاثرات بدلے بدلے نظر آئے، تو آپ ؓ نے حضرت ابوبکر ؓ کو اپنے گھر تشریف لانے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ' حضرت عمر ؓ بن خطاب کے ہمراہ ان کے پاس تشریف لے گئے، تو حضرت علی بن ابی طالب ؓ نے فرمایا: میں سمجھتا تھا کہ ہمارا بھی اس منصب میں حق ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ کھڑے ہوئے اور تقریر کرنے لگے آپ نے اپنی تقریر میں حضرت علی بن ابی طالب ؓ اور آل بیت رسول ﷺ کی شان بیان فرمائی' اس کے بعد حضرت علی ؓ مسجد میں منبر پر تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے آپ کی بیعت کی' یہ چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے۔[1]

اور امام ابن کثیر ؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کی پھر الگ تھلگ ہو گئے اور علانیۃً بیعت نہ کی۔[2] اور جو چیز راجح نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی ؓ کی مراد یہ تھی کہ شوریٰ میں ان کا بھی حق ہے، نہ کہ آپ خلافت کے متمنی تھے اور اس رائے کی ترجیح کی دو وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا منصب خلافت کا حقدار ہونا تقریباً متفق علیہ حقیقت ہے، کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنے مرض وفات میں حضرت ابوبکر ؓ کے علاوہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم نہ دیتے تھے اور اس دور میں سوائے امام المسلمین کے اور کوئی نماز نہیں پڑھاتا تھا۔ اور جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو لوگوں نے کہا وہ رقیق القلب انسان ہے لیکن آپ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ ابوبکر ؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔[3]

---

[1] اخرجه البخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوۃ خیبر' رقم: ٤٢٤٠'٤٢٤١'مسلم، کتاب الجهاد: ٥٢.   [2] البدایة والنهایة: ٢١٨/٥ 'مؤلف ابن کثیر ؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[3] بخاری۔ کتاب الانبیاء، باب لقد کان فی یوسف و اخوته آیات، رقم: ٣٣٨٥.

اور حضرت سیدہ عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ ایک عورت' حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کوئی مسئلہ پوچھا پھر وہ کہنے لگی کہ اگر میں اگلے سال آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو پھر کس کے پاس جاؤں؟

آپ نے فرمایا: ابو بکرؓ کے پاس چلی آنا۔[1]

اور صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا:

میرے پاس کوئی قلم دوات لاؤ تا کہ میں تیرے باپ کے لیے کچھ لکھ دوں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کوئی طالع آزما چاہت نہ کر بیٹھے، جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور مومنین ابو بکر کے سوا کسی کو نہیں چاہتے۔[2]

یہ اور دیگر بہت سی احادیث ہیں جو اس حقیقت پر دلالت کر رہی ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ دوسروں سے خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اپنی خلافت کے دور میں بذات خود فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی نے مجھے حضرت ابو بکر اور عمرؓ پر فضیلت دی' میں اسے مفتری کی حد لگاؤں گا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ خود بھی اپنے آپ کو حضرت ابو بکر اور عمرؓ سے افضل نہیں سمجھتے تھے۔ اس طرح آپ کی حدیث، صحیح بخاری میں ہے کہ آپ کے لخت جگر سیدنا محمد بن علی (ابن الحنفیہ) نے آپؓ سے پوچھا کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل کون ہے؟

آپ نے فرمایا: ''ابو بکرؓ۔''

---

[1] بخاری، کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب لو کنت متخذا خلیلاً، رقم:٣٦٥٩' مسلم' کتاب فضائل الصحابۃ، رقم:١٠۔

[2] مسلم فضائل الصحابۃ، رقم:١١' بخاری میں بھی تقریباً یہی الفاظ ہیں' کتاب المرضی، باب ما رخص للمریض انی وجع، رقم:٥٦٦٦۔

انہوں نے پوچھا: ''ان کے بعد کون۔؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمرؓ۔'' حضرت محمد بن علی ابن الحنفیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ ابا جان کہیں حضرت عثمانؓ کا نام نہ لے دیں فوراً کہہ دیا: اور پھر آپ؟

آپؓ نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے فقط ایک انسان ہوں۔[1]

اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ اپنے آپ کو حضرت ابو بکر اور عمرؓ سے افضل نہ سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو اپنا جانشین بنایا، تو آپ نے کسی طرح بھی رنج والم کا اظہار نہیں فرمایا اور جب حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے شوریٰ بنائی تو بھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں سب سے زیادہ حقدار ہوں' بلکہ آپ نے اس شوریٰ کو تسلیم کیا۔ بنابریں راجح بات یہی ہے کہ آپ کے دل میں خلافت کا خیال نہ تھا، بلکہ شوریٰ میں شمولیت کا تھا اور آپ سمجھتے تھے کہ میں شوریٰ میں کیوں نہ حاضر ہو سکا، جبکہ اس میں میرا حق ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی وضاحت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کا معاملہ اچانک پیش آ گیا اور اس میں نہ صرف یہ کہ حضرت علیؓ حاضر نہیں ہوئے، بلکہ حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد بن ابی وقاص' اور دیگر کبار صحابہ کرامؓ بھی حاضر نہیں ہو سکے تھے اور مہاجرین میں سے بھی حضرت ابو عبیدہ' حضرت عمر اور حضرت ابو بکرؓ کے سوا اور کوئی حاضر نہ ہو سکا اور انصار میں سے بھی صرف حضرت حباب بن منذر اور حضرت سعد بن عبادہؓ وغیرہ حاضر ہو سکے تھے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ایک دوسری حدیث اس حقیقت کی زیادہ وضاحت کر رہی ہے۔ امام بخاری لکھتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ بن بکیر نے لیث کے حوالے سے بیان کیا اور

[1] بخاری۔ کتاب فضائل الصحابة، باب لو کنت متخذا خلیلا، رقم: ٣٦٧١.

اس نے عقیل سے اور عقیل نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ بن زبیر کے حوالے سے حضرت سیدہ عائشہ سے بیان کیا کہ (وہ فرماتی ہیں)

حضرت فاطمہؓ بنت رسول ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے اپنے باپ کی اس جاگیر کا مطالبہ کیا جو اللہ نے ان کو مدینہ اور فدک میں مال فئے کی صورت میں عطا کی تھی اور خیبر میں باقی ماندہ خمس کی شکل میں موجود تھی' تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ: حضرت نبی کریم ﷺ فرما گئے ہیں کہ ہم اپنے ترکہ کا کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے، البتہ اس مال میں سے آل محمد ﷺ کھا سکتی ہے۔ اور اللہ کی قسم! میں حضرت رسول کریمؐ کے صدقہ کی وہی حالت برقرار رکھوں گا جو آپ کے دور مبارک میں تھی اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کروں گا اور اس میں وہی کام کروں گا جو حضرت رسول اللہ ﷺ کرتے تھے۔

چنانچہ آپؓ نے اسے حضرت فاطمہؓ کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت فاطمہؓ حضرت ابو بکرؓ کے اس جواب سے ناراض ہوگئیں اور فوت ہونے تک ان سے بات نہ کی۔ اور وہ حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں۔ جب آپؓ فوت ہوئیں تو ان کے خاوند حضرت علیؓ نے ان کو اسی رات میں ہی دفن کر دیا اور حضرت ابو بکرؓ کو ان کی وفات کی اطلاع نہ دی اور خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت فاطمہ کی زندگی میں حضرت علیؓ کا مقام (قابل رشک) تھا۔

جب وہ فوت ہوگئیں تو حضرت علیؓ نے اپنے متعلق لوگوں کے چہروں کے تاثرات بھانپ لیے، لہٰذا انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے مصالحت اور ان کی بیعت کی راہ تلاش کرنی شروع کر دی جبکہ گزشتہ مہینوں میں انہوں نے بیعت نہ کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ ہمارے پاس آئیں اور ان کے ساتھ کوئی اور آدمی نہ ہو، کیونکہ انہیں حضرت عمرؓ کا ان کے ساتھ آنا پسند نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے

فرمایا۔نہیں اللہ کی قسم! آپ ان کی طرف اکیلے نہ جائیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ تمہیں میرے متعلق ان سے کیا خطرہ ہے؟ اللہ کی قسم! میں ان کے پاس ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ چلے گئے تو حضرت علیؓ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ ہم آپ کی فضیلت سے آگاہ ہیں اور جو کچھ اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس کے معترف ہیں اور ہم اس خیر میں آپ سے منافست نہیں کرتے، جو اللہ نے آپ کی طرف پہنچائی ہے، لیکن آپ نے دلیری کی اور اس معاملے میں ہماری پرواہ نہ کی اور رسول کریم ﷺ سے قرابت داری کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ اس معاملے میں ہمارا بھی حق ہے۔

اس دوران حضرت ابو بکر کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے جب حضرت ابو بکرؓ نے گفتگو کی تو فرمایا۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مجھے اپنی قرابت داری کے مقابلے میں حضرت رسول کریم ﷺ کی قرابت داری بے حد عزیز ہے۔ اور وہ جو میرے اور آپ کے درمیان ان اموال کے متعلق شکر رنجی ہے (تو اس سلسلے میں میری گذارش یہ ہے) کہ میں نے اس میں بھلائی کی کوئی کسر نہیں چھوڑی اور میں نے حضرت رسول مقبول ﷺ کو اس مال کے متعلق جو کچھ کرتے دیکھا وہی کیا۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا' آپ سے کل پچھلے پہر بیعت کرنے کا وعدہ ہے۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے ظہر کی نماز ادا کی تو منبر پر تشریف لائے اور اپنے خطبہ کے دوران حضرت علیؓ کی شان بیان فرمائی اور اپنی بیعت کے متعلق ان کی تاخیر کا عذر بیان کیا اور ان کے لیے استغفار کیا،اس کے بعد حضرت علیؓ نے خطبہ دیا ور اس میں حضرت ابو بکرؓ کے حق کی عظمت بیان کی اور فرمایا کہ ہمیں کسی طرح کے احساس برتری نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے تاخیر پر نہیں اکسایا اور نہ ہم ان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی فضیلت کا انکار کرتے ہیں۔لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس معاملے میں ہمارا بھی حق ہے

اور انہوں نے ہماری پرواہ نہ کی، جس کی وجہ سے ہمارے دل میں ناراضی پیدا ہوئی۔

چنانچہ مسلمان خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ آپ نے درست کہا اور جب حضرت علی نے نیک کام کی طرف رجوع کر لیا تو مسلمان ان سے حددرجہ احترام سے پیش آنے لگے۔[1]

۲ حضرت ابو بکر کی خلافت نص کی بنا پر قائم ہوئی یا مشاورت کے ذریعے قائم ہوئی؟

جواب: حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے متعلق تین اقوال ہیں۔

① ایک تو یہ کہ وہ حضرت رسول کریم ﷺ کی واضح نص کی بنا پر قائم ہوئی۔

② دوسرا یہ کہ وہ نص خفی کی بنا پر قائم ہوئی۔ جیسا کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے ایک عورت کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ اگر میں تجھے نہ مل سکوں تو ابو بکرؓ کے پاس آنا۔

③ اس قول سے استدلال کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ نص خفی ہے صریح نہیں ہے اور تیسرا قول ہے کہ وہ مشاورت کے ذریعے قائم ہوئی۔

اور جو بات واضح نظر آتی ہے وہ یہ کہ ان کی خلافت نص صریح کی بنا پر نہیں بلکہ نص خفی کی بنا پر قائم ہوئی اور اصل علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

۳ کیا تاریخ طبری کی احادیث اور مرویات کی تحقیق اور تخریج ہو چکی ہے؟ اور کیا یہاں تاریخ کے موضوع پر کوئی صحیح کتاب موجود ہے۔؟

جواب: میں نہیں جانتا کہ اس کی تحقیق اور تخریج ہو چکی ہے یا نہیں' البتہ ابو بکر ابن العربی جیسے ائمہ کرام نے فقط صحیح روایات پر انحصار کرنے کی سعی کی ہے۔ مثلاً "العواصم من القواصم" میں صحیح روایات کا اہتمام کیا گیا ہے اور بعض روایات کا ضعف بیان کیا گیا ہے، باقی رہی کوئی ایسی کتاب جو مستقل طور پر ان مسائل کی تحقیق پر مشتمل ہو؟ موجود نہیں۔ لیکن آپ کے پاس امام ابن کثیر اور امام ذہبی کی تواریخ موجود

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔باب غزوة خیبر: ٤٢٤٠'٤٢٤١.

ہیں اور وہ بسا اوقات بعض روایات پر کلام کرتے ہیں اور ان کا ضعف بھی بیان کرتے ہیں، لیکن ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی، جبکہ امام طبریؒ نے شاید ہی کسی روایت پر کلام کیا ہو کیونکہ وہ تو صرف ناقل اور جامع ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے ان کی روایات کی تحقیق یا تخریج کی ہو، البتہ ایک عمدہ کتاب منظر عام پر آئی ہے اور وہ ہے یحییٰ الیحییٰ کی کتاب مرویات ابی مخنف، انہوں نے تاریخ طبری سے ابومخنف کی روایات چن کر ان کی تحقیق ہے اس کے علاوہ ایک کتاب بھی منظر عام پر آئی ہے اور وہ ہے محمد محزون کی کتاب "مواقف الصحابه من الفتن"

مذکورہ مؤلفین نے یہ کتابیں امام طبری کی تاریخ سے تیار کی ہیں۔ ان مؤلفین کا طریق کار یہ ہے کہ یہ تاریخ طبری سے مطلوبہ موضوعات کا انتخاب کر کے صرف انہیں پر تحقیق و تعلیق کرتے ہیں، لیکن مکمل تاریخ طبری پر تحقیقی کام کا مجھے علم نہیں۔ واللہ اعلم

البتہ اس موضوع پر چند بہترین کتابیں مارکیٹ میں آئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ یحییٰ الیحییٰ کی کتاب الخلافة الراشده اور امام ابن تیمیہ کی منهاج السنة النبوية اور سالم بهنساوی کی الخلافة و الخلفاء الراشدون بين الشورىٰ و الديموقراطية.

4 حضرت رسول کریم ﷺ کا حضرت عائشہ کو یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ تم یوسف کی صواحب ہو؟

جواب: جب حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ حضرت ابوبکرؓ نرم دل اور غمگین آدمی ہیں، جب وہ پڑھنا شروع کرتے ہیں تو ان کے رونے کی وجہ لوگوں کو ان کی قرأت سنائی نہیں دیتی، تو حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تم یوسف کی صواحب ہو، ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ حضرت رسول کریم ﷺ کی اس سے مراد یہ تھی کہ تم بھی اس طرح کرنا چاہتی ہو جس طرح عزیز مصر کی بیوی نے دعوت کے بہانے مصر کی عورتوں

سے کیا' قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا ﴾ [یوسف:۳۱]

"جب اس نے ان کے فریب کو سنا تو ان کی طرف پیغام بھیجا اور ان کے لیے گاؤ تکیے لگا دیئے اور ان میں سے ہر ایک کو چاقو دے دیئے۔"

بظاہر تو یہ نظر آتا ہے کہ وہ ان عورتوں کا اکرام و احترام کر رہی ہے کیونکہ اس نے ان کے لیے دستر خوان بچھایا اور پھل اور چاقو بھی فراہم کر دیئے لیکن وہ چاہتی کیا تھی؟ وہ انہیں یوسف دکھانا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ:

﴿ اُخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ﴾

"(یوسف!) ان کی طرف آ' جب انہوں نے اسے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ زخمی کر بیٹھیں اور کہنے لگیں اللہ کی پناہ' یہ بشر نہیں ہے۔"

چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ حضرت عائشہ سے کہہ رہے تھے کہ تو کہتی ہے کہ وہ غمگین اور نرم دل ہیں، جبکہ درحقیقت تو اسے غمگین اور نرم دل نہیں کہہ رہی بلکہ اس طرح کہنے سے تیری مراد کچھ اور ہے جو تیرے دل میں ہے۔ اور بعد میں حضرت عائشہ نے اس کی صراحت بھی کر دی تھی کہ میں ڈر گئی کہ لوگ میرے باپ سے بدشگونی لے کر گناہ میں مبتلا ہوں گے۔[1] اور حضرت نبی کریم ﷺ اسے پہلے ہی بھانپ گئے اور سمجھ گئے کہ ابوبکر کو عائشہؓ کے غمگین اور نرم دل کہنے سے مراد کچھ اور ہے۔ یہ ہے مفہوم حضرت عائشہ کو «اِنَّكُنَّ صَوَيْحِبَاتُ يُوْسُفَ» کہنے کا۔

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب مرض النبی ووفاته، رقم:٤٤٤٥' مسلم کتاب الصلوة، رقم:٩٣۔

5 کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر حج مقرر کیا۔ اور انہیں سورۃ توبہ کی آیات دیں، پھر آپ نے انہیں ہٹا کر حضرت علیؓ کو ان کی جگہ پر مقرر کیا۔؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ السلام نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو امیر حج مقرر ہی نہیں کیا تھا، بلکہ ۹ ھ میں حضرت ابو بکرؓ امیر حج مقرر ہوئے تھے اور جب حضرت علیؓ بن ابی طالب ان کے پیچھے آن پہنچے تو آپ نے ان سے کہا:

آپ (میرے) تابع بن کر آئے ہیں یا متبوع؟

حضرت علیؓ نے فرمایا: آپ کا تابع بن کر آیا ہوں۔

اس قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم اور کفار مکہ کے درمیان معاہدہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان سے معاہدہ ختم کر دیں اور ان سے لاتعلقی کا اعلان کر دیں۔

﴿ بَرَآءَةٌ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ. وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾

"کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول لاتعلق ہیں ان مشرکین سے، جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا چنانچہ (اے مشرکو!) تم چار ماہ تک زمین پر چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے، اور اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے، اور حج اکبر والے دن سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے کہ اللہ اور

اس کا رسول مشرکوں سے لاتعلق ہیں، سو اگر تم توبہ کرلو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے اور کافروں کو عذاب الیم کی بشارت سنادو۔''

اور عربوں کا دستور تھا کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی سے معاہدہ کرلیتا اور پھر اسے ختم کرنا چاہتا، تو وہ بذات خود اسے ختم کرنے کا اعلان کرتا، یا اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو اسے ختم کرنے کا اعلان کرنے کے لیے کہتا۔

اس بنا پر حضرت نبی کریم ﷺ نے (اپنے چچا زاد برادر) حضرت علی بن ابی طالب کو ان سے معاہدہ ختم کرنے کے لیے بھیجا۔ اس موقعہ پر حضرت علیؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تابع تھے اور حضرت ابوبکر نے لوگوں کو حج کروایا اور عرفہ میں انہیں خطبہ بھی دیا۔[1]

6 کیا اصحاب رسول اور اہل بیت کے درمیان مصاہرات (رشتہ داریاں) تھیں؟ اور کیا ان کے درمیان عداوتیں بھی تھیں؟

جواب: آل بیت رسول اور صحابہ کرامؓ کے درمیان بہت سی رشتہ داریاں تھیں۔ چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ نے اپنی دو بیٹیوں ام کلثومؓ اور رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ اموی سے کیا۔

اور ایک بیٹی حضرت زینب' حضرت العاص بن ربیع اموی سے بیاہ دی تھی۔

اور حضرت علیؓ بن ابی طالب ہاشمی نے اپنی بیٹی سیدہ ام کلثومؓ، حضرت امیر المومنین عمرؓ فاروق کے ساتھ بیاہ دی تھی۔[2]

اور حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیوہ اسما بنت عمیس سے شادی کرلی تھی۔

---

[1] دیکھیے صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ باب تفسیر سورہ براءۃ. اور حافظ ابن حجر کی کلام بھی دیکھیے، انہوں نے بعض طرق ذکر کرکے ان پر کلام کیا ہے۔

[2] تاریخ الاسلام، عہد الخلفاء الراشدین ص: ۲۷۵/ الکافی ۵/۳۴٦.

اور آپ نے حضرت امامہ بنت العاص امویہ سے نکاح کر لیا تھا۔

اور محمد بن ابو بکر صدیق' حضرت علی کے ربیب تھے۔[1]

اور محمد بن علی بن حسین نے ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ سے شادی کی تھی، اسی بنا پر حضرت جعفر الصادق بن محمد ہاشمی کہا کرتے تھے، کہ مجھے ابو بکر صدیق نے دو (۲) مرتبہ جنا ہے۔[2] کیونکہ ان کی ماں ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق تھیں اور ان کی نانی حضرت اسماء بنت عبد الرحمٰن بن ابو بکر صدیق تھیں۔

اور حضرت ابان بن عثمان بن عفان اموی نے حضرت ام کلثوم بنت عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب ہاشمیہ سے شادی کی تھی۔[3]

اور حضرت سکینہ بنت حسین ہاشمیہ سے حضرت مصعب بن زبیر بن عوام نے نکاح کیا تھا۔[4]

علاوہ ازیں ان کی آپس میں بہت سی رشتہ داریاں اور گہرے تعلقات تھے اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب نے اپنے بیٹوں کے نام حضرت ابو بکر اور عمر اور عثمانؓ کے ناموں پر رکھے۔[5]

اور حضرت حسن بن علیؓ نے اپنے بیٹے کا نام ابو بکر رکھا۔[6]

اور حضرت علی بن حسین نے اپنے بیٹے کا نام عمر رکھا تھا۔[7]

اور حضرت موسیٰ بن جعفر الصادق ہاشمی نے اپنے بیٹے کا نام عمر اور بیٹی کا نام عائشہ رکھا۔[8]

---

[1] ربیب سے مراد بیوی کے سابقہ خاوند کا بیٹا ہے۔

[2] سیر اعلام النبلاء:٦/٢٥٥۔ [3] الشیعه و اهل البیت،ص:١٤١۔

[4] الطبقات الکبریٰ:٥/١٨٣۔

[5] معرفة الصحابة:١/٣٠٩' کشف الغمة فی معرفةالائمة:٢/٦٧۔

[6] کشف الغُمّة:٢/١٩٨' سیر اعلام النبلاء٣/٢٧٩۔ [7] کشف الغمّة ٢/٣٠٢۔

[8] کشف الغمة ٣/٢٩'٣١۔

اس موضوع پر علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ کی کتاب الشیعہ واہل البیت لاجواب تصنیف ہے [1] انہوں نے اس میں بنو ہاشم اور صحابہ کرام اور دیگر اہل السنۃ کی آپس میں رشتہ داریاں بیان کی ہیں۔

7 کیا یزید بن معاویہ صحابی ہے؟ اور کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اسے اپنا متبنیٰ بنایا تھا؟

جواب: یزید بن معاویہ صحابی نہیں تھا، کیونکہ وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت میں پیدا ہوا تھا البتہ اس کا چچا یزید بن ابوسفیان اموی حضرت رسول کریم ﷺ کا صحابی اور حضرت معاویہؓ کا بھائی تھا اور شام کا گورنر تھا اور جنگ یرموک میں آپؓ اور عمرو بن العاصؓ اور ابوعبیدہؓ اور شرحبیلؓ بن حسنہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلامی افواج کے سپہ سالار تھے۔

اور یزید بن معاویہ، حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان کا صلبی بیٹا تھا اور اس میں عدنان اور قحطان اکٹھے ہو گئے کیونکہ اس کے ننہال اصل عرب قحطان سے تھے، اس کی ماں میسون الکلبیہ تھی

8 کیا یہ بات درست ہے کہ یزید بن معاویہؓ نے مدینہ کو مباح قرار دیا تھا؟

جواب: کتب تاریخ میں یہ بڑا مشہور واقعہ ہے اور تقریباً یہ مسلمہ بات ہے کہ مدینہ منورہ تین دن تک مباح قرار دیا گیا تھا، لیکن اس میں مکذوبہ داستانیں شامل کردی گئی ہیں، کہ ستر ہزار دوشیزاؤں کی عصمت دری کی گئی اور بعض روایات میں تیس ہزار کنواریوں کا ذکر ہے اور یہ سب کچھ افتراء اور جھوٹ ہے۔

اس حادثے کا سبب یہ تھا کہ مدینہ والوں نے عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن مطیع کی قیادت میں یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ ڈالی اور اس سے بغاوت کا اعلان کردیا اور

[1] الشیعة واهل البیت ص: ۱٤۰-۱٤٤.

مدینہ کے گورنر کو شہر بدر کر دیا، بلکہ مدینہ میں امویوں کا محاصرہ کر لیا اور انہیں وہاں سے نکال باہر کیا،اس وجہ سے یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا، جس نے مدینہ والوں کا محاصرہ کر کے ان سے لڑائی کی اور انہیں قتل کیا اور تین دن تک مدینہ میں قتل و غارت اور مال چھیننے اور کھانا لوٹنے کی کھلی چھٹی دے دی۔ اور تین دن کے بعد یزید نے اپنے کسی ہم نشین سے مشورہ کیا کہ اس صورت حال کی اصلاح کس طرح کی جائے؟ تو اس نے مشورہ دیا کہ ان کی طرف کھانا' پینا اور لباس وغیرہ بھیج دو۔ چنانچہ اس نے یہ چیزیں بھجوادیں اور حالات پر سکون ہو گئے۔

مقصد یہ ہے کہ اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے مدینہ والوں سے لڑنا شائد کسی حد تک درست تھا، کیونکہ وہ امیر کی اطاعت سے نکل چکے تھے، جس طرح کہ حضرت علیؓ نے بھی اہل شام سے جنگ کی تھی کیونکہ وہ ان کی اطاعت سے نکل گئے تھے اور اہل مدینہ کے ساتھ لڑنا' شامیوں کے ساتھ لڑنے کی طرح ہی تھا۔ کیونکہ انہوں نے تو بیعت بھی کی ہوئی تھی اور بعد میں اپنی بیعت توڑ ڈالی تھی لہٰذا اہل السنہ والجماعۃ اس صورتحال میں لڑائی پر انکار نہیں بلکہ مدینہ کو مباح قرار دینے کی وجہ سے یزید پر تنقید کرتے ہیں۔

9 حضرت حسینؓ کا سر مبارک کہاں دفن ہے؟

جواب: اس کا اصل علم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس ہے،البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ اسے کوفہ میں دفن کیا گیا،لیکن کون سے مقام میں دفن ہے اس کا کچھ علم نہیں مگر اسے شام یا بصرہ نہیں لے جایا گیا۔

10 ناصبی کون ہیں؟ کیا وہ اہل السنہ سے ہیں؟اور ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: ناصبیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو آل بیت نبیﷺ سے عداوت رکھتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ حضرت علیؓ اور حضرت حسن وحسین سے دشمنی رکھتے ہیں اوران کا اہل السنہ

والجماعۃ سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ اہل السنہ والجماعۃ' شیعوں اور ناصبیوں کے درمیان ہیں۔اس لیے کہ شیعہ حضرات تو اہل بیت کی تعظیم کرتے کرتے انہیں انبیاء کرام سے بھی بڑھا دیتے ہیں اور دوسری طرف ناصبی حضرات ان سے بغض رکھتے ہیں، جبکہ اہل السنہ درمیانی راہ پر ہیں۔یعنی وہ اہل بیت سے محبت بھی رکھتے ہیں لیکن انہیں ان کے اسی مرتبے پر رکھتے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا کیا ہے۔ اور اہل السنہ کے ہاں ناصبی' اہل بدعت سے ہیں۔

۱۱ جب ہم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی تو بیعت مکمل کیسے ہوگئی؟

جواب: حضرت حسین بن علی المرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اہل حل وعقد کے امام تھے، لیکن صرف یہ دونوں ہی نہ تھے بلکہ دیگر صحابہ کرام بھی تھے اور بیعت کے لیے اجماع ضروری نہیں اور نہ ہی بیعت میں اجماع کی شرط لگائی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت محمد بن علی ابن الحنفیہ وغیرہم نے اس کی بیعت کی تھی کیا یہ کافی نہیں ہیں؟ ان کے علاوہ اہل مدینہ' اہل شام' اہل کوفہ' اہل مکہ نے بھی اس کی بیعت کی تھی کیا یہ کافی نہ تھے؟ قطع نظر اس کے کہ حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ یزید کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ حقدار تھے اور وہ دونوں اس سے افضل تھے، بلکہ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین بن علیؓ اور یزید بن معاویہ کے درمیان برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔(کیونکہ وہ دونوں صحابی تھے اور حضرت رسول کریم ﷺ کے انتہائی قریبی تھے جبکہ یزید ام المؤمنین اُمّ حبیبہؓ کا بھتیجا تھا اور اموی قریشی تھا)

۱۲ کیا مسجد حرام میں قتال منع نہیں ہے؟ تو پھر یزید نے مکہ میں ابن زبیرؓ کے ساتھ اور مدینہ میں ابن مطیع کے ساتھ کس بنا پر لڑائی کرنا جائز سمجھا؟

جواب: بلا وجہ مکۃ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں لڑائی کرنا جائز نہیں ہے، لیکن جب کوئی آدمی کسی کو قتل کر کے مکہ چلا جائے تو وہاں اسے قتل کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ مکہ یا مدینہ میں داخل بھی ہو جائے، کیونکہ ان دونوں شہروں میں چند اسباب کی بنا پر قتال جائز ہے۔ مثلاً حاکم کے خلاف بغاوت کرنا اور اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں کسی کا پہل کرنا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَإِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ ﴾ [بقرہ:۱۹۱]

''کہ ان سے مسجد حرام کے پاس لڑائی نہ کرو، یہاں تک کہ وہ تم سے اس میں لڑائی نہ کریں، اگر وہ تم سے لڑائی کریں تو تم انہیں قتل کرو' کافروں سے بدلہ اسی طرح ہی لیا جائے گا۔''

مقصد یہ ہے کہ مکۃ اور مدینہ میں لڑائی کرنا حرام ہے لیکن جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۳ جب حضرت حسین بن علیؓ کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ کوفیوں سے نہیں لڑ سکتے تو واپس کیوں نہ لوٹے؟

جواب: جی ہاں! ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے لوٹنے کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن فرزندان مسلم بن عقیل نے کہا کہ جب تک ہم اپنے والد کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لیں' واپس نہ لوٹیں گے اور جب انہوں نے انتقام لینے کی ٹھان لی تو حضرت حسینؓ نے بھی ان سے اتفاق کر لیا اور واپس نہ لوٹے، مختصراً یہ کہ سیدنا حسین رضی اللہ نے ابن زیاد کو گرفتاری دینے سے انکار کر دیا تھا اور آپ بلا شبہ مظلوم شہید ہوئے۔ اور آپؓ حضرت رسول کریم ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

۱۴ کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ فتنہ مشرق سے اٹھے گا؟

جواب: جی ہاں! حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ فتنہ ادھر سے اٹھے گا' فتنہ ادھر سے اٹھے گا' فتنہ ادھر سے اٹھے گا اور آپ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ [ﷺ][1]

اگر ہم وہاں کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو روزِ روشن کی طرح اس بات کی تصدیق نظر آئے گی۔

چنانچہ خارجی مشرق سے نمودار ہوئے یعنی عراق سے

اور شیعہ عراق سے نکلے طرح اسی دجال کا فتنہ بھی مشرق سے برپا ہوگا۔

اور یاجوج ماجوج بھی مشرق کی طرف سے نکلیں گے۔

چنگیز خان اور ہلاکو خاں کی قوم تاتار بھی مشرق کی طرف سے نکلی۔

سبحان اللہ آنحضور ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق فتنے' مشرق کی طرف سے اٹھے اور عراق' ایران' روس' چین افغانستان' ازبکستان وغیرہ مدینہ کے مشرق میں واقع ہیں۔

۱۵ حضرت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا مطلب کیا ہے کہ نجد' شیطان کے سینگوں میں سے ایک سینگ ہے؟

جواب: حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے یمن میں ہمارے لیے برکت فرما' اے اللہ! ہمارے شام میں ہمارے لیے برکت فرما' تو حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے کہا: "ہمارے نجد میں بھی' آپ نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے یمن میں ہمارے لیے برکت فرما۔ اے اللہ! ہمارے شام میں ہمارے لیے برکت فرما۔ تو انہوں نے پھر کہا: ہمارے نجد میں بھی' مگر آپ نے فرمایا' اے اللہ! ہمارے یمن میں ہمارے لیے برکت فرما' اے اللہ! ہمارے شام میں ہمارے لیے برکت فرما۔ تو انہوں نے مکرر کہا اور ہمارے نجد میں بھی' تب آپ ﷺ نے فرمایا: نجد شیطان کے سینگوں میں سے ایک سینگ ہے۔"[2]

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب صفۃ ابلیس و جنود، رقم: ۳۲۷۹۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الفتن، باب قول النبی الفتنۃ من قبل المشرق، رقم: ۷۰۹۴۔

نجد کے مفہوم میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ آیا نجد سے مراد وہی نجد ہے جو آج کل نجد کے نام سے مشہور ہے یا کوئی اور جگہ مراد ہے۔ لفظ نجد کے متعلق تمام روایات پر غور کرنے سے یہ بات اظهر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد عراق ہے، کیونکہ اہل علم فرماتے ہیں کہ ہر اونچی جگہ کو نجد کہا جاتا ہے (اور نشیبی جگہ کو تہامہ) اسی لیے روایت میں آتا ہے کہ آپ نے مشرق کی طرف اشارہ بھی کیا اور فرمایا نجد' شیطان کے سینگوں میں سے ایک سینگ ہے۔' جبکہ مدینہ سے مشرق کی جانب بلند جگہ (نجد) عراق ہی ہے (بلکہ حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت وہ روایت بھی بیان کی ہے، جس میں صراحت کے ساتھ ولِعَرَاقِنَا کا لفظ موجود ہے)

مقصد یہ ہے کہ نجد سے مراد عراق ہے اور واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اکثر و بیشتر فتنے بھی یہیں سے اٹھے۔[1] واللہ اعلم

۱۶ کیا سیدہ فاطمہ کو الزہراء کا لقب دینا جائز ہے؟ اور کیا حضرت نبی کریمؐ کے زمانے میں انہیں زہراء کہا جاتا تھا اور کیا حضرت علی المرتضیٰؓ کو کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْهَهٗ کہنا جائز ہے؟

جواب: حضرت نبی کریم ﷺ سے تو یہ لقب ثابت نہیں ہے اور نہ ہی سیدہ کے زمانے میں اس کا وجود تھا، لہٰذا یہ جدید لقب ہے جبکہ صحیح بخاری کی روایت سے حضرت نبی کریم ﷺ کا آپ کو سیدہ نساء المومنین اور سیدہ نساء اہل الجنۃ کا لقب دینا ہی کافی ہے۔ اور

[1] فتح الباری۔ کتاب المناقب۔ باب من علامات النبوة: ٣٦٢٤، مسلم (بمعناها) کتاب فضائل الصحابة، رقم: ٩٧، ٩٨، ٩٩

مثلاً جنگ جمل بھی وہیں برپا ہوئی، حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کو وہاں شہید کیا گیا اور موجودہ دور میں شاہ فیصل قریشی ہاشمی کو سارے خاندان سمیت عراق میں قتل کر دیا گیا۔ اور صدام حسین نے زہریلی گیس چھوڑ کر ایک ہی دن میں ستمبر ۲۰۰۳ء کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب مقبرے پر بم مار کر بہت سے لوگوں تقریباً ۸۸ ہزار افراد ہلاک کر دیا۔

اس لقب نے آپ کو زینت نہیں بخشی بلکہ آپ نے اس لقب کو حسن و جمال عطا کیا ہے۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا اور یہ اگر چہ لقب جدید ہے مگر اچھا ہے۔

اور حضرت علی المرتضیٰؓ بلا شبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے چہرے کو عزت بخشی لیکن اس دعائیہ جملے کو آپ سے خاص کر دینے میں کلام ہے۔

چنانچہ ہم کہنے کو کہہ سکتے ہیں کہ۔

كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَ عَلِيٍّ، كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَ اَبِيْ بَكْرٍ، كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَ عُمَرَ، كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَ عُثْمَانَ وَكَرَّمَ اللّٰهُ وَجُوْهَ الصَّحَابَةِ رضی الله عنهم.

ان سب کے چہروں کو اللہ نے دنیا و آخرت میں عزت بخشی ہے۔

14 حضرت نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان تفریق کس طرح کر لیتے تھے اور دوسری بیویوں کی بہ نسبت حضرت عائشہؓ سے زیادہ محبت کیسے کرتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیویوں کے درمیان عدل کا حکم دیا ہے؟

جواب: محبت کی حد تک یہ بات درست ہے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [النساء:١٢٩]

''اور تم بیویوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے، اگر چہ تم اس بات کی حرص رکھو بھی، لہٰذا تم مکمل طور پر کسی ایک کی جانب نہ جھکو، کہ اسے (دوسری کو) معلق چھوڑ دو اور، اگر تم اصلاح کرو اور ڈرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں بیان کیا ہے کہ انسان اپنی طاقت کی حد تک

اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اس بنا پر اللہ تعالیٰ بعض بیویوں سے قلبی لگاؤ کو معاف کر دے گا' یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاص نے حضرت رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ آپ کو سب لوگوں سے بڑھ کر پیارا کون ہے؟

تو آپ نے فرمایا: ''عائشہ۔''[1]

البتہ شوہر سے بیویوں کے ساتھ برتاؤ میں عدل مطلوب ہے' محبت میں نہیں' کیونکہ اس طرح کی قلبی محبت پر انسان سے مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔

۱۸ کیا نبی کریم صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ تمام منافقین کو جانتے نہ تھے؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ فقط چودہ یا پندرہ منافقین کو جانتے تھے' سب کو نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ [محمد:۳۰]

''کہ تو انہیں گفتگو سے پہچان لے گا۔''

اور یہ چند منافقین تھے، سارے نہ تھے۔ لہٰذا آپ بعض کو جانتے تھے اور اس کی واضح ترین دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

﴿ وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ [التوبة:۱۰۱]

''اور تمہارے اردگرد والے اعرابیوں میں منافق ہیں اور مدینہ والوں میں بھی کچھ ایسے ہی ہیں، جو نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں، تو انہیں نہیں جانتا ہم انہیں جانتے ہیں۔''

۱۹ میں نے ایک کتاب پڑھی ہے جس کا نام ''اَلشّیعة هُم اهل السنة'' ہے اس

[1] صحیح بخاری۔ کتاب فضائل الصحابة۔باب قول النبی لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا۔ رقم:۳۶۶۲۔

کے مؤلف نے اس میں بیان کیا ہے کہ ابو ہریرہ نے عشرہ مبشرہ اور امہات المومنین اور اہل بیت سے بھی زیادہ روایات بیان کی ہیں، بلکہ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی روایات، ابو ہریرہؓ کی روایات کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتیں، حالانکہ ابو ہریرہؓ متاخر الاسلام ہیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب دینے سے قبل میں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کا مؤلف تیجانی بہت جھوٹ بیان کرنے والا انسان ہے، لہٰذا اس کی نقل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ ان سب کی روایات ابو ہریرہ کی روایات کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتیں' ایک بھیانک اور خطرناک سینہ زوری ہے۔

دیکھیے ابو ہریرہ کی تمام روایات کی تعداد پانچ ہزار تین سو ستر، یا اسی ہے، جبکہ عشرہ مبشرہ اور صحابیات اور آل بیت کی روایات کی تعداد حسب ذیل ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی (۱۴۲) حضرت عمرؓ کی (۵۳۷) حضرت عثمانؓ کی (۱۴۶)' حضرت علیؓ کی (۵۳۶)' حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی (۶۵) اور حضرت زبیرؓ کی (۳۸) حضرت طلحہؓ کی (۳۸)' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی (۲۷۱)' حضرت ابو عبیدہؓ کی (۱۴)، حضرت سعید بن زیدؓ کی (۴۸)' حضرت ابن عباسؓ کی (۱۶۶۰)' حضرت عباسؓ کی (۳۵)' حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کی (۲۵)' حضرت فضل بن عباسؓ کی (۲۴)' حضرت حسن بن علیؓ کی (۱۳)' حضرت حسینؓ کی (۸)' حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کی (۶) جبکہ حضرت عائشہؓ کی (۲۲۱۰)' حضرت ام سلمہؓ کی (۳۷۸)' حضرت ام حبیبہؓ کی (۶۵) اور حضرت حفصہؓ کی (۶۰)' حضرت زینبؓ بنت جحشؓ کی (۱۱) اور حضرت صفیہؓ کی (۱۰)' حضرت جویریہؓ کی (۷) اور حضرت سودہؓ کی (۵) روایات ہیں۔[1]

لہٰذا سادہ سے حسابی عمل سے ان سب کی روایات (۶۳۵۲) ہیں اور ان کی روایات

---

[1] جوامع السیرۃ لابن حزم، ص: ۲۷۵ و ما بعدھا۔

حضرت ابوہریرہ سے زیادہ ہیں اور پھر ابو ہریرہ اکیلےہی کثرت حدیث میں مشہور نہیں ہے بلکہ بہت سے صغار صحابہ بھی کثرت روایت میں مشہور ہیں، جیسے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن عمروؓ، ابوسعید خدریؓ، جابرؓ، عائشہؓ، انسؓ جیسے صغار صحابہ جو تعلیم و تدریس کے لیے فارغ تھے۔

البتہ ابو ہریرہ کی روایات چند اسباب کی وجہ سے دوسروں سے زیادہ ہیں اور وہ یہ ہیں۔

ا۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کا کثرت سے میل ملاپ رکھنا:

چنانچہ آپؓ چار سال تک حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے جیسے کہ آپ خود فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت سی احادیث بیان کرتا ہے' اگر کتاب اللہ میں دو آئتیں نہ ہوتیں تو میں حدیث بیان نہ کرتا پھر آپؓ نے سورہ بقرہ کی ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ﴾ سے لے کر ﴿الرَّحِيمُ﴾ تک دونوں آیات پڑھیں اور فرمایا: ہمارے مہاجر بھائیوں کو منڈیوں میں تجارتی کاروبار کی وجہ سے، اور ہمارے انصار بھائیوں کو باغات کی دیکھ بھال کی وجہ سے دربار رسالت میں میری طرح ہمہ وقت حاضری نصیب نہ ہوتی تھی اور ابو ہریرہ فقط 'قوت لایموت'' پر گزرا کر کے بارگاہ رسالت میں اتنا حاضر رہتا جتنا دوسرے نہ رہتے تھے اور اتنا کچھ حفظ کر لیتا جتنا دوسرے حفظ نہ کرتے تھے۔[1]

۲۔ ان کے حافظہ کے لیے حضرت نبی کریم ﷺ کی خصوصی دعا:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ اے اللہ کے پیارے رسول! میں آپ سے بہت کچھ سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ' چنانچہ میں نے چادر پھیلا دی، تو آپ ؐ نے

[1] صحیح بخاری۔کتاب العلم۔باب حفظ العلم، رقم:۱۱۸' صحیح مسلم۔کتاب فضائل الصحابة، رقم:۱۵۹۔

دونوں ہاتھوں کو ملا کر چلو بھرا (اور اس میں انڈیل کر) فرمایا: اسے اپنے سینے سے چمٹا لو‘ چنانچہ میں نے اسے سینے سے چمٹایا تو اس کے بعد مجھے کوئی چیز نہ بھولی۔“[1]

۳۔ابو ہریرہ کا تعلیم کے لیے وقف رہنا۔

۴۔ان کے شاگردوں اور ان سے نقل کرنے والوں کی کثرت۔

چنانچہ آپ کے شاگردوں کی تعداد تقریباً آٹھ سو تھی۔

۵۔آپ کی تاخیر وفات:

چنانچہ آپ ۵۷ ھ یا ۵۸ ھ میں فوت ہوئے۔

علاوہ ازیں آپ سے بیان کردہ روایت کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

① کچھ روایات ضعیف الاسناد ہیں اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ثابت نہیں ہیں۔

② کچھ روایات مکرر ہیں۔

③ کچھ روایات کی ایک سے زائد اسناد سے ہیں۔

④ وہ روایات جو آپ نے عشرہ مبشرہ جیسے اکابر صحابہ اور امہات المومنین وغیرہم سے روایت کی ہیں۔

⑤ کچھ روایات آپ پر موقوف ہیں جو وہ خود آپ کا کلام ہیں۔

امام بخاری اور مسلم نے تین سو چھبیس (۳۲۶) احادیث کو متفق علیہ بیان کیا ہے جبکہ اکیلے امام بخاری ترانویں (۹۳) احادیث روایت کرنے میں منفرد ہیں اور امام مسلم (۹۸) اٹھانویں احادیث میں منفرد ہیں۔

پھر یہ احادیث حضرت ابو ہریرہ نے اکیلے ہی روایت نہیں کرتے بلکہ بہت سی

[1] صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ باب حفظ العلم، رقم: ۱۱۹‘ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة برقم: ۱٦٠.

احادیث میں روایت کرنے میں دوسرے صحابہ کرام بھی شریک ہیں۔

باقی رہا شیعہ کے حضرت ابو ہریرہ پر کثرت روایت کے اعتراض کا الزامی جواب تو سنیئے!

ان کے جابر جعفی نے اکیلے امام محمد باقر سے ستر ہزار احادیث روایت کی ہیں۔اور باقی ائمہ سے ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث بیان کرتا ہے۔[1]

اور ابان بن تغلب نے امام جعفر صادق سے تیس ہزار احادیث روایت کی ہیں۔[2]

اور محمد بن مسلم نے امام باقر سے تیس ہزار احادیث بیان کی ہیں۔اور امام جعفر صادق سے سولہ ہزار احادیث روایت کی ہیں۔[3]

حضرت ابو ہریرہؓ کا بے مثل حافظہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کے وسعت حافظہ پر امام حاکم کا بیان کردہ ایک واقعہ بھی شاہد عادل ہے جو انہوں نے مستدرک میں بیان کیا ہے

کہ ایک مرتبہ مروان بن الحکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بلایا اور ان سے سوالات پوچھے اور ایک آدمی کو ان کے جوابات لکھنے کے لیے ایسی جگہ پر بٹھایا جہاں سے وہ ابو ہریرہ کو نظر نہ آسکے اور نہ ہی ابو ہریرہ کو اس کا علم ہو سکے۔

چنانچہ جب ایک سال گذر گیا تو اس آدمی کو اسی جگہ بٹھا کر حضرت ابو ہریرہ کو بلایا اور ان سے گذشتہ سال والے سوالات کے جوابات پوچھے، تو آپ نے من وعن اسی طرح بیان کردیئے، نہ ان میں کچھ کمی کی، نہ اضافہ کیا اور نہ ہی ان میں تقدیم و تاخیر کی۔[4]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل علم کی شہادتیں:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

[1] خاتمة و سائل الشیعة ص:١٥١۔ [2] رجال النجاشی ‘ص:٩۔

[3] مشیخة الصدوق ‘ص:٦۔ [4] سیر اعلام النبلا ٢/٥٩٨۔

"ابو هریره احفظ من روی الحدیث فی دھرہٖ"[1]

"حضرت ابو ہریرہ اپنے زمانے میں احادیث روایت کرنے والوں سے بڑھ کر حافظ تھے۔"

ابو صالح ذکوانؒ فرماتے ہیں کہ:

"کَانَ ابو ھریرہ احفظ اصحاب محمد ﷺ"[2]

"حضرت ابو ہریرہ اصحابؓ رسول میں سب سے بڑھ کر حافظ تھے۔"

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام فقیه مجتھد حافظ صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم سید الْحُفَّاظِ الْاَثْبَاتِ"[3]

"حضرت ابو ہریرہؓ امام ہیں' فقیہ ہیں مجتہد ہیں' حافظ ہیں' حضرت نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں' اور مضبوط حفاظ کے سردار ہیں۔"

٢٠ کیا حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو اس قدر مارا کہ ان کا بچہ محسن ان کے پیٹ میں ضائع ہو گیا؟

جواب: یہ بات شیعہ کے بے بنیاد جھوٹوں میں سے ہے، وہ اس افترا کے ذریعے حضرت عمر پر زبان طعن دراز کرنا چاہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ وہ درحقیقت حضرت علیؓ پر' حضرت عمر کے سامنے خاموش رہنے اور بزدلی دکھانے کا بہتان لگا رہے ہیں حالانکہ آپ رسول کریم ﷺ کے دلیر ترین صحابہ میں سے تھے، بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے اپنی لخت جگر ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ بیاہ دی تھی۔[4]

٢١ کیا یہ بات درست ہے کہ آیت مباہلہ

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا

[1] سیر اعلام النبلاء ٢/٥٩٩. [2] اصابة ٤/٢٠٣. [3] سیر اعلام النبلاء ٢/٥٧٨.

[4] تاریخ الاسلام عهد الخلفاء الراشدین:٢٧٥' الکافی:٥/٣٤٦.

وَ اَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ﴾

میں حضرت علیؓ، حضرت نبی کریم ﷺ کا متبادل بن گئے تھے؟ اگر آپ ان کی (متبادل) ذات تھے تو وہ دوسروں سے خلافت کے زیادہ حق دار ہوئے؟

جواب: اس استدلال کے بہت سے جوابات ہیں۔

① حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرات حسنینؓ کو منتخب کیا، کیونکہ یہ تمام لوگوں کو نسبت آپ کے زیادہ قریبی تھے کیونکہ ان کے سوا آپ کی تمام اولاد اللہ کو پیاری ہو چکی تھی اور فقط یہی زندہ تھے، لہٰذا ان کو مباہلہ کے وقت بلایا گیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ مباہلہ قریبی رشتہ داروں میں ہی ہوتا ہے، کیونکہ اگر دور کے رشتہ داروں میں ہو تو مقصود حاصل نہیں ہوتا، اگر چہ وہ افضل بھی ہوں، کیونکہ انسانی جان اپنے قرابت داروں پر جتنا ترس کھاتی ہے، اتنا دوسروں پر نہیں حتیٰ کہ بسا اوقات انسان اپنے بیٹے کی زندگی کی خاطر خود ہلاک ہو جانا پسند کر لیتا ہے۔[1]

② اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرات حسنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آپ ﷺ اپنے دوسرے رشتہ داروں کو نہیں لائے تھے، حالانکہ آپ کے چچا حضرت عباس اور آپ کے چچا زاد عقیل بن ابی طالب اور حضرت عبد اللہ بن عباس وغیرہم بھی موجود تھے، لیکن اس سے امامت بہر حال ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اس آیت میں فاطمہ بھی تو داخل ہیں لیکن وہ اہل امامت میں نہیں ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ کے قول (وَ اَنْفُسَنَا) کو حضرت علی پر محمول کرنا ٹھیک نہیں، کیونکہ حضرت علی کسی صورت میں بھی حضرت نبی کریم ﷺ کے مساوی نہیں۔

④ حضرت علیؓ قرآن کی آیت کے لفظ ﴿وَ اَبْنَآءَ نَا﴾ میں داخل ہیں کیونکہ حضرت

[1] منهاج السنة النبوية: ٧/ ١٢٦ صفوة الآثار و المفاهيم: ٤/ ١٤٥.

رسول کریم ﷺ نے ان کی پرورش کی اور ان کا اپنی بیٹی سے نکاح کیا، لہٰذا وہ آپ کے بیٹے کی طرح تھے۔

⑤ (وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ) سے مراد یہ ہے کہ میں اور تم کیونکہ آدمی اپنے دل کو پکارتا ہے اور دل اسے پکارتا ہے جس طرح فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ ﴾ کہ اس کے دل نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر اکسایا۔

اور جیسے کہ ہم عموماً کہہ دیتے ہیں کہ میں نے اپنے دل سے مشورہ کیا اور میں نے اپنے دل کو بلایا۔[1] اور اگر (وَ اَنْفُسَنَا) سے حضرت رسول کریم ﷺ کی مراد حضرت علیؓ ہوتے تو یہ بات لازمی تھی کہ دوسری طرف مقابلے میں بلانے والا کوئی ایسا آدمی ہوتا جو آپؐ کے ہم پلہ ہوتا۔[2]

[1] مختصر تحفه اثنا عشرية،ص:١٥٦۔ [2] روح المعاني:٣/٢٠٢۔



خاتمۃ الکلام

یہ کتاب دراصل ان لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے جو اصحاب رسول پر زبان طعن دراز کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ

جن ہستیوں پر تم زبان طعن دراز کرتے ہو، انہوں نے اپنے کردار سے تاریخ کو معطر کردیا اور اپنی گفتار سے اسے نکھار دیا اور اپنے ایسے اعمال سے اسے خوبصورت بنایا کہ اگر تمہیں عمر نوحؑ بھی مل جائے تو ان کے کارناموں کے عشرعشیر کو بھی نہ پہنچ سکو گے۔

یہ قرآن' ان کی شہادت دیتا ہے اور سنت مصطفیٰ ان کی صفائی دیتی ہے اور انہیں عادل قرار دیتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے ذریعے قرآن کی حفاظت کی اور وہ قرآن کے راوی اور اس کے حاملین اور مفسرین ہیں۔

انہوں نے سنت مصطفیٰ کو پھیلایا اور اس کی تبلیغ کی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے ذریعے بندوں کو ہدایت عطا فرمائی اور ان کے ذریعے اور ان کی خاطر ملکوں کو فتح کیا۔

انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور اپنے اہل وعیال مال ودولت اور وطن کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نصرت کی۔

انہوں نے مرتدین سے لڑائیاں لڑیں اور انہیں مغلوب کر کے سیدھی راہ پر چلنے پر مجبور کر دیا۔

انہوں نے مصر، عراق، ایران، سجستان اور خراسان کو فتح کیا یہاں تک کہ وہ ہندوستان اور چین تک جا پہنچے، یہ ہے ان کی سنہری تاریخ!

اے زبان طعن دراز کرنے والو! تم اپنے رب کی عظمت و کبریائی کو مدنظر رکھ کر بتاؤ کہ تم نے اسلام کے لیے کیا کچھ کیا؟ اور بتاؤ تمہاری تاریخ کیا ہے؟

اَقِلُّوا عَلَیهِم لَا اَبَا لِاَبِیکُم مِنَ
اللَّوم اَو سُدُّوا المَکَان الَّذِی سَدُّوا (۱)

''کہ تمہارے باپ کا باپ نہ ہو تم ان کی ملامت میں نرم روی اختیار کرو! یا اس خلا کو پُر کرو جیسے انہوں نے پُر کیا ہے۔''

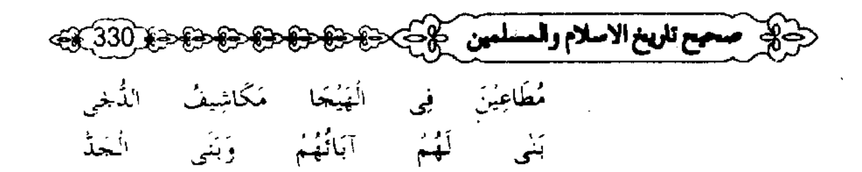
اگر دین بھی تمہیں ان کی کردارکشی سے باز نہیں رکھ سکتا تو! ذرہ بھر حیا ہی کرلو!

---

[1] یہ شعر، حطیہ کے اس قصیدے کا ہے جو اس نے آل شماس کی مدح میں کہا تھا، لیکن مؤلف کی ذہانت پر قربان جائیے، اس نے کس مہارت کے ساتھ اسے صحابہ کرام کی شان پر، دانت پیسنے والوں پر، فٹ کیا ہے!

اس قصیدے کے دیگر چار اشعار تو حقیقتاً صحابہ کرام کے لیے ہی موزوں ہیں اور وہ یہ ہیں:

اُولٰئِكَ قَومٌ اِن بَنَوا اَحسَنُوا البُنَا
وَاِن عَاهَدُوا اَوفُوا وَاِن عَقَدُوا شَدُّوا
یَسُوسُونَ اَحلَامًا بَعِیدًا اَنَاتُهَا
وَاِن غَضِبُوا جَاءَ الحَفِیظَةُ وَ جِد
وَاِن کَانَتِ النُّعمٰی عَلَیهِم جَزَوا بِهَا
وَاِن اَنعَمُوا لَاکَدَّرُوهَا وَلَا کَدُّوا



مُطَاعِيْنَ فِي الْهَيْجَا مَكَاشِيْفُ الدُّجٰى
بَنٰى لَهُمْ آبَائُهُمْ وَبَنٰى الْجَدُّ

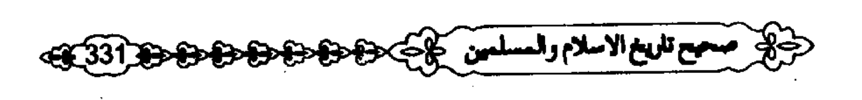
تَمَّ الْكِتَابُ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَ فَضْلِهٖ

انتیس رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً

ابو محمد عثمان بن محمد تمیمی آل خمیس الناصری عفا للہ عنہ و عن والدیہ

و تم ترجمة الكتاب ٢٦ ذى قعده الساعة الحادى عشر و نصف ليلاً ٢٠٠٢ء

عبد الجبار سلفی عفا اللہ عنہ و عن والدیہ



مراجع ومصادر

١۔ اسد الغابة فی معرفة الصحابة۔ ابن الأثیر۔ مکتبة الشعب۔ القاهره

٢۔ إعراب القرآن وصرفه و بیانه۔ محمود صافي۔ دار الرشید۔ بیروت۔ط١۔١٤١١

٣۔ الإصابة في تمییز الصحابة۔ ابن حجر العسقلاني۔ دارالکتاب العربی۔ بیروت

٤۔ الإستیعاب فی اسماء الاصحاب۔ ابن عبد البر۔ دار الکتاب العربی۔ بیروت

٥۔ البدایة والنهایة۔ ابن کثیر۔ دارالکتب العلمیة۔ بیروت۔ ط١۔١٤٠٣۔

٦۔ التاریخ الإسلامی۔ محمود شاکر۔ المکتب الإسلامی۔ بیروت۔ ط ٤۔١٤٠٥

٧۔ التاریخ الکبیر۔ البخاری۔ توزیع دار الباز۔ مکة المکرمة

٨۔ الجرح ولاتعدیل۔ ابن ابی حاتم۔ دار إحیاء التراث۔بیروت۔ط٤۔١٤٠٥

٩۔ الخلافة الراشدة والدولة الاموية من فتح الباری۔یحیٰ الیحییٰ۔ دار الهجرة۔ الریاض۔ ط١۔١٤١٧

١٠۔ السنة لابن ابی عاصم۔ ابن ابی عاصم۔ المکتب الإسلامی۔ بیروت۔ ط٢۔١٤٠٥

١١۔ السنة للخلال۔ ابو بکر الخلال۔ تحقیق د۔ عطیة الزهراني۔ دار الرایة۔ الریاض۔ ط١۔ ١٤١٠

١٢۔ الشیعة و اهل البیت۔ احسان الهی ظهیر۔ ترجمان السنة۔ باکستان۔ ط١٠۔١٤١٥

١٣۔ الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد۔ دار صادر۔ بیروت

١٤۔ العبقویات الإسلامیة۔ عباس العقاد۔ دار الآداب۔ بیروت۔ ط ٢۔ ١٩٢٨

١٥۔ العواصم من القواصم۔ ابن العربي۔ تحقیق محب الدین الخطیب۔ دار الکتب السلفیة۔ بیروت۔ ط١۔١٤٠٦

١٦۔ الفصل فی الملل والأهواء والنحل۔ ابن حزم۔ تحقیق د۔ محمد ابراهیم نصر۔ دار

البل بیروت۔

۱۷ ۔ الکافی۔ ابو جعفر الکلینی۔ تحقیق علی اکبر الغفاری۔ دار الضواء بیروت۔ ۱۴۰۵

۱۸ ۔ الکامل فی التاریخ۔ ابن الأثیر۔ دار الکتاب العربی۔ بیروت۔ ط ۵۔۱۴۰۵

۱۹ ۔ الکفایة فی علم الروایة۔ الخطیب البغدادی۔ دار الکتب الحدیثة۔ القاهرة۔ ط ۲

۲۰ ۔ المستدرک علی الصحیحین۔ الحاکم۔ دار الکتاب العربی۔ بیروت

۲۱ ۔ المطالب العالیة۔ ابن حجر العسقلانی۔ تحقیق غنیم بن عباس۔ دار الوطن۔ الریاض۔ ط ۱۔۱۴۱۸

۲۲ ۔ المغنی۔ ابن قدامة۔ دار الفکر۔ بیروت۔ ط ۱۔ ۱۴۰۵

۲۳ ۔ المنتقی من منهاج السنة۔ الذهبی۔ تحقیق محب الدین الخطیب۔ المکتبة السلفیة القاهرة۔ ط ۳

۲۴ ۔ النهایة فی غریب الحدیث۔ ابن الاثیر۔ تحقیق طاهر الزاوی۔ المکتبة العلمیة۔ بیروت

۲۵ ۔ بحار الأنوار۔ محمد باقر المجلسی۔ موسسة الوفاء۔ بیروت۔ ط ۲۔ ۱۴۰۳

۲۶ ۔ تأویل مشکل القرآن۔ ابن قتیبة۔ تحقیق أحمد صقر۔ دار التراث۔ القاهرة۔ ط ۲۔ ۱۳۹۳

۲۷ ۔ تاریخ الاسلام۔ الذهبی۔ تحقیق عمر عبد السلام۔ دار الکتاب العربی۔ بیروت۔ ط ۲۔ ۱۴۰۹

۲۸ ۔ تاریخ طبری۔ ابن جریر۔ دار العلمی۔ بیروت۔ ط ۵۔ ۱۴۰۹

۲۹ ۔ تاریخ خلیفة بن خیاط۔ تحقیق اکرم ضیاء العمری۔ دار طیبة۔ الریاض۔ ط ۲۔ ۱۴۰۵

۳۰ ۔ تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة من تاریخ الطبری۔ د محمد أمحزون۔ مکتبة الکوثر الریاض۔ ط ۱۔ ۱۴۱۵

۳۱ ۔ تفسیر الصافی۔ الفیض الکاشانی۔ دار الأعلمی۔ بیروت۔

۳۲ ۔ تفسیر الطبری۔ ابن جریر۔ دار الریان۔ دار الحدیث۔ القاهرة۔ ۱۴۰۷

۳۳ ۔ تفسیر القرآن العظیم۔

۳۴ ۔ تهذیب التهذیب۔ ابن حجر العسقلانی۔ دائرة المعارف النظامیة۔ حیدر آباد۔ الهند۔ ط ۱۔ ۱۳۲۵

۳۵ ۔ ثم اهتدیت۔ التیجانی۔ موسسة الفجر۔ لندن۔ ۱۴۱۱

۳۶ ۔ خصائص علی۔ النسائی۔ تحقیق احمد البلوشی۔ مکتبة المعلا۔ الکویت۔ ط ۱۔ ۱۴۰۶

٣٧ـ خلفاء الرسو ـ خالد محمد خالد ـ دار الكتاب العربي ـ بيروت ـ ط ١ ـ ١٣٩٤
٣٩ـ ديوان المتنبي ـ المتنبي ـ المكتبة الثقافية ـ بيروت ـ
٤٠ـ رجال الكشي ـ ابو عمر الكشي ـ تقديم احمد السيد الحسيني
٤١ـ رجال النجاشي ـ ابو العباس النجاشي ـ مكتبة الداودى ـ قم ـ ايران
٤٢ـ رجال حول الرسول ـ خالد محمد خالد ـ دار الكتاب العربي ـ بيروت ـ ط٢ ـ ١٩٧٣
٤٣ـ رسالة الايمان ـ الحائرى الإحقاقي ـ مكتبة الصادق ـ الكويت ـ ط٢ ـ ١٤١٢
٤٤ـ روح المعاني ـ محمود الألوسي ـ دار الفكر ـ بيروت ـ ١٤١٤
٤٥ـ سلسلة الأحاديث الصحيحة ـ الالباني ـ المكتبة الاسلامي ـ دمشق ـ ط٣ ـ ١٤٠٣ ـ
٤٦ـ سنن ابي داؤد ـ سليمان بن الاشعث ـ مراجعة محمد محيي الدين ـ المكتبة السلامية ـ استانبول ـ
٤٧ـ سنن ابن ماجة ـ ابن ماجة ـ تحقيق الاعظمي ـ شركة الطباعة العربية السعودية ـ ط٢ ـ ١٤٠٤
٤٨ـ سنن البيهقي ـ البيهقي ـ دار المرفة ـ بيروت
٤٩ـ سنن الترمذى ـ محمد بن عيسىٰ ـ تحقيق احمد شاكر ـ إحياء التراث العربي ـ بيروت
٥٠ـ الدارمي ـ الدارمي ـ دار الكتب العلمية ـ بيروت
٥١ـ سنن النسائي ـ النسائي ـ تحقيق عبد الفتاح ابو غدة ـ دار البشائر ـ بيروت ـ ط٣ ـ ١٤٠٦
٥٢ـ سير أعلام النبلاء ـ الذهبي ـ اشراف شعيب الارناؤط ـ مؤسسة الرسالة ـ بيروت ـ ط٢ ـ ١٤٠٢
٥٣ـ صحابة رسول الله في الكتاب والسنة ـ عيادة ايوب الكبيسي ـ دار القلم ـ دمشق ـ ط١ ـ ١٤٠٧
٥٤ـ صحيح مسلم ـ مسلم بن الحجاج ـ تحقيق محمد فؤاد عبد الباقي ـ دار إحياء التراث العربي ـ بيروت
٥٥ـ صفوة الآثار و المفاهيم من تفسير القرآن العظيم ـ عبد الرحمن الدوسرى ـ ط١ ـ ١٤٠٥ ـ
٥٦ـ عبد الله بن سبا و أساطير أخرى ـ مرتضى ـ العسكرى ـ دار الزهراء ـ بيروت ـ ط٥ ـ ١٤٠٣
٥٧ـ فاسألوا أهل الذكر ـ التيجاني ـ مؤسسة الفجر ـ لندن ـ ١٤١٢ ـ

٥٨ـ فتح الباری۔ ابن حجر العسقلانی۔ تحقیق محب الدین الخطیب۔ تعلیق ابن باز۔ المکتبة السلفیة۔

٥٩ـ فرق الشیعة۔ النوبختی۔ دار الأضوا۔ بیروت۔ ط۲ـ ١٤٠٤۔

٦٠ـ فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الأرباب۔ حسین النوری۔ الطبرسی۔ بعنایة محمد رضا الطباطبائی۔ طبعة حجریة۔ ١٢٩٨

٦١ـ فضائل الصحابة۔ احمد بن حنبل۔ تحقیق وصی اللّٰہ عباس۔ دار العلم۔ جدة۔ ط١ـ١٤٠٣

٦٢ـ فی الشعر الجاھلی۔ طه حسین۔ دار الکتب المصریة۔ط١ـ١٣٤٤

٦٣ـ قصص الأنبیاء۔عبد الوھاب۔ النجار۔ دار الفکر۔ بیروت

٦٤ـ کشف الغمة فی معرفة الأئمة۔الأربلی۔ دار الأضواء۔ بیروت۔

٦٥ـ لسان العرب۔ ابن منظور۔ دار صادر۔ بیروت

٦٦ـ لسان المیزان۔ ابن حجر العسقلانی۔ موسسة العلمی۔ بیروت۔ ط٣ـ١٤٠٦

٦٧ـ لماذا اخترت مذھب الشیعة؟۔ محمد مرعی الأطاکی۔ ط٣ـحلب۔ مؤسسة الوفاء

٦٨ـ مجموع الفتاوی۔ ابن تیمیة۔ جمع عبد الرحمن قاسم

٦٩ـ مختصر التحفة الإثنی عشریة۔ شاہ عبد العزیز الدھلوی۔ اختصار محمود شکری الألوسی۔ تحقیق محب الدین الخطیب۔ المطبعة السلفیة۔ ١٣٧٣۔

٧٠ـ مختصر تاریخ دمشق۔ ابن منظور۔ تحقیق روحیة النحاس۔ دار الفکر۔دمشق۔ط١ـ١٤٠٤

٧١ـ مرویات أبی مخنف فی تاریخ الطبری۔ یحیٰ الیحیٰ۔ دار العاصمة۔ الریاض۔ط١ـ ١٤١٠

٧٢ـ مستدرك الوسائل۔ النوری الطبرسی۔ موسسة آل البیت۔ قم۔ ایران۔ ط١ـ ١٤٠٧

٧٣ـ مسند احمد۔ احمد بن حنبل۔ دار الکتب العلمیة۔ ط٢ـ ١٣٩٨ـ المیمنیة۔

٧٤ـ مسند احمد۔ احمد بن حنبل۔تحقیق احمد شاکر۔ دار المعارف۔ القاھرة۔ ١٣٧٧

٧٥ـ مصنف ابی شیبة۔ ابو بکر بن ابی شیبة۔ تحقیق عبد الخالق الأفغانی۔ الدار السلفیة۔ الھند۔ ١٣٩٩

٧٦ـ مصنف عبد الرزاق۔ الصنعانی۔ تحقیق حبیب الرحمن الأعظمی۔ المکتب الإسلامی۔ بیروت۔ ط٢ـ١٤٠٣

٧٧ـ معجم الطبرانی ـ الکبیر ـ الطبرانی ـ تحقیق حمدی السلفی ـ ط ٢

٧٨ـ معرفة الصحابة ـ ابو نعیم ـ الأصبهانی ـ تحقیق د ـ محمد راضی ـ مکتبة الدار المدینة ط ١ ـ ١٤٠٨

٧٩ـ مقدمة ابن خلدو ـ ابن خلدون ـ دار الفکر

٨٠ـ منهاج السنة النبویة ـ ابن تیمیة ـ تحقیق محمد رشاد سالم ـ ط ١ ـ ١٤٠٦

٨١ـ میزان الاعتدال ـ الذهبی ـ تحقیق علی البجاوری ـ دار المعرفة ـ بیروت

٨٢ـ نهج البلاغة ـ دار التعارف ـ بیروت ـ ط ١ ـ ١٤١٠

٨٣ـ وسائل الشیعة ـ الحر العاملی ـ تحقیق مؤسسة آل البیت ـ قم ـ ایران ـ ط ١ ـ ١٤٠٩



بعثت رسول سے واقعہ کربلا تک

یہ کتاب حضرت رسول کریم ﷺ کی وفات سے لے کر نواسۂ رسول سیدنا حسینؓ بن علیؓ المرتضٰی کی شہادت ۶۱ھ تک کے اہم ترین عرصہ پر مشتمل ہے۔

اس کتاب میں مندرجہ ذیل اہم موضوعات پر بحث کی گئی ہے

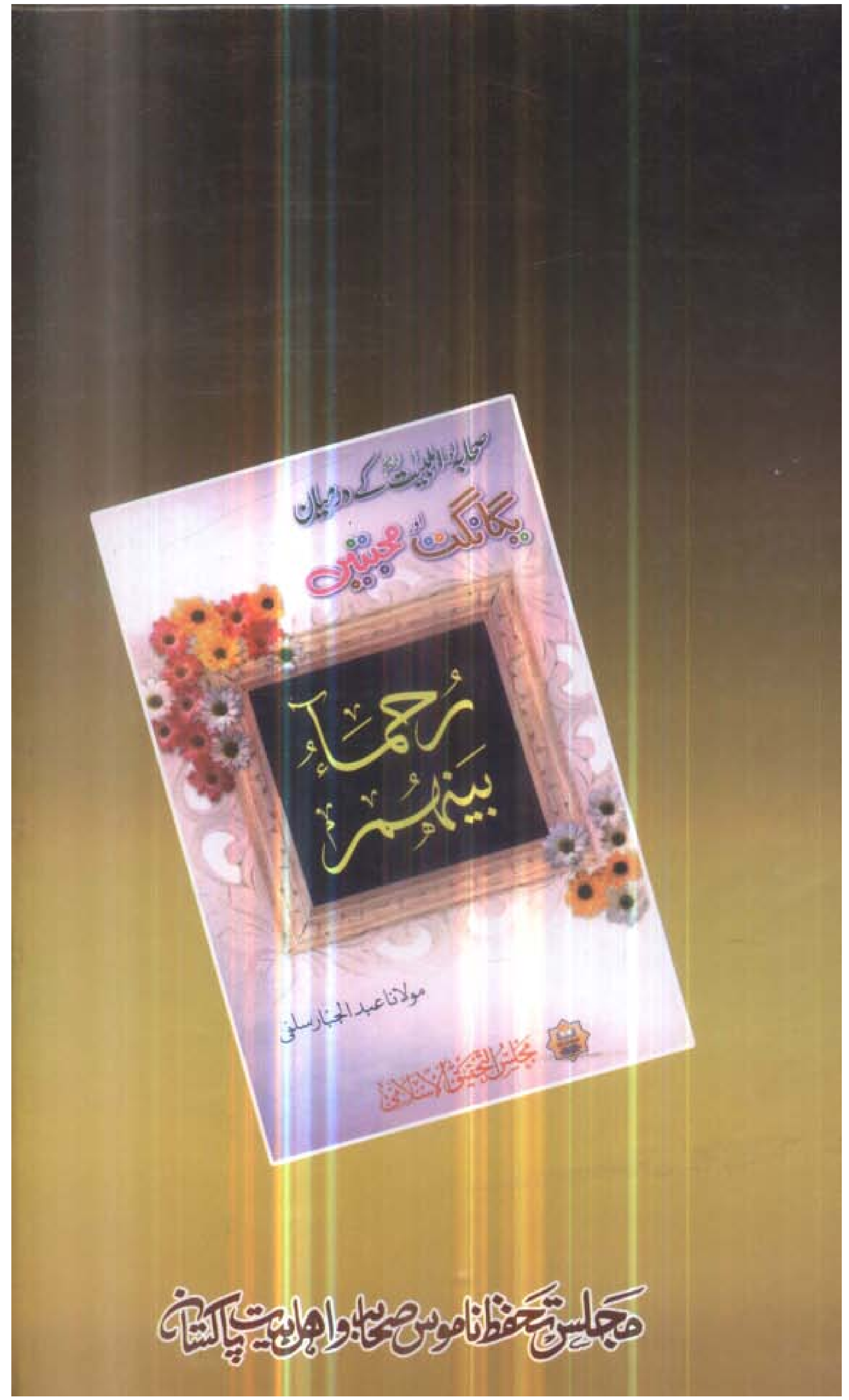
سقیفہ بنی ساعدہ، قصہ شوریٰ، حضرت عثمانؓ پر اعتراضات، شہادت عثمانؓ، خلافت علیؓ المرتضٰی، معرکۂ جمل، معرکہ صفین، معرکہ نہروان، شہادت علیؓ المرتضٰی، خلافت حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب، عام الجماعۃ، خلافت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ، خلافت یزید بن معاویہؒ، شہادت حسینؓ بن علیؓ، صحابہ کرامؓ کی عدالت پر پاکدامنی صحابہ کرامؓ کے متعلق پھیلائی گئی بدگمانیاں اور ان کے جوابات امامت علیؓ المرتضٰی کی اوّلیت کے دلائل اور ان کے جوابات۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اس عمل کو اپنی خوشنودی کے لیے خالص کردے اور اس کتاب کو ہدایت کا فانوس اور ہم پر اصحاب رسول کے حقوق کی ادائیگی کا ذریعہ بنادے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

المؤلف

ادارۃ بناء المساجد دال بازار گوجرانوالہ


صحابہ و اہل بیت کے درمیان
یگانگت و محبت
رحماء بینهم
مولانا عبد الجبار سلفی
مجلس التحقیق الاسلامی
مجلس تحفظ ناموس صحابہ و اہل بیت پاکستان